مُخدّراتؐ

جس میں

[...]ہند ناموروممتاز خاتونانِ ارض کے مفصل مشرح حالاتِ زندگی

[...]ج ہیں۔جن میں کچھ اسلام سے پیشتر کی خاتونیں ہیں اور کچھ اسلام

کے بعد کی

مؤلفہ

[...]ولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی اڈیٹر دلگداز

جسے

[...]ب اجازت مصنف صاحب موصوف خاکسار سید ظہور الحسن مالک قومی پریس

دہلی کٹرہ نظام الملک زیر جامع مسجد نے سنہ ۱۹۱۳ء میں

[...]لالی پریس دہلی میں طبع کراکے شائع کیا

سمی رامیس

ملکۂ بابل

بابل کی نسبت تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگلی دنیا کا کوئی شہر اُسکی عظمت وشان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جب ساری دنیا پر وحشت برس رہی تھی اور تمدن وتہذیب کا کہین پتہ نہ تھا۔ اُس وقت دریائے فرات کے کنارے اِس شہر کی رونق اور چہل پہل اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ توراۃ مین وہ سارے شہرون کی ملکہ بتایا گیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ صدہا عجیب وغریب اور بارونق عمارتون نے زیور کا کام دے کے اسے واقعی دلھن بنا دیا تھا۔ اس کا پہلا آباد کرنے والا اگرچہ نمرود بتایا گیا ہے۔ جسکی بدولت حضرت ابراہیم نے وطن ترک کیا اور جس نے پہلے پہل شاہی اور سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ مگر اِس شہر کو اصلی عروج جس کی کوششون سے حاصل ہوا اور جسکی خوش سلیقگی کے طفیل مین اُسے "ملکہ" اور "دلھن" کے لقب دیئے جاتے ہیں۔ یہی ملکہ سمی رامیس تھی جس کا نام آج ہماری کتاب کا زیب عنوان ہے۔ اور جس کے حالات ہم تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ سمی رامیس نے بابل کو ایسا سنوارا اور سجایا تھا کہ تمام عالم کے شہرون نے اُس کے عظمت وجلال اور اُس کی خوش نمائی وزینت کے آگے ادب سے سر جھکا دیا اور بابل کے جس کنوین مین ہاروت وماروت کے سے فرشتے پھنس کے رہ گئے کون

تعجب نہین کہ وہ ایسی پری جمال ملکہ کا چاہ غبغب ہو۔ بابل کی خوشنمائی اور رونق کی داستانین اس بات کا ثبوت دے رہی ہیں کہ کسی چیز کے بنانے سوارنے اور آراستہ کرنے مین عورت کا سلیقہ مردون سے کس قدر بڑھا ہوا ہے۔

سمی رامیس ولادت سرورکائنات صلعم سے ۱۸۰۷ سال پیشتر اور حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو آزاد کرا کے مصر سے نکلے ہین اُس کے ۱۹۱ سال بعد تھی۔ اور حضرت سلیمان کی شان وشوکت اور بیت المقدس کی تعمیر سے ۲۸۴ سال۔ پہلے دنیا سمی رامیس کے اوج وعروج اور جاہ وجلال کا تماشا دیکھ چکی تھی۔ بابل جس مملکت کا پایہ تخت تھا وہ اشوریا یا انگریزون کے تلفظ کے مطابق اسیریا کہلاتا ہے۔ اور جو قوم اس ملک مین آباد تھی اور جس نے دنیا مین سب سے پہلے تہذیب وتمدن کے کرشمے دکھائے بنی سام مین سے تھی یعنی وہ لوگ سارے عربون اور اسرائیلیون کے اور ہمارے بنی اعمام تھے اور ہم کہہ سکتے ہین کہ اُن کا عروج بھی ہمارے ہی گذشتہ عروج کی ایک پُر لطف داستان ہے۔ ملک اشوریا کا قائم مقام فی الحال الجزیرہ کہلاتا ہے۔ جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ اور دولت عثمانیہ کی قلمرو مین شامل ہے۔ اِس ملک مین اسی قوم کی ایک اور ملکہ بھی گذری ہے جو نی طوقریش کے نام سے مشہور تھی۔ اُس نے بھی بابل کی رونق بہت بڑھائی۔ مگر سمی رامیس اُس سے پانچ پشت پہلے سریرآرائے سلطنت تھی اور اُس کی سطوت وجبروت سے دنیا کانپ رہی تھی۔

سمی رامیس کے حالات قدامت کے دُھندھلکے مین پڑ کے ایسے مشتبہ ہو گئے ہیں کہ اُسکے واقعات مین سے بہت سی باتون کی نسبت موجودہ مورخین کو شبہات پیدا ہو گئے ہیں مگر یونانی مورخ ہیرودوطوس اور قطی سیاس نے اُس کے کارنامہ بڑی تفصیل سے اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے ہیں گو دونون کے بیان مین اتنا اختلاف ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہیرودوطوس کی سمی رامس اور ہے اور قطی سیاس کی سمی رامیس

اور سیمی رامیس سے پہلے اُس کا شوہر نی نوس اشوریا والون کا تاجدار تھا جب وہ مرا
تو اگرچہ اُس کا بیٹا نی نیاس موجود تھا - جو خود سیمی رامیس کے بطن سے تھا مگر اُسے نابالغ
و ناتجربہ کار دیکھ کے سمی رامیس نے تاج شہنشاہی خود اپنے سر پر رکھ لیا - اور یہ نہین
کیا کہ بیٹے کو تخت نشین کر کے خود اُسکی جانب سے انتظام کرتی بلکہ بیٹے کو محروم کر کے اور
تاج شہریاری کو اپنے سر سے زینت دے کے عنان حکمرانی اپنے ہاتھ مین لے لی -

وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال بتائی جاتی ہے مگر مورخین یونان کا بیان
اگر صحیح ہے تو اُس کا حسن عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ نہ تھا - اور معلوم ہوتا ہی
کہ اُسکے شباب کے جوش اور جوانی کی عشرت پرستیون نے عشقبازی و ناز آفرینی کے
عجیب عجیب کرشمے دکھائے - مگر اِس اخلاقی عیب کے ساتھ وہ بڑی عقلمند - زبردست
مدبر - نہایت ہی خوش سلیقہ - بہت بڑی دلیر و شجاع اور حد درجہ کی اولعزم و بلند حوصلہ
تھی اگر نظام مملکت مین وہ اپنے حسن تدبیر کا ثبوت دیتی تھی تو عرصہ نبرد مین بڑے
بڑے زبردست حملہ آورون سے زیادہ بہادر اور شجاع ثابت ہوتی تھی - جشن طرب
اور بزم عیش مین وہ اپنی نفاست مزاجی اور خوش سلیقگی کے کمالات ظاہر کرتی تھی تو
شہر کی ترقی اور عالی شان عمارتون کی تعمیر مین اپنی خوش مذاقی و بلند حوصلگی کے ثبوت
دیتی تھی - اُسکے شوہر نے اور خود اُس نے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زور شور اور جوش
و خروش سے فوج کشی کر کے اشوریا کے پُرانے دار السلطنت شہر نے نوا کو تباہ و برباد
اور مغلوب و مقہور کر دیا - اور شوہر کے مرنے کے بعد فتحمندی و حملہ آوری کا سلسلہ
جاری رکھنے کے ساتھ ہی اُس نے شہر بابل کی آراستگی شروع کی - جس مین اُس کے
حُسن کی کرشمہ سازیون کا اتنا اثر تھا کہ دنیا بھر مین بابل کے جادو کی شہرت تھی - اور
سحر بابل آجتک مشہور ہے - اور کوئی تعجب کی بات نہین اگر سحر بابل کی ابتدا سمی رامیس
کی نرگس فتان اور اُس کی ساحرانہ نگاہ نازہی سے پڑی ہو -

اور سچ یہ ہے کہ بابل مین سمی رامیس نے جو عمارتین بنوائین ایسی حیرت انگیز تھین کہ اُنکا خیال کرنے سے بھی ایک پراسرار جادو کا کارخانہ خیال کی آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے - اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ چیزین انسانی قوت سے باہر ہین - مثلاً اُس نے بابل کے گرد جو شہر پناہ بنوائی اتنی بڑی اتنی بلند اور ایسی مضبوط تھی کہ زمانہ اُس پر قیامت تک حیرت کرتا رہے گا - دریائے فرات بابل کے بیچ مین سے ہوکے بہا تھا جس کی وجہ سے آدھا شہر اُسکے مشرقی کنارون پر تھا اور آدھا مغربی کنارون پر - یہ شہر پناہ دونون حصون کو اپنے حصار مین لئے ہوئے تھی - شہر پناہ مربع تھی - اور اس کا پورا دور ۶۰ میل کا تھا جس کا ہر ضلع یا رُخ ۱۵ میل کا تھا - اور ۲۲۵ مربع میل زمین اُس کے رقبہ مین آگئی تھی - اس رقبہ ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر ہی نہین بلکہ گویا پورے ایک ضلع کے گرد ایک بردست حصار کھینچ دیا گیا تھا - اور چارون طرف سے قلعہ بندی کردی گئی تھی جسکے اندر عالیشان قصر و ایوان اور بڑے بڑے یگانہ روزگار مندرون کے علاوہ پھل لانے والے باغ نزہت بخش چمن - سرسبز مرغزار - اور لہلہاتے ہوئے کھیت بھی جابجا موجود تھے فصیل کی دیوار بھی کوئی معمولی دیوار نہ تھی - اُس کا آثار ۹۰ فٹ کا تھا - اور ۳۵۰ فٹ بلند بتائی جاتی ہے - اُس کی بلندی پر برابر برابر تین رتھین سہولت کے ساتھ دوڑ سکتی تھین یکسان فاصلہ پر ناپ ناپ کے سو پھاٹک قائم کئے گئے تھے جن پر ٹھوس برنجی پٹ چڑھے ہوئے تھے - شہر کے ہر ہر پہلو پر پچیس پچیس پھاٹک تھے جن سے سڑکین نکل کے بخط مستقیم اُن کے مقابل و محاذی پھاٹکون تک چلی گئی تھین - اور چونکہ ان سڑکون کے تقاطع سے شہر کے اندر برابر کے مربع قطعات پیدا ہوگئے تھے لہذا یون سمجھنا چاہیے کہ شہر کے اندر ۶۷۶ جدا جدا کوارٹر اور حلقہ بن گئے تھے - شہر پناہ کے اوپر برابر کی مسافت سے نہایت ہی خوشنمائی و تناسب کے ساتھ ۲۵۰ عالیشان برج بنائے گئے تھے جن مین رات بھر پہرے والے پہرہ دیتے اور شہر پناہ پر فوج گشت لگاتی رہتی -

دونون ناکے جہان سے دریائے فرات شہر مین داخل ہوا اور نکلا تھا وہ بھی بڑے بھاری زبردست پھاٹکون سے محفوظ کیے گئے تھے۔ یہ پھاٹک جو دریا کی سطح پر پھیلے ٹوٹتے تھے یعنی جب کھولے جاتے تو ٹوٹ کے اور تہ ہو کے کنارون پر سمٹ آتے اور جب راستہ روکنے کے لیئے پھیلائے جاتے تو سارے دریا کے پاٹ کو باہر کی آمدرفت سے روک دیتے۔ دریا کے کنارے کنارے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عمدہ اور مضبوط پشتہ بنائے گئے تھے۔ اور جہان دریا سڑکون کو قطع کرتا وہان سڑکون کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیئے پل بنادیئے گئے تھے۔ اور کہتے ہین کہ ایک راستہ دریا کے نیچے سے بھی کھود کے آر پار نکال دیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اور ایسی حیرت انگیز شہر پناہ اور ان پلون کا بنانا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اور باوجود اتنی ترقی علم و فن کے آج بھی دنیا کوئی ایسا شہر نہین تعمیر کر سکی ہے۔ اگرچہ لندن والے اپنے شہر کو اس عہد کا بابل کہتے ہین۔ مگر بابل کے جو حالات تاریخ کے صفحات پر نظر آتے ہین۔ ان سے لندن کو بھی کوئی نسبت نہیں۔

شہر کے عین وسط مین بعل کا مندر تھا۔ جس کا مربع رقبہ ۳۲ ایکڑ زمین پر دی تھا اسکے ہر کونے پر ایک برج تھا۔ اور چونکہ ستارہ پرستی ان لوگون کا اصلی مذہب تھا۔ لہذا ہر برج مین تلے اوپر سات طبقے تھے جو ساتون سیارون کے سات حرم یا سات دربار تصور کیے جاتے اور ہر سیارے کا رنگ بھی الگ الگ معین کر دیا گیا تھا۔ سنہرا رنگ سورج کا تھا۔ روپہلا چاند کا نیلگون مشتری کا۔ سیاہ زحل کا۔ نارنجی عطارد کا۔ زرد زہرہ کا۔ اور سرخ مریخ کا۔ سب سے پہلا طبقہ جو زمین سے قریب تر تھا زحل کا دربار قرار دیا گیا تھا جس مین ہر در و دیوار پر کالا رنگ پھرا تھا۔ اور زحل کے تمام علامات و شعار یہان لا کے جمع کیے گئے تھے۔ اسکے اوپر اسکے طبقہ مین عطارد کا دربار تھا جہان ہر طرف نارنجی رنگ تھا۔ اسکے اوپر مریخ کا دربار تھا جس مین ہر چیز سرخ تھی۔ اسکے اوپر سورج کا دربار تھا جہان در و دیوار پر سونا پھرا تھا اسکے اوپر زہرہ کا دربار تھا جہان ہر چیز زرد اور بسنتی تھی۔ اسکے اوپر مشتری کا دربار تھا جہان

در و دیوار اور ہر چیز نیلگون تھی اور سب کے اوپر چاند کا دربار تھا جہان کے در و دیوار اثمرہ سے تھے اور چونکہ مختلف رنگ اُن برجون پر باہر کی طرف بھی پھیرے ہوئے تھے۔ لہذا ان پر لطف رنگ آمیزیون سے اُن برجون مین قوس قزح کی سی رعنائی پیدا کر دی گئی تھی۔

اسی طرح کا ایک بہت بڑا عظیم الشان مندر بیچون بیچ مین بھی تھا جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لمبا چوڑا تھا۔ اس عالیشان مندر کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ دنیا مین آج تک اس سے اونچی کوئی عمارت نہین تعمیر ہو سکی۔ مصر کے اہرام مین سے جو ہرم سب سے زیادہ بلند ہے یہ برج اُس سے بھی اونچا تھا۔ یہی وہ برج ہے جو ”برج بابل“ یا ”تل نمرود“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس مین ویسے ہی طبقہ ویسے ہی ستارونکے نام کے دربار اور ویسے ہی رنگ تھے جیسے کہ چارون کونونکے چارون معبدونمین بنائے گئے فرق اتنا تھا کہ یہانکی ہر چیز بہت بڑے پیمانے پر تھی یونانی مورخ ہیرودوطوس نے اس برج کا نقشہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ عمارت تقریباً ۶۰۰ فٹ بلند تھی جس مین ایک دوسرے سے ملحق اور اُسی کے اوپر لگاتار سات برج بنتے چلے گئے تھے۔ ہر برج کی بلندی ۷۰ فٹ کی تھی۔ دوسرا برج جو اُس کے اوپر تھا وہ اُس سے ۷۰ فٹ بلند تھا۔ اسی طرح ساتون برج ایک دوسرے سے ۷۰ فٹ بلند ہوتے ہوتے ۵۲۵ فٹ کی بلندی کو پہونچ گئے تھے۔ پھر اُسکی چوٹی پر بعل کا مندر تھا۔ جہان ایک ۴۰ فٹ کی لمبی خالص سونے کی ٹھوس مورت قائم تھی اُسکے پاس سونیکی ایک میز اور کشتی اتنی بڑی تھی کہ اُس کی قیمت کا اندازہ ساڑھے بائیس کروڑ پونڈ کا کیا جاتا ہے۔ اس بالائی معبد مین دو قربان گاہیں تھین جن میں سے ایک سونے کی تھی اور اُس مین خاص پرستش کے دنون اور عیدون کے موقع پر منون عود و لوبان سلگایا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ بھی انہیں نے اور بہت سے قصر و ایوان تعمیر کرائے۔ اور سب سے زیادہ کمال یہ کیا کہ شہر کے متصل ایسے عمدہ اور پختہ تالاب بنوائے اور دریا سے کاٹ

ایسی نہرین نکالین جن سے ایک طرف تو ملک کی زراعت کو بے انتہا ترقی ہوئی - اور دوسری طرف شہر والون کو دریا کی طغیانی سے بالکل اطمینان ہوگیا - ادہر فرات مین سیلاب آتا اور اُدھر اُن تالابون اور نہرون مین پانی کے کم ہوجانے کی وجہ سے طغیانی کا سارا زور ٹوٹ جاتا خاص دارالسلطنت کے علاوہ اپنی قلمرو میں بھی اُس نے بہت سے بڑے بڑے کام کئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دشواری اُس کی ہمت اور حوصلہ کے آگے آسان تھی - کہین پہاڑون کو کاٹ کاٹ کے میدان کر دیا - کہین نہرین جاری کین اور کہین بڑے بڑے محل تعمیر کرائے لیکن ان عمارتون اور بڑے بڑے کامون کو دیکھ کے حیرت معلوم ہوتی ہے کہ سمی رامیس کو کیونکر فرصت مل گئی کہ اُس نے میڈیا والون - فارسیون - لیبیا والون - اہل حبشہ اور ملک مصر پر چڑھائیان کین - جن مین وہ لاکھون خلقت کو اپنے ہمراہ رکاب لے گئی اور کامیاب و بامراد غانم وسالم واپس آئی - آخر مین اُس نے ہندوستان کی عظمت و قوت اور یہان کی دولت وحشمت کا شہرہ سُنا - اور فوج لے کے آمادہ ہوگئی کہ اس ملک کو بھی فتح کرکے اپنی قلمرو مین شامل کرلے - اور یہی مہم اُس کے زوال کا باعث ہوئی - سہ قرعہٗ فال بنام من دیوانہ زدند ؎

جب زبردست لشکر لے کے وہ ہندوستان کی مہم پر روانہ ہوچکی تو ہمراہی سرداران فوج نے عرض کیا کہ دو ہندوستان کے راجاؤن کے پاس بڑے بڑے ہاتھی ہیں - جو دم بھر میں ہزارون آدمیون کو پامال کرڈالتے ہین - اور جو لوگ اُن کی پیٹھ پر سے تیراندازی کرتے ہیں اُن تک کسی کی رسائی نہین ہوسکتی - حضور وہان چلتی تو ہیں مگر ان ہاتھیون سے بچنے کی کون تدبیر سوچی ہے ؟" سمی رامیس نے اس آفت سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ تین ہزار کالے بیلون کو ذبح کرکے اُن کی کھالین کھچوائین - اور اُن کھالون کو جوڑ جوڑ کے بہت سے ہاتھیون کی صورت کے خول نبوائے جو اونٹون کو پہنا دیئے گئے اس طریقہ سے وہ اونٹون کو ہاتھی بنا کے میدان مین لائی - اور خوش تھی کہ دشمن ان مصنوعی

ہاتھیون کو دیکھہ کے ڈرجائین گے اور سمجھین گے کہ اُن کے زبردست حریف کے لشکر مین بھی بڑے بڑے ہاتھی موجود ہین۔

لڑائی کے شروع ہوتے ہی ہندوستان کے راجہ نے اپنے اصلی ہاتھیونکے دل بادل کو سے کے حملہ کیا۔ اور اِدھر سے سمی رامیس اپنے مصنوعی ہاتھیون اور بہادر سوارون کو لیکے بڑھی۔ جب دونون لشکر مل گئے اور جنگ مغلوبہ ہو رہی تھی سمی رامیس کی فوج کے کسی ہاتھی کے کچل جانے اور اونٹ کے بلبلا کے بھاگنے سے ہندو راجہ کو اشوریا والون کے ہاتھیون کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور سمی رامیس کا سارا فریب کھل گیا۔ اس راز کے فاش ہوتے ہی راجہ نے اپنے ہاتھی ریل دیے۔ جنھون نے اشوریا والون کے مصنوعی ہاتھیون کو دم بھر مین کچل کے رکھہ دیا اور سارے اونٹ جو ہاتھیون کے غلاف مین تھے بلبلاتے ہوئے بھاگے۔ اُن کا بھاگنا تھا کہ اہل بابل کو شکست ہوگئی۔ ہاتھیون سے ڈر ڈر کے بدحواس بھاگے۔ یہ دیکھہ کے ملکہ سمی رامیس نبرد آزمائی کے لئے بڑھی۔ اور میدان جنگ مین آکے بڑی بہادری سے لڑی۔ مگر اسکو کیا کرتی کہ تقدیر برسر خلاف تھی۔ آخر اُسے بھی سر سے پاؤن تک بہت سے زخمون سے چور ہوکے اور کئی کاری زخم کھا کے میدان چھوڑنا پڑا۔ بابلی لشکر کا زیادہ حصہ قتل ہوا۔ بہت سے بھاگتے مین مارے گئے۔ اور سارا لشکر تباہ و برباد ہوگیا۔ سمی رامیس کا گھوڑا چونکہ بہت ہی تیز دم تھا لہذا راہوار تیز پا کی بدولت جان بچا کے اُس بازار مرگ سے نکل آئی۔ اور بازی ہار کے ناکام و نامراد اپنے دارالسلطنت بابل مین پہونچی۔ مگر دل شکستہ اور ملول و حزین۔ کیونکہ شکست و نامرادی سے اُسے اپنی زندگی مین یہی پہلا سابقہ پڑا تھا۔ دوسری طرف زخمون نے بھی نیمجان کر رکھا تھا ان سب باتونکا ایسا اثر ہوا کہ گھر پہونچتے ہی دنیا ترک کرکے گوشہ نشین ہوگئی۔

بابل کی اکثر باتین مشتبہ تھین منجملہ اُن کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ اِن لوگون کے مذہب مین نفس کشی ریاضت اور جسم کو آزار پہونچانے کا بہت رواج تھا۔ بت خانہ کے متعلق

ایک بڑا بھاری خفیہ تہ خانہ تھا۔جس کی ویسی ہی حالت تھی جیسی کہ قرون وسطیٰ مین ننون کی خانقاہون کی تھی۔یعنی اُس کے راز نہ کھلنے پاتے۔اور جہان بہت سی عورتین بردستی بھی بھیج دی جاتین جنکو سزا دینا یا آزار پہونچانا منظور ہوتا۔بت خانہ کے پوجاری اور کاہن وہان ساری دنیا کی نظر سے چھپا کے اُس بیکس پر طرح طرح کے مظالم کرتے۔سمی رامیس بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تہ خانہ مین چلی گئی جس مین بہت ہی کم لوگ جا کے واپس آیا کرتے تھے اس تہ خانہ کی بانی بھی سمی رامیس ہی تھی۔جس نے بہتون کو سزا دہی کے طریقہ سے اس خانہ مین بھیج کے دنیا سے ناپید کر دیا تھا اور آخر خود بھی آپ ہی اُس مین چلی گئی۔

اس کے بعد عنان حکومت اُس کے بیٹے نی نیاس کے ہاتھ مین آئی جس کے دل مین مان کی طرف سے بغض بھرا ہوا تھا۔چنانچہ تخت پر قدم رکھتے ہی اُسنے کاہنون اور مقتداؤن سے سازش کر کے سمی رامیس کو قتل کرا ڈالا۔لیکن۔لیکن اُس پر اُس مخفی مقام مین چاہے جتنا بڑا ظلم ہوا ہو اور جس طرح قتل کی گئی ہو مگر اشوریا والون کے دلون پر اُس کی عظمت کا جو سکہ جما ہوا تھا اُس نے غیبت کے ساتھ ہی اُسے اپنی قوم مین دیوی اور مظہر عظمت آلہی تسلیم کرا دیا۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی تناسخ کے قائل تھے۔چنانچہ مقتدایان دین صابئی نے لوگون کو باور کرا دیا کہ سمی رامیس نے انسانی جسم چھوڑنے کے بعد اپنے حسن وجمال کی رعایت سے ایک کبوتری کی صورت اختیار کر لی ہے۔اسی بنا پر اُس کے نام سے خوبصورت کبوتری کی مورت بنا کے بُت خانون مین رکھی گئی۔در و دیوار پر بھی اوسی کبوتری کی تصویرین بنائی گئین اور دھڑتے سے اُس کی پرستش کی جانے لگی۔

کہا جاتا ہے کہ جوپیٹر آمون نے جس کا بڑا مندر بلندی مصر مین تھا ایک فال کے ذریعہ سے یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ سمی رامیس کو جب ناکامی ہو گی اُس وقت وہ دنیا سے غائب ہو جائے گی۔اور وہی ہوا۔

مورخین کا بیان ہے کہ وہ ۶۲ سال کی ہو کے مری۔اور ۴۲ سال تک تخت

شہنشاہی پر جلوہ افروز ہوکے حکمرانی کرتی رہی - یعنی جب تاج شاہی سر پر رکھا ہے
اُس وقت اُس کی عمر بیس برس کی تھی - جو نشہ جوانی کا وقت تھا - اور اُس کی نوعمری
کی بیوگی نے اگر اُس مین بعض قسم کی بے اعتدالیان پیدا کر دی ہون تو کیا عجب ہے؟
ارمن کا شہر وان ارمینون مین سمی رامیس کا شہرہ کہلاتا ہے - جہان بعض پتھرون
مین ایسے کتبہ برآمد ہوئے ہین جن مین سمی رامیس کے حالات لکھے ہوئے ہیں -

زلیخا

ملکۂ مصر

یون تو ناز آفرینی و ناز برداری اور دلربائی اور دلفروشی کی گرم بازاری عشق و محبت
کے چراغ کو ہمیشہ اور ہر جگہ اُکساتی اور تیز کرتی رہتی ہے - مگر مصر کو اس بارۂ خاص مین
ساری دنیا پر ایک نمایان فوقیت حاصل ہے - شعرائے عجم ترکون کے حسن و جمال کی تعریف
مین ہمیشہ رطب اللسان اور ایک ترک شیرازی کے خال ہندو پر سمرقند و بخارا کو قربان
کرتے رہے - گر جتان کے حسن و جمال کا ایک زمانہ دیوانہ ہو رہا ہے - اور وہ کوہ قاف
کی پریان ہی ہین جو صدیون اور مدت ہای دراز سے ایران و روم کے شاہی محلون کی
زیب و زینت بنی ہوئی ہین - متھرا جی کی گوپیون نے سری کرشن جی کی دیوتائی کی شان
مین زندہ دلی کی جان ڈالی ہے - مگر سرزمین مصر نے اپنی نازنین مہوشون کی دلربائی و دلفریبی
کے جیسے جیسے کارنامے صفحات تاریخ پر درج کرا دئے ہین اور کسی ملک کو نہین نصیب -
کیونکہ زلیخا اور قلوبطرہ کلوپیٹرا کی سی نازنین دلبرون کو کسی ملک کی تاریخ نہین پیش
کر سکتی جنھون نے دلبری و دلستانی کو ایک فن بنا کے اُس مین انتہا درجہ کا کمال دکھا دیا -
زلیخا کے حالات کو یہانتک شہرت و نمود حاصل ہے کہ توراۃ اور قرآن کے روحانی

لٹریچر مین بھی انھین جگہ ل گئی۔ اور قلوبطرہ کے واقعات مورخین روم کے ذریعہ سے اسقدر مشہور ہوئے کہ آج ہر زبان کے مورخین کی زبان پر ہین۔ اور مبتین سے متین اہل تاریخ کے بیان مین بھی اُن کا تذکرہ آتے ہی ایک شاعرانہ رس اور مزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اپنے حُسن جمال کے اثر اور اپنی سحر آفرین آنکھون کے جادو بھرے تیرون سے کسی کے دل کو زخمی کر دینا ایک ایسا فن ہے جس مین ہر ملک کے حسین کمال رکھتے ہین۔ اور ہر جگہ کے عشاق خستہ جگر اپنے دلربا ؤن کی بے رحمی کی شکایت کر رہے ہین۔ رومی شاعر اُووڈ کی مثنوی "دی آرٹ آف لو"۔ (فن عشق بازی) کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روم کی ناز آفرین مہ جبین کس خوبصورتی سے دل چھین لیا کرتی تھین۔ اور اُن کے ہاتھون سے عشاق کیسے دل برشتہ ہو رہے تھے۔ مگر مصر کی یہ دونون عالم حُسن کی ہیروئینن جنھون نے دلستانی کی معرکہ آرائیون مین قیامت تک یاد رہنے والی فتحین حاصل کی تھین سب سے بڑا یہ امتیاز رکھتی ہین کہ اپنے حُسن کے موثر بنانے اور اپنے تیر نظر مین جہانگیری کی قوت پیدا کرنے مین اُنھون نے جو کمال دکھا دیا اور کہین کی نازک ادا دلربائین نہین دکھا سکین۔

زلیخا کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف کو اُنکے نامہربان بھائیون نے صحرائے عرب کے ایک اسماعیلی قافلہ والون کے ہاتھ بیچ ڈالا تو وہ لوگ آپ کو لے کے مصر کے بازار حُسن مین پہونچے۔ اور قطفیر نام ایک معزز عہدہ دار مصر کے ہاتھ بیچا جو دربار فراعنہ مین وزیر خزانہ کی خدمت پر مامور تھا۔ اور عزیز مصر کہلاتا تھا۔ عزیز نے حضرت یوسف کو لاکے اپنی بی بی کے سپرد کیا۔ جس کا نام مورخین سلف کے نزدیک توراعیل[1] تھا مگر خدا جانے کیونکر ایران و ہند کے متاخر شعراء و مورخین مین "زلیخا"

[1] توراۃ اور قرآن مجید مین اس خاتون کا کوئی نام نہین بتایا گیا ہے اور وہ عزیز کی جورو" یا "امرأۃ العزیز" کے الفاظ سے یاد کی گئی ہے۔ عرب کے قدیم مورخ ابن اثیر وغیرہ اس محترم و مشہور خاتون کا نام "دوراعیل" بتاتے ہین۔ مگر اب مسلمانون مین اُس کا نام زلیخا مشہور ہے۔

مشہور ہوگیا۔ اور چونکہ اِس معزز خاتون کا یہی نام ایران وہندوستان کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ لہذا ہم بھی اُسے اسی مشہور نام سے یاد کرتے ہین۔ عزیز نے حضرت یوسف کو اپنی بی بی کے حوالے کرتے وقت یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ ہم لاولد ہین اِس لئے اِس خوبصورت کنعانی لڑکے کو بیٹا بناکے پالین گے۔

جب آپ بڑے اور جوان ہوئے اور آپ کے حُسن وجمال مین جوانی کی دلربائی نے جلوہ دکھادیا تو زلیخا آپ کی صورت پر فریفتہ ہوگئی۔ اور اپنے دام مین گرفتار کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیرین کرنے لگی۔ مگر ایک معصوم پیمبرزادے کے قدم کو لغزش ہونا غیر ممکن تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اُس نے مولانا جامی کی روایت کے مطابق ایک مکان کو ایسے طریقہ سے سجایا اور آراستہ کیا کہ انسان کیسا ہی بے حس ہو اُس مین قدم رکھتے ہی اُس کے دل مین ایک شورش عشق پیدا ہوجائے ہر طرف در و دیوار مین ایسی تصویرین لگی ہوئی تھی جنھین دیکھہ کے دل ہاتھون سے جاتا رہتا۔ اور ممکن نہ تھا کہ انسان اپنے دل پر قابو رکھہ سکے۔ اُس مکان کے اندر زلیخا یوسف کو تنہا لے گئی۔ سب دروازے بند کرلئے۔ اور کمال بیتابی عشق کے ساتھہ یوسف سے لپٹ گئی۔ یہان کے عالم کو دیکھہ کے یوسف بھی ازخودرفتہ ہوگئے۔ قریب تھا کہ اُس کے دام زلف مین گرفتار ہوجائین مگر ساتھہ ہی تنبہ ہوا اور بے اختیار بھاگے۔ زلیخا نہایت ہی بیتابی سے پیچھے دوڑی اور دامن پکڑ لیا۔ مگر یوسف نے ایسی بے اختیاری سے جھٹکہ دیا کہ دامن پھٹ کے اُسکے ہاتھہ مین رہ گیا۔ اور یہ دروازہ کھول کے باہر نکل پڑے۔

باہر نکلتے ہی عزیز کا سامنا ہوگیا جس نے دونون کو اِس حالت مین دیکھا کہ آگے آگے تو نہایت بدحواسی کے عالم مین یوسف ہین۔ پیچھے اُس کی جورو ہے۔ اور یوسف کا پھٹا ہوا دامن اُس کے ہاتھہ مین ہے۔ یہ دیکھہ کے اُدھر تو وہ بھوچکا رہ گیا۔ ادھر اِن دونون کا یہ عالم ہوا کہ ع ”وہ کاٹو تو لہو نہ تھا بدن مین“۔ مگر زلیخا کی پُرفتن طبیعت اور

پر فن فطرت نے اُسے سنبھالا۔ شوہر کی طرف دیکھ کے بے تحاشا چلائی "تمہاری بی بی کے ساتھ جو کوئی برا ارادہ کرے اُس کی سزا قید کے سوا بھلا اور بھی کچھ ہو سکتی ہے؟" یہ سن کے یوسف مین تاب نہ رہی۔ بولے "خود ہی تو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ اور اُلٹے مجھی کو الزام دیتی ہیں۔ مین جان بچا کے بھاگا تو میرے پیچھے دوڑین اور میرا دامن پھاڑ لیا" اب عزیز مصر متردد تھا کہ کیا فیصلہ کرے اور کسے الزام دے کہ اُس کا چچازاد بھائی جو اتفاقاً اُس کے ساتھ تھا بولا "مدد کرتے ہی کے دیکھنے سے دونون کا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ اگر یوسف کے کُرتے کا اگلا دامن پھٹا ہو تو جانیے کہ زلیخا سچی ہیں اور یوسف جھوٹے ہین۔ اور اگر پچھلا دامن پھٹا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یوسف سچے ہین۔ اور یہ جھوٹی ہین" اس تجویز کے مطابق کرتے کا معائنہ کیا گیا تو نظر آیا کہ پچھلا دامن پھٹا ہوا ہے۔ اِس ثبوت کے بہم پہونچتے ہی زلیخا کا سر ندامت سے جھک گیا۔ اور عزیز نے بی بی کی طرف دیکھ کے کہا "یہ تمہارا ہی فریب ہے۔ سچ یہ ہے کہ تم لوگ بڑے ہی مکار ہوتے ہو" بی بی کو سزا کیا دیتا؟ اور پھر عزیز کا سا ناکارہ آدمی! جس کی نسبت مشہور تھا کہ عورتون کے کام ہی کا نہین ہے۔ اِس واقعہ کو اتنے ہی پر ٹال دیا کہ زلیخا سے کہا "بی بی سارا قصور تمہارا تھا۔ لے اب اپنے گناہ سے توبہ کرو۔ اور پھر ایسا نہ ہو"

یہ تو پہلا موقع تھا جبکہ زلیخا نے اپنے حسن وجمال کے اثر۔ اپنے نازوانداز اور اپنے کمال دلبری سے ایک پیمبرزادے کے دل پر فتح پانے کی کوشش کی تھی۔ مگر چونکہ پیمبری کے دامن عفت مین دھبہ لگانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بالکل کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ لیکن ایک دوسرے موقع پر جب اُس نے حسن کی کرشمہ سازیان دکھانے کے ہنر مین کمال چابکدستی دکھا کے اِس بات کی کوشش کی کہ حسن یوسف کا اثر تمام پری وشون خاتونان مصر کے دلون پر ڈال دے اور اپنے آپ کو معذور ثابت کرے پوری طرح فتحیاب ہوئی۔

یہ سین بھی نہایت ہی دلفریب تھا۔ اور سوا مصر کی سرزمین کے اور کہین شاید نہ نظر آیا ہوگا۔

اس کی بنا یہ تھی کہ زلیخا کے دل ہاتھ سے دے بیٹھنے کا حال جب امرائے مصر کے گھرون مین مشہور ہوا اور تمام معزز خاتونین انگلیون کو دانتون سے کاٹ کاٹ کے زلیخا کو الزام دینے لگین کہ وہ دلی شوق پورا کرنے کے لئے ایک غلام ہی تھا۔ زلیخا کو کوئی شریف زادہ نہ ملتا تھا؟" تو اپنے سر سے یہ الزام اٹھانے کے لئے زلیخا نے ایک دن تمام خاتونان مصر کی دعوت کی۔ جس مین بڑا ہی تکلف کا سامان کیا۔ دو کمرے نہایت دولتمندی سے آراستہ کئے۔ جدھر نظر جاتی سونے کی جھالرین جھلک رہی تھین زر دمخمل کا فرش بچھایا گیا تھا۔ ہر طرف دیبا و حریر کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ اور انکی آراستگی مین کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا گیا تھا۔ پھر ایک کمرے مین اس نے چابکدست مشاطاؤن کو حکم دیا کہ یوسف کو بنا چنا کے دولھا بنا دین۔ آپ کے بالون مین کنگھی کر کے موتی پرو دئے گئے۔ حریر زرد کے کپڑے پہنائے گئے جس مین سنہرے روپہلے اور سرخ گل بوٹون پر سبز رنگ کی چھوٹی چھوٹی چڑیان بٹھائی گئی تھین۔ اطلس سرخ کا پائجامہ اور سر موتیون اور جواہرات کا مرصع تاج پہنایا۔ اس تاج کے نیچے سے آپ کی خم در خم زلفین نکلی ہوئی تھین جو پیشانی پر مار پیچان کی طرح بل کھانے کے بعد چہرے کے گرداگرد چکر کھاتی ہوئی سینہ پر لٹکا دی گئی تھین۔ ادھر ادھر دونون رخسارون پر دو زلفین بچھون کے ڈنک کی طرح مناسب خم کے ساتھ نکال دی گئی تھین اور باقی زلفین پیٹھ پر بکھری ہوئی تھین جن مین موتی گوندھے گئے اور طلائی موباف ڈال کے عجب پر لطف جال شانون اور پیٹھ پر پھیلا دیا گیا تھا۔ دونون کانون مین دو اعلیٰ درجہ کے موتیون کے گوشوارے پڑے تھے۔ گلے مین طلائی مرصع طوق تھا۔ کمر مین سونے کا پٹکا تھا جس مین یاقوت کی گھنڈیان اور موتیون کی جھالرین لگی تھین۔

جب حضرت یوسف اِس طرح بنائے چنائے اور سنوارے جا چکے تو دوسرے
اُس سے زیادہ پُر تکلف کمرے مین دسترخوان بچھایا گیا۔جس پر تمام حسین و نازآفرین
مہمانون نے بیٹھ کے ہر قسم کے الوان نعمت کا لطف اُٹھایا۔اِس کے بعد جام شراب کا دور
چلا۔اور شراب کے بعد جب میوہ خوری کا وقت آیا تو ہر خاتون مصر کے سامنے ایک
ترنج اور ایک چھُری لا کے رکھ دی گئی۔تاکہ اُنھین کاٹ کے کھائین۔ابھی وہ پھلون
کو کاٹنے نہین پائی تھین کہ زلیخا نے اُن سب خاتونون کی طرف متوجہ ہو کے کہا" بی بیو
مین نے سنا ہے کہ ایک غلام کے متعلق تم سب مجھے الزام دیتی ہو۔کیا یہ سچ ہے؟ سب نے
کہا ہان سچ ہے۔ہمارے خیال مین آپ کا حسن و جمال اِس مرتبہ کا ہے کہ اُس پر بادشاہون
اور شاہزادون کی نظرین پڑنی چاہیے تھین نہ یہ کہ ایک غلام پر فریفتہ ہو کے آپ اپنی
بے قدری کردین!"۔ زلیخا نے کہا "مگر تم اِس امر کا صحیح اندازہ نہین کر سکتی ہو" پھر حکم دیا
کہ مغرب کی طرف کے زربفت کے پردے اُٹھا کے حضرت یوسف لائے جائین مشاطائین
اُسی شان رعنائی سے یوسف کو اندر لائین۔صبح کا وقت تھا اور اِس کا پہلے سے انتظام
رکھا گیا تھا کہ یوسف جیسے ہی اِس کمرے مین داخل ہون اُن کے چہرے پر آفتاب کی
شعاعین پڑین۔چنانچہ آپ لائے گئے۔سورج کی نرم شعاعون نے چہرے پر سنہرا پانی
پھیر کے آپکے حُسن کو اور چمکا دیا۔یہ معلوم ہوا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اُتر آیا ہے یا
آسمانی حسن دنیا مین جلوہ افروز ہوگیا۔ساری خاتونین مبہوت اور بت بن کے رہ گئین۔زلیخا
نے کہا "کیون کیا ہوا؟ یہ تم باتین کرتے کرتے رک کیون گئین؟" سب نے جواب دیا "یہہ
انسان نہین فرشتہ ہے"۔اِس کے بعد سب نے ترنج کاٹنے کا قصد کیا تو بے اختیاری و بے
خودی مین ترنجون کے عوض اپنی انگلیان کاٹ لین۔اُن کی یہ حالت دیکھ کے زلیخا بولی"
یہی وہ غلام ہے جس کے بارے مین مجھے الزام دیا جاتا ہے۔اور یہی ہے جس پر تم سب
مجھے لعنت ملامت کرتی تھین۔مگر تمہین انصاف کرو کہ ایسے جوان رعنا کو انسان چاہے

نہ تو کیا کرے "۔ اب سب نے زلیخا کی معذوری تسلیم کرلی۔ تو زلیخا نے اُنسے التجا کر کے کہا جب تمہارا یہ خیال ہے تو خدا کے لیئے اسے سمجھا بجھا کے راضی کردو" اب سب عورتون نے اُٹھہ اُٹھہ کے حضرت یوسف کو فریب دینا شروع کیا۔ اور بعض بجائے اس کے کہ وہ زلیخا کی وکالت کرتین۔ آپکو خود اپنی طرف مائل کرنے لگین۔ مگر بظاہر زلیخا ہی کی سفارش کر رہی تھین۔

درحقیقت یہ بھی نہایت ہی موثر سین تھا کہ حضرت یوسف سجے سجائے دولھا بنے ہوئے خاموش کھڑے ہین۔ اور مصر کی ساری حسین و پری جمال عورتین لباس فاخرہ اور زیور پہنے اور ہر قسم کا بناؤ چناؤ کئے ہوئے آپکو یا تو زلیخا کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور یا اپنے دام مین پھانسنا چاہتی ہیں۔ بے شک یہ زلیخا کا پہلے سے بھی بڑھا ہوا فریب تھا مگر پیمبرانہ عصمت اس پر بھی غالب آئی۔ اور کسی کا زور نہ چلا یہان تک کہ زلیخا جب بالکل عاجز اور مایوس ہوئی اور کوئی زور نہ چلا تو آپ کو قید خانہ مین بھیجدیا۔

بلقیس

یا

ملکۂ سبا

ہر قوم کی تاریخ میں ایک ابتدائی عہد ایسا گزرا ہے جس کے واقعات اس عہد کے قیاسات عقلی سے باہر اور عجیب و غریب واقعات سے لبریز ہیں۔ یونانیوں رومیوں ہندوؤں اور چینیوں ہی میں یہ نہ تھا کہ اُن دنوں آسمان و زمین کے رہنے والے اور عالم بالا و عالم زیرین والے باہم ملتے جُلتے تھے اور سرو شستان و آتشیجستان کی آمد و رفت کے راستہ کُھلے ہوئے تھے بلکہ بنی اسرائیل و عرب میں بھی اپنی پُرانی تاریخ کے متعلق ایسے ہی حالات مشہور تھے عرب کی ملکۂ سبا بلقیس بابل کی ملکہ سمیرامیس اور یونان کی ہلین بھی اُسی قدیم عہد کی خاتونیں ہیں۔ جو قریب العہد تھیں۔ اور ولادت سرور کائنات سے دو ہزار سال پہلے تقریباً تین سو برس کے اندر ایک دوسرے کے بعد گزریں۔ ان سب کے حالات خلاف فطرت واقعات سے لبریز نظر آتے ہیں مگر اسلام اور بت پرستی کا یہ فرق اُس زمانہ میں بھی نمایاں تھا کہ بابل کی سمیرامیس اور یونان کی ہلین تو دیویاں بن گئیں اور بلقیس صرف ایک حق پرست ملکہ اور پیغمبر کی بی بی بننے سے زیادہ تجاوز نہ کر سکی۔ سمیرامیس اور ہلین میں بے عصمتی آوارگی اور شہوت پرستی تھی۔ اور بلقیس دنیا کو فتح کرنے والے حُسن و جمال کے ساتھ عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ تھی۔

بلقیس کا واقعہ کتب آسمانی میں بھی مذکور ہے مگر بہت مختصر اور مابقی حالات کا تکملہ قومی روایتوں اور کہانیوں سے کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اُس کے متعلق اختلاف بھی بہت ہیں۔ اور اُن کا اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بعض اہل روایت کہتے ہیں کہ اُس کا اصلی نام بلقمہ تھا۔ اور یشرع بن حارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی بیٹی تھی۔ بعض اُس کے باپ کا نام یشرح بن تُبّع ذی الاغار بن تُبّع ذی المنار بن تُبّع رائش بتاتے ہیں۔ مگر یہ دراصل کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ وہ قدیم شاہان یمن کی نسل سے تھی جو تُبّع کہلاتے تھے اور اِن بادشاہوں کے نام کے ساتھ ایک لقب بھی ہوا کرتا تھا۔ جس کے اول میں اکثر لفظ "ذو" رہا کرتا۔ لہذا پہلی روایت میں اُن کے اصلی نام بتائے گئے ہیں اور دوسری میں اُن کے شاہانہ القاب۔

اِن ملوک تُبّع کا جو تبابعۂ یمن کہلاتے ہیں بڑا زمانہ گزرا ہے۔ اپنے دور میں وہ کسی سلطنت کو اپنے مقابل نہیں سمجھتے تھے اور ساری دنیا کا بادشاہ اپنے ہی آپ کو خیال کرتے تھے۔ قدیم فراعنۂ مصر کا مذاق۔ اُن کا سامان عیش۔ اُن کا زیور۔ اُن کے ظروف۔ اور اُن کے قصر و ایوان تبابعۂ یمن سے اِس قدر ملتے جُلتے تھے کہ اہل بصیرت کو خیال ہو چلا ہے کہ مصر والے تہذیب و تمدن میں اِن ملوک عرب ہی کے شاگرد تھے۔ اور اگر کبھی یمن کے کھنڈرون کو کھود کے وہاں کی تاریخ کا پتہ لگایا جا سکا تو کیا عجب کہ یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کرے۔ الغرض انھیں تبابعۂ یمن کی ایک وارث تاج و دیہیم ملکہ بلقیس بھی تھی

اُسکے متعلق جو خارج از عقل واقعات بیان کیے گئے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ اُس کی ماں بادشاہ جن کی شاہزادی تھی جس کا نام رواحہ یا ریحانہ تھا۔ اور اِس غیر معمولی عقد شادی کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ بلقیس کا باپ یشرح اپنے خاندان کا چالیسواں فرماں روا تھا۔ ساری دنیا پر متصرف تھا۔ اور سارے جہان میں کسی شاہی

خاندان کو اپنا کفٔ اور ہم رتبہ نہ سمجھتا تھا کہ اُس کی لڑکی کو اپنی ملکہ بنائے اور آخر کار کہنے لگا کہ میں انسانوں میں شادی ہی نہ کروں گا۔

وہ جنگل میں جاکے شکار کیا کرتا۔ اور ہرنوں کی طرح شریر جنوں کا بھی شکار کرتا تھا بہت سے شریر جن اُس کے ہاتھ سے مارے گئے تو خود بادشاہ جن نے منودار ہوکے اُسکا شکریہ ادا کیا۔ اور اُسنے اُسکے عوض اُسے اس کی بیٹی کا پیام دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یوں نہیں۔ بلکہ ایک دفعہ اُس نے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید سانپ باہم لڑ رہے ہیں۔ آخر لڑتے لڑتے کالا سانپ سفید سانپ پر غالب آیا۔ یہ بات اُسے پسند نہ آئی۔ ملازموں کو حکم دیا کہ اُس کالے سانپ کو مار ڈالو۔ اور سفید جو نہایت مضمحل و ناتواں ہو رہا تھا اُسے پانی چھڑک چھڑک کے ہوش میں لایا۔ یہاں تک کہ وہ رینگ کے چلا گیا۔ رات کو یشرح اپنے خلوت خانہ میں تھا کہ ناگہاں ایک خوشرو نوجوان نمودار ہوا جس کی صورت دیکھ کے یشرح ڈرا تو اُس نے کہا کہ آپ خوف نہ کھائیے میں وہی سفید سانپ ہوں جس کی دن کو آپ نے جان بچائی تھی۔ اِس احسان کا جو معاوضہ کہیے کرنے کو تیار ہوں۔ کہیے تو روپیہ پیسہ لاکے نذر کروں۔ یا کہیے تو آپ کو فن طب بتادوں۔ یشرح نے کہا روپیہ پیسہ خدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ طب کی ضرورت بادشاہوں کو نہیں۔ حکمرانی کے ساتھ وہ طبابت بھی کرنے لگیں تو لوگ نام رکھیں گے۔ لیکن ہاں میری یہ آرزو البتہ ہے کہ اگر آپ کی کوئی بیٹی ہو تو اُسے میرے عقد نکاح میں دیجیے۔ اُس جوان جن نے کہا "ہاں میری ایک بیٹی ہے۔ اور اُس کے لیے آپ کا پیام قبول بھی کرتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جو چاہے کرے آپ اُس کے کاموں میں دخل نہ دیں۔ اگر ذرا بھی دخل دیا۔ تو وہ آپ کو چھوڑ کے چلی آئے گی" یشرح نے یہ شرط منظور کی۔ اور شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسے پیدا ہوتے ہی ماں نے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ باپ کے دل کو صدمہ تو بڑا ہوا مگر اپنے عہد کی پابندی میں خاموش

ہوا۔ پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے ماں نے ایک کُتیا کے سامنے ڈال دیا اور وہ اُسے جھپٹ کے اُٹھالے گئی۔ اب کی بھی دل شکستہ باپ نے کلیجہ پر صبر کی سل رکھ لی۔
اِس کے بعد کسی باغی نے سر اُٹھایا اور بادشاہ نے اُس کی سرکوبی کے لیے فوج کشی کی۔ پُراسرار بی بی بھی اُس سفر میں ساتھ تھی۔ ایک منزل پر پہونچ کے جہاں رسد اور پانی ملنے کی کوئی امید نہ تھی کیا دیکھتا ہے کہ سارے غلہ اور کھانے کی چیزیں مٹی میں مل گئیں۔ مشکوں کے دہانے آپ ہی آپ کھل گئے اور سارا پانی بہ گیا۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ کو اپنی اور اپنے لشکر کی ہلاکت کا یقین آگیا۔ اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ کارستانی جنوں نے میری بی بی کے کہنے سے کی ہے۔ ابھی تک تو ضبط کیا تھا۔ مگر اب نہ ہو سکا بی بی کے پاس جا کے بیٹھا۔ اور بدعہدی کے الزام سے بچنے کے لیے زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا "تو نے میرے بیٹے کو جلا دیا میں نے دم نہ مارا۔ میری بیٹی کُتیا کو دے دی اور میں نے آہ نہ کی۔ لیکن اب اِس آفت سے تو ہم میں سے کوئی بھی جان بر نہ ہوگا۔" بی بی نے فوراً جواب دیا "بہتر تھا کہ تم اب بھی صبر کرتے تمہارے کھانے پانی میں دشمنوں نے زہر ملا دیا تھا۔ اگر وہ تلف نہ کر دیا جاتا تو ایک بھی زندہ نہ بچتا۔" یہ کہہ کے اُس نے ایک ایسے مقام پر پہونچا دیا جہاں کھانا پانی سب چیزیں کثرت سے مل گئیں۔ اس کے بعد وہ بولی "تمھیں اپنے بیٹے کا صدمہ ہی اُسے میں نے ایک دائی کے سپرد کر دیا تھا مگر خدا کو زندگی نہیں منظور تھی مر گیا۔ رہی تمہاری بیٹی وہ جیتی جاگتی موجود ہے۔" اور اُس کے یہ کہتے ہی ایک حسین و خوبرو لڑکی زمین سے نکل کے باپ کے سینہ سے لپٹ گئی۔ یہی بلقیس تھی جس سے مل کے باپ بیحد خوش ہوا۔ خلاصہ یہ کہ بلقیس عرب کی شکنتلا تھی جو انسان اور پری کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔
اِسکے بعد بادشاہ نے اُس غنیم کو مغلوب کیا اور انتظام سلطنت اپنی زندگی ہی میں

بلقیس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور جب مرا تو وہی وارث و تاج و تخت ہوئی۔ مگر اس میں بھی بعض اہل روایت کو اختلاف ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بلقیس کا باپ بغیر کوئی وصیت کیے مر گیا۔ اور اُس کے بعد رعایا میں جھگڑا پڑا۔ ایک گروہ نے بلقیس کی اطاعت قبول کی۔ اور ایک نے اُس کے چچا زاد بھائی کی۔ اُس کے اِس ابن عم نے حکومت پاتے ہی طرح طرح کے ظلم کرنا شروع کر دیے۔ خصوصاً اُس کی شہوت پرستی اِس درجہ کو پہونچ گئی کہ ملک بھر میں جس کی بیٹی کو حسین و خوبرو سُنتا بُلوا کے بے آبرو کر ڈالتا۔ آخر لوگ عاجز آکے اس فکر میں ہوئے کہ اُسے تخت سے اُتار دیں۔ یہ باتیں بلقیس کو ناگوار گزر ہی رہی تھیں کہ اُس نے بلقیس کو بھی بے عزت کرنے کے لیے بُلوایا۔ بلقیس نے کہلا بھیجا "میں نہیں بلکہ آپ خود مجھ سے ملنے کو یہاں آئیے" وہ فوراً چلا آیا اور یہاں دو شخص چھپا کے لگا دیے گئے تھے۔ اِدھر اُس نے مکان کے اندر قدم رکھا۔ اور اُدھر اُنھوں نے اپنی تلواروں سے کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ہی بلقیس نے وزرا کو بُلوا کے غیرت دلائی کہ تم میں سے ایک بھی نہ تھا جسے اپنی بیٹی کی بے آبروئی پر غیرت آتی؟ پھر اُس کی لاش دکھائی۔ اور کہا "اب جس کسی کو مناسب سمجھو اپنا بادشاہ بناؤ" سب نے کہا "آپ سے بہتر حکمراں ہمیں نہیں نصیب ہو سکتا۔ لہذا آپ ہی اپنے آبائی تخت کو اپنے جلوس سے زینت دیجیے۔"

بلقیس کی تخت نشینی کے متعلق اور ایک اور روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب اُس کا ابن عم بادشاہ ہو لیا۔ تو بلقیس نے خود ہی اُس سے شادی کی درخواست کی اُس نے کہا "مجھے تو اُس کی پہلے ہی سے آرزو تھی مگر امید نہ تھی کہ تم قبول کرو گی۔ اور اِسی وجہ سے پیام دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ بلقیس نے کہا "مجھے انکار کی کیا وجہ تھی؟ نسب اور خاندان میں تم میرے ہم رُتبہ ہو۔ اچھا تو اب تمام اعزا و اقارب کو جمع کر کے نکاح پڑھوا لو" اِس اقرار داد کے مطابق نکاح ہو گیا۔ رات کو جب وہ حجلۂ عروسی میں آیا تو بلقیس نے اتنی شراب اُسے پلائی کہ مدہوش ہو گیا۔ تب بلقیس نے

اس کا سر کاٹ لیا۔ اور اپنے گھر چلی آئی۔ اور اُس سر کو اپنے دروازے پر لٹکوا دیا
لوگوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو بلقیس کے سامنے آکے آستان بوس ہوئے
اور اُسے تخت پر بٹھایا۔

بلقیس نے سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی ایسی خوبی اور شان و شوکت سے
حکومت کی کہ اُس کے کوکب اقبال کے سامنے تمام تبابعۂ یمن کا ستارہ گہنا گیا۔ اُن
سب کے واقعات مشکوک و مشتبہ کہانیاں رہ گئے۔ اور بلقیس کی تاریخ اور اُس
کے کارناموں کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ قرآن پاک کے مقدس اوراق میں بھی درج ہیں"
اس کی عظمت کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ اُسکے ۳۰۰ وزیر تھے
جو دربار میں مودّب و دست بستہ کھڑے رہتے۔ بارہ سپہ سالار تھے جو اطراف
و جوانب میں فوج کشی اور سرکشوں کی سرکوبی کرتے رہتے۔ اور چالیس ہزار لشکر
ہمیشہ آستان سلطنت میں کمر بستہ رہتا کہ اشارہ ہوتے ہی شمشیر زنی کے لئے روانہ
ہو جائے۔ اس کے علاوہ ۴۰۰ تاجدار اُس کے باج گزار اور مطیع فرمان بتائے جاتے ہیں
سب سے زیادہ شہرت اُس کے تخت کی ہے جسے اُس نے ایسے اہتمام اور
تکلف سے آراستہ کیا تھا کہ آج تک دنیا میں کوئی تخت اُس کے تخت کا ہم پایہ نہیں خیال
کیا جاتا۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں بھی وہ ایک حیرت انگیز چیز بتایا گیا ہے۔ اُس پر نہایت
خوش سلیقگی سے سونے چاندی کے پتر چڑھائے گئے تھے اور اُن پر قیمتی جواہرات
جڑے ہوئے تھے۔ ایوان شہریاری سات عالی شان قصروں سے آراستہ تھا جو ایک
دوسرے کے اندر واقع تھے اور ساتویں قصر میں یہ تخت تھا۔ لہٰذا ہر طرف سے انسان
سات قصروں اور دہلیزوں سے گزرنے کے بعد تخت تک پہونچ سکتا تھا۔ ان سب
محلوں کے در و دیوار اور چھت پر بھی چاندی سونے کا ملمع تھا اور جواہرات سے
مرصع کر کے اُن میں نقش و نگار بنائے گئے تھے"

مشرق جانب ایک روشن دان تھا اور آفتاب کے طلوع ہوتے ہی اُس کی شعاعیں آکے تخت کے پایوں پر پڑتی تھیں اور سمجھا جاتا کہ ہر صبح سب سے پہلے آفتاب آکے سجدہ کیا کرتا ہے۔ اِس تخت کی آرائش و زینت میں بلقیس نے تین لاکھ اوقیہ سونا خرچ کیا تھا (ایک اوقیہ ۲ تولہ ۹ ماشہ اور ۶ رتی کا ہوتا ہے)

(یہ ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۶۱۲ سال پہلے کا زمانہ تھا جبکہ ارض یہود و فلسطین میں حضرت سلیمان کی حکومت تھی۔ اور شیاطین واجنّہ کے علاوہ وحوش و طیور تک آپکے مطیع و منقاد تھے۔ اتفاقاً آپکا لشکر کسی طرف سے گزرا جہاں پانی میسر آتا تھا۔ ہُدہُد کو بھیجا گیا کہ پانی کا پتہ لگائے وہ جو اِس تلاش میں گیا تو ایوان بلقیس میں گزرا جہان کی نزہت و شادابی دیکھ کے اُتر پڑا۔ اور یہاں کی دلچسپیوں کا ایسا گرویدہ ہوا کہ واپسی میں دیر ہوگئی۔ حضرت سلیمان برہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہُدہُد آیا اور بلقیس کی حکومت اور اُس کے قصر و ایوان کی خبر دی۔ آپنے اُسی کے ذریعہ سے بلقیس کو ایک خط بھیجا جس میں ملت حنیفیہ بیضا کیطرف مدعو کیا تھا۔ یہ خط پڑھ کے بلقیس نے وزرا و امرا سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے کہا "ہماری سطوت و عظمت ایسی نہیں کہ کسی سے دب جائیں۔ ہم فوج کشی و جاں بازی کو تیار ہیں مگر حضور کو اختیار ہے جو مناسب سمجھیں حکم دیں" بلقیس نے کہا "میں اِس بادشاہ کے پاس جو پیمبری کا دعوی کرتا ہے ایک ہدیہ بھیجتی اور اُسکے ذریعہ سے اُسے آزماتی ہوں۔ اگر سچا پیغمبر ثابت ہوا تو اُسکی اطاعت کروں گی ورنہ اُسے اِس گستاخی کی سزا دونگی" اِس قرارداد کے مطابق بلقیس کے دربار سے ہدیے بھیجے گئے جن میں ۵۰۰ خوبصورت غلام اور ۵۰۰ پری جمال لونڈیاں تھیں۔ لیکن غلام عورتوں کا زیور اور لباس پہنا کے آراستہ پیراستہ کیے گئے اور لونڈیاں مردانے کپڑے پہنا کے خوبصورت اور بانکے ترچھے جوان رعنا بنا دی گئیں۔ دوسرے تحفہ یہ ہے ایک ہزار سونے چاندی کی اینٹیں ایک مرصع و مکلل تاج مشک اور عنبر۔ اور ایک ڈبہ تھا جن میں ایک بیش بہا موتی اور ایک مہرہ تھا۔ مگر بدھنے

ہیں دونوں کے سوراخ ٹیڑھے کر دیے گئے تھے۔ ان ہدیوں کو لے کے دربارِ بلقیس کا معزز و محترم شخص منذر بن عمر مع اپنے چند معزز رفقا کے روانہ ہوا۔ بلقیس نے چلتے وقت منذر سے کہا اگر سلیمان نبی ہیں تو لونڈی غلاموں کو پہچان جائیں گے۔ موتی کا سوراخ سیدھا کر دیں گے اور مُہرے کے سوراخ میں ڈورا ڈال دینگے" اور یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر ان ہدیوں کو دیکھ کے سلیمان تمھاری طرف برہمی اور غصہ کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ جانا کہ وہ معمولی بادشاہ ہیں۔ اور اگر اُن کی خندہ جبینی و بشاشت میں فرق نہ آئے تو جان لینا کہ پیغمبر ہیں۔ اللہ جل شانہ نے حضرت سلیمان کو بذریعہ وحی ان تمام باتوں کی پہلے ہی سے اطلاع دے دی

آپ نے اُن لوگوں کے دکھانے کے لیے ایسا سامان کیا جو انسان کی قوت و فہم سے بالکل باہر تھا۔ اجنہ کی مدد سے سات فرسخ تک زمین سونے اور چاندی کی بنا دی گئی اور اُس کے گرد ایک سونے کی دیوار تعمیر کی گئی۔ اور اُس میدان میں دو طرفہ تمام عجیب و غریب جانور لا کے جمع کر دیے گئے۔ پھر آپ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور تخت کے دونوں جانب تمام اہل دربار جنمیں جن وانس شریک تھے اپنے اپنے مرتبہ سے کرسیوں پر بیٹھے۔ یمن کے سفیر جب اس میدان میں داخل ہوئے تو یہاں کا منظر دیکھ کے اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ سونے کی یہ بے قدری دیکھی کہ اُسکی زمین پر چوپائے لید کر رہے ہیں۔ لہذا سونے چاندی کی جو اینٹیں لائے تھے انھیں یہاں حقیر دیکھ کے راستہ میں ڈال دیا۔ اور لونڈی غلام اور اُس ڈبے کو لیے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلیمان اُن سے شگفتہ روئی سے ملے اور خود ہی کہا وہ ڈبہ جو تم لائے ہو کہاں ہے؟" اور اُنھوں نے جیسے ہی پیش کیا آپ نے ایک جونٹی کو اشارہ کیا جس نے سوراخ سیدھا کر دیا۔ پھر ایک سفید کیڑے کو اشارہ کیا اُس نے مُہرے میں ڈورا ڈال دیا۔ اِس کے بعد آپ نے لونڈی غلام کو حکم دیا کہ اپنے

ہاتھ منہ دھوئیں - اور اُن کے منہ دھونے کی وضع سے خود ہی کُھل گیا کہ جو غلام نظر آ رہے ہیں اصل میں لونڈیاں ہیں - اور جو لونڈیاں دُلھن بنی ہوئی کھڑی ہیں نوخیز و نو عمر غلام ہیں - ان سب رموز کا انکشاف کرنے کے بعد حضرت سلیمان نے وہ ہدیے واپس کر دیے ۔

اِن سفیروں نے واپس آ کے جب ساری سرگذشت بلقیس سے بیان کی تو اُسے یقین آ گیا کہ حضرت سلیمان صرف بادشاہ نہیں پیغمبر آلہی ہیں - فوراً خود جانے پر تیار ہو گئی اور بارہ ہزار ہاتھیوں کا پُر جلال جلوس ساتھ لے کے چل کھڑی ہوئی - جب بیت المقدس کے قریب پہونچی تو حضرت سلیمان نے جنوں کے ذریعہ سے اُس کا تخت اُٹھوا منگایا اور محض اس غرض سے کہ بلقیس کو پہچاننے میں شبہ پڑے اس کے جواہرات جا بجا سے بدل دیے

بلقیس کی آمد آمد کی خبر سے جنوں میں کھلبلی پڑ گئی کہ اگر سلیمان نے بلقیس سے عقد کر لیا اور اُس سے اولاد ہوئی تو پھر ہم پر سے خاندان سلیمان کی حکومت کبھی نہ مٹے گی - کیونکہ بلقیس کی اولاد میں جنوں کے خصائص بھی موجود ہوں گے جو انسانوں میں نہیں ہوتے لہذا اُنھوں نے حضرت سلیمان کے سامنے بلقیس کے عیوب بیان کرنا شروع کیے اور کہا "بلقیس ایک بدتمیز و بے عقل عورت ہے اور اُس کے پاؤں میں چوپاؤں کی طرح بال ہیں"- حضرت سلیمان نے اِس کا پتہ لگانے کے لیئے ایک عالیشان شیشہ کا محل بنوایا - جس کی زمین بھی شیشہ کی تھی - مگر شیشہ کے نیچے پانی دوڑایا گیا تھا اور اُس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے دریائی جانور لا کے چھوڑ دیے گئے - بعض لوگ کہتے ہیں کہ پانی نہ تھا بلکہ شیشہ کا رنگ پانی کا سا تھا اور اُس کے نیچے دریائی جانوروں کی تصویریں بنا دی گئی تھیں - الغرض جو کچھ ہو اوپر سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ زمین نہیں بلکہ سمندر ہے اور اُس میں جانور چل پھر رہے ہیں - اسی محل میں حضرت سلیمان کا تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے - بلقیس جیسے ہی یہاں پہونچی سمجھی کہ یہاں زمین نہیں بلکہ سمندر ہے - اور اپنے لباس کے دامن یا پائنچے ہاتھ سے پکڑ کے اُٹھائے

تاکہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اور ساتھ ہی حضرت سلیمان کو نظر آ گیا کہ اُسکی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اس کے بعد آزمانے کے لیے اُس سے سوال کیا گیا کہ "آپکا تخت ایسا ہی ہے؟" جس کے جواب میں وہ سوچ کے اور تامل ہو کے بولی "ہُو بہو وہی معلوم ہوتا ہے"۔ الغرض ملنے کے بعد حضرت سلیمان کو یقین آ گیا کہ جنوں کے بیان کے خلاف بلقیس ایک نہایت ہی عاقل اور سمجھدار ملکہ ہے۔ مگر ہاں اُس کے پاؤں میں بال البتہ ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اسی عیب کے دُور کرنے کے لیے اُس زمانہ میں نُورے کا نسخہ ایجاد کیا گیا۔

اب حضرت سلیمان نے بلقیس کو دین آلہی کی طرف بُلایا۔ اور وہ کلمۂ توحید پڑھکے مسلمان ہوئی۔ پھر حضرت سلیمان نے اُس سے نکاح کر لیا اور آپ کی محبوب ترین ملکہ وہی تھی۔ عقد کے بعد آپ نے اُسے ملک یمن ہی کی حکومت پر برقرار رکھا۔ اور معمول تھا کہ ہر مہینہ میں ایک بار جا کے آپ تین دن تک اُس کے وہاں رہا کرتے اُس کے بطن سے آپ کا ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا۔ جس کا نام داؤد رکھا گیا تھا مگر وہ باپ کی زندگی ہی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا اس کے خلاف یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے بلقیس سے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اُسے حکم دیا کہ اپنی قوم کے کسی مرد سے عقد کرے۔ مگر اس نے انکار کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں یہ غیر ممکن ہے۔ اگر مسلمان ہوئی ہو تو تمھیں کسی سے نکاح بھی کرنا پڑے گا۔ یہ حکم سُن کے وہ بولی "اگر اس سے مفر نہیں تو پھر بادشاہ ہمدان ذُو تُبّع کے ساتھ میرا نکاح کرا دیجیے"۔ آپ نے اُس کی یہ خواہش پوری کر دی۔ اور یمن کے جنوں کو حکم دیا۔ کہ اُسکی اطاعت و فرماں برداری کریں۔ چنانچہ اس نے اور اُس کے شوہر نے جنوں کی مدد سے متعدد قصر و ایوان تعمیر کرائے۔ منجملہ اُنھیں قصروں کے یمن کے عالیشان ایوان صلحین۔

مرواح ۔ قلیون ۔ ہنیدہ ۔ نیوس ۔ اور غمدان تھے ۔

حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جنوں نے ذُو تبع کی اطاعت چھوڑ دی اور آپ کے انتقال کے سات ہی اُن کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

مگر بعض اہل روایت یہ کہتے ہیں کہ بلقیس نے جناب سلیمان کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ اور آپ نے اُسے شہر تدمّر یعنی ملکہ زنوبیہ کے شہر کی خاک میں دفن کر کے قبر کا نشان مٹا دیا۔ تاکہ لوگوں کی نظر سے مخفی رہے۔

استیر

ملکۂ اسرائیلیہ

بُخت نصر شاہ بابل جب پوری قوم بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے ارض بابل میں لیگیا اور فراعنہ مصر کے جور وستم سے نجات پانے کے بعد خدا کی اُس منتخب قوم کو دوبارہ اسیری وغلامی کی مصیبت میں بتلا ہونا پڑا ہے تو وہاں اُنھیں انقلابات سلطنت اور مختلف تاجداروں کے اختلاف مذاق سے عجیب عجیب واقعات پیش آئے۔ اہل بابل کے مغلوب اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تباہ ہونے کے بعد بھی اگرچہ ایک مدت تک یہود کو آزادی نہیں نصیب ہوئی۔ مگر اُن دنوں اس اُسیری ہی میں کبھی کبھی اُن کا ستارہ اقبال چمک بھی جایا کرتا تھا۔

اُنھیں خوش اقبالی کے واقعات میں سے ایک حسین وپری وش اسرائیلیہ لڑکی استیر کا واقعہ ہے جو سچ یہ ہے کہ اپنے حُسن وجمال اور اپنی دل فریب پیاری صورت کی بدولت خود ہی اپنی قوم کا ستارہ اقبال بن گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے دل فریب چہرے میں جیسی نزاکت ونازنینی تھی ویسی اُس کے دل میں نہ تھی۔ کیونکہ اُس نے اپنے حُسن کی کرشمہ سازیوں سے فقط اپنی قوم کے بچانے ہی پر اکتفا نہیں کی

بلکہ ہزار ہا خلقت کو قومی بُغض کے جوش میں قتل کرا دیا۔
اُس کی داستان جو کتاب مقدس توریٰة (عہد نامہ قدیم) میں درج ہے یہ ہے کہ جب شہنشاہ اخشویرش (جو تاجداران فارس میں سے تھا) سر یر آرائے سلطنت ہوا اور اُس کا حکم حدود ہندسے لے کے سواحل بحیرۂ روم تک جاری ہوگیا تو اپنی تخت نشینی کے تیسرے سال اُس نے ایک بڑا بھاری جشن منایا اور تمام امراو معززین کو دُور دُور سے بُلا کے خاص اپنے دارالسلطنت شوشن میں ٹھہرایا۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی دعوت کی۔ اس جشن کے لیے بڑے بڑے سامان کیے گئے۔ جا بجا باغوں اور چمنوں میں پُر تکلف فرش اور نقرہ و طلائی تخت بچھائے گئے حریر و اطلس کے پردے لٹکائے گئے۔ اور سونے چاندی کے برتنوں میں تمام شاہی مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ شراب پلائی گئی۔ شراب کی یہ کثرت تھی کہ گویا مئے ارغوانی کی سبیلیں لگا دی گئیں باہر شہنشاہ نے مرد مہمانوں کی اور محل میں اُسکی مشہور ملکۂ آفاق وشتی ملکہ نے عورتوں کی مہماں نوازی کی۔ اور اُنھیں انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔
جشن شروع ہونے کے ساتویں دن اخشویرش نے جبکہ نشۂ شراب سے مخمور تھا اور جوش سرور زوروں پر تھا خواجہ سراؤں کو بُلا کے حکم دیا کہ وشتی ملکہ سے کہو کہ پُر تکلف لباس پہن کے اور تاج شاہی سر پر رکھ کے یہاں مردانے دربار میں آئے اور میرے برابر جلوہ افروز ہو کے میری رعایا کو اپنا جمال جہاں آرا دکھائے۔ خواجہ سراؤں نے بادشاہ کا یہ حکم ملکہ کو پہونچایا تو اُس نے اس مجمع عام میں آنے سے انکار کیا جس پر شہنشاہ اخشویرش نہایت برافروختہ ہوا اور اپنے مشیروں اور ساتوں معزز وزیروں سے جو فارس کے رئیس تھے مشورہ طلب کیا کہ اس نافرمان ملکہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟ وزیر اعظم ممو کان نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ "ملکہ نے فقط حضور کی نافرمانی نہیں کی بلکہ ایک بڑا بھاری قومی گناہ کیا ہے۔ اُس کی نافرمانی کی خبر گھر گھر مشہور ہوگی۔ اور تمام

عورتیں یہ دیکھ کے کہ بادشاہ کی ملکہ اُن کا کہنا نہیں مانتی اپنے شوہروں کی نافرمانی کرنے لگیں گی۔ اور سارے شوہر اپنی جوروٗں کی نظر میں حقیر ہو جائیں گے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اس رتبہ سے کہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہیں محروم کر دی جائیں۔ اور یہ مرتبۂ اعلیٰ کسی اور ایسی خاتون کو دیا جائے جو حضور کی فرمانبرداری کرے اور پھر اُسے دیکھ کے ساری مملکت کی عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت گزار بنیں۔" یہ رائے بادشاہ نے پسند کی۔ اسی پر عمل ہوا۔ اور وشتی ملکہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہونے کے درجہ سے محروم کر دی گئی۔

اب بادشاہ کے لیے کسی نئی حسینہ کی تلاش شروع ہوئی۔ بادشاہی غلاموں کی تحریک پر ساری قلمرو میں حکم جاری ہو گیا کہ ہر جگہ حسین اور کنواری لڑکیاں جمع کی جائیں اور اُن میں سے جو جادو نگاہ عورتیں منتخب ہوں وہ لاکے ایوانِ شہریاری میں شاہی خواجہ سراؤں کے زیرِ نگرانی رکھی جائیں تاکہ وہ اُنھیں بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کرنے کے قابل بنائے۔ بادشاہ کی خلوت میں پیش ہونے کے لیے ضرور تھا کہ ہر حسینہ ایک سال تک خواجہ سراؤں کے زیرِ اہتمام رہے جسے چھ مہینہ تک مُر اور لوبان اور عُود وغیرہ کی دھونی دی جاتی اور چھ مہینہ تک اُس کے پنڈے میں عُود اور اگر اور دوسری خوشبودار چیزوں کے تیل بُٹنے اور عطر ملے جاتے۔

الغرض سارے ملک سے آٹھ جادو نگاہ اور سرو قامت دلربائیں چُن کے بادشاہ کے لیے رکھی گئیں۔ اُنھیں میں ایک استیر بھی تھی۔ جس کی اصلیت یہ تھی کہ ارضِ مقدس سے جو یہودی گرفتار ہو کے بابل میں آئے تھے اُن میں "مُردخائے" نام ایک اسرائیلی تھا جو بنیامین کی نسل سے تھا استیر اُس کے چچا کی بیٹی تھی جو اپنے ماں باپ کے مر جانے سے مردخائے کی تولیت میں تھی۔ اور مردخائے نے بیٹی بنا کے اُسے ناز و نعم سے پالا تھا۔ حسن و جمال میں دُور دُور تک اُس کا جواب نہ تھا۔

اور یہ حالت تھی کہ جس کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھ لیتی اُس کا شیدا اور گرویدہ ہو جاتا
مرد خائے نے خود ہی استیر کو خواجہ سراؤں کے پاس بھیجدیا۔ مگر تاکید کردی کہ خبردار
کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں اسرائیلیہ ہوں۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ منتخب کرکے رکھ نہ لی جاتی
خواجہ سراوں نے اُسے پسند کرکے رکھ لیا اور اُس کی تدخین وتدہین ہونے لگی۔

برس گذرنے کے بعد اُن آٹھوں لڑکیوں میں سے ہر ایک بادشاہ کی خلوت سرا
میں بھیجی گئی۔ اور صبح کو ناپسند ہوکے نکل گئی استیر کی باری آئی تو بادشاہ اخشویرش
دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا۔ اور اُسی کو بادشاہ کی محبوبۂ خاص اور ملکۂ آفاق بننے کی عزت
دی گئی۔ اس طریقہ سے اخشویرش کی تخت نشینی کے ساتویں برس استیر اُس کی ملکہ
بنی۔ ایسی پری جمال اور حور وش نازنین کے ملنے پر بادشاہ نے بڑی خوشیاں کیں
جشن منائے۔ لوگوں کو انعام واکرام سے سرفراز کیا۔ استیر نے اب تک کسی کو اپنا
اسرائیلیہ ہونا نہیں بتایا تھا۔ مگر ہر امر میں اپنے مربی مرد خائے کی مطیع ومنقاد تھی
اور مرد خائے کو بھی اُس سے اِس قدر محبت تھی کہ اب اُس نے بھی بادشاہ کی
ڈیوڑھی ہی پر رہنا شروع کردیا۔

اتفاقاً مرد خائے کو شاہی ڈیوڑھی پر پڑے پڑے یہ حال معلوم ہوا کہ بادشاہ
کے دو غلام اُس کی جان پر حملہ کرنے کی تاک میں ہیں اس کا حال اُس نے استیر کو
بتادیا۔ اور استیر نے جا کے بادشاہ سے عرض کردیا۔ تحقیقات کی گئی تو ثابت
ہوگیا کہ وہ دونوں غلام واقعی ایسی نمک حرامی کی تجویزیں تھے۔ اس جرم کی سزا
میں اُن دونوں کو سولی دی گئی۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ واقعہ پورا پورا اُس کے
روزنامچے میں درج کردیا جائے۔

اِس اثنا میں بادشاہ وزرا میں سے اپنے ایک وزیر پر جس کا نام ہامان تھا بہت
مہربان ہوا۔ اس کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی عزت وقعت

بھی بڑھائی گئی ۔ یہاں تک کہ عام حکم دے دیا گیا کہ جب وہ قصرِ شاہی میں آیا کرے تو تمام غلامان شاہی سامنا ہوتے ہی اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑا کریں۔ سب غلاموں نے اس حکم تعمیل کی مگر مردخائے جو ہمیشہ آتے جاتے وقت ہامان کو بادشاہ کی ڈیوڑھی پر بیٹھا نظر آیا کرتا تھا کبھی سجدہ نہ کیا۔ بعض غلاموں نے کہا بھی کہ تم سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے نہ ہوگا کہ ایک مخلوق کے آگے سجدہ کروں ۔ غلاموں کا جب مردخائے پر کوئی زور نہ چلا تو ہامان سے جا کے لگا دی کہ یہ شخص آپ کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے ۔ اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ یہ یہودی ہے ہامان یہ سُن کے نہایت برافروختہ ہوا اور ارادہ کیا کہ اُس سے انتقام لے ۔ مگر دل میں کہا کہ اکیلے (۳) ایک متنفس سے بدلہ لیا بھی تو کیا میں اِس کی ساری قوم سے بدلہ لوں گا ۔ اور وہ اس فکر میں لگا کہ اخشویرش کی سلطنت میں جتنے اسرائیلی ہیں اُن سب کو قتل کرڈالے ۔

اخشویرش کی تخت نشینی کے بارھویں سال ہامان نے پوری طرح پتہ لگا لیا کہ ساری قلمرو میں کتنے یہودی اور کہاں کہاں آباد ہیں ۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں آکے عرض کیا کہ حضور کے ملک میں ایک سرکش گروہ ہے جو لوگ متفرق و منتشر طور پر جا بجا آباد ہیں ۔ اور سب کی یہ حالت ہے کہ احکام شاہی کی بجا آوری میں تامل کرتے ہیں ۔ اُن کا کیش و آئین اُن کا طور طریق ۔ اور اُن کے رسم و رواج سب جدا ہیں ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ زندہ نہ چھوٹے جائیں ۔ اِس لیئے حضور کی مرضی ہو تو اُن سب لوگوں کے قتل و غارت کا حکم جاری کر دیا جائے تاکہ وہ مطلقاً فنا کر دیے جائیں ۔ اور اِس کے معاوضہ میں میں دس ہزار وزن (جو اس زمانہ میں مروج ہو) چاندی اُن لوگون کے ہاتھوں سے جو قتل و غارت کی کارروائی کریں گے خزانہ شاہی میں داخل کرا دوں گا" بادشاہ نے وزیر کی یہ

درخواست قبول کرلی۔ انگوٹھی اتار کے اُس کے ہاتھ میں دی اور کہا " یہ میری مُہر ہے جو حکم تم کو مناسب معلوم ہو میری جانب سے جاری کردو۔"

بادشاہ سے منظوری حاصل کرکے ہامان بے انتہا خوش ہوا اور اُسی وقت تمام ممالک محروسہ اور کل اضلاع و اقطاع میں عہدہ داروں۔ والیوں۔ امیروں۔ مرزبانوں۔ (تعلقداروں) کے نام فرمان جاری ہو گیا۔ کہ فلاں تاریخ ہر جگہ جتنے اسرائیلی ہوں بلا استثنار و امتیاز مع زن و فرزند قتل کر ڈالے جائیں۔ اور اُن کا گھر بار لوٹ لیا جائے۔ خبردار کوئی یہودی زندہ نہ بچنے پائے۔ اِس حکم کے جاری ہوتے ہی ہر جگہ تہلکہ پڑ گیا۔ یہوٗ کے دشمن اپنی تلواریں تیز کرنے لگے۔ اور یہودیوں میں ایک عام ماتم بپا ہو گیا۔ ہر جگہ ایک گھبراہٹ اور اضطراب کا عالم طاری تھا۔ ہاں ایک ہامان البتہ بادشاہ کی صحبت خاص میں بیٹھا شراب کے جام لنڈھا رہا تھا۔

مردخائے کو اِن باتوں کی خبر ہوئی تو اُس نے مارے صدمہ کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سارے بدن میں خاک ملی۔ ایک کھال اوڑھ لی۔ اور وسط شہر میں کھڑے ہو کے چیخیں مار مار کے رویا۔ اور اِسی وضع سے شاہی ڈیوڑھی پر آیا جہاں عام حکم تھا کہ جو شخص کھال اوڑھے ہوئے ہو چاہے کوئی ہو اندر نہ آنے پائے۔ مردخائے کی اس حالت کی خبر خواجہ سراؤں نے استیر کو پہونچائی تو وہ نہایت ہی ملول ہوئی۔ اور کپڑے بھیجے کہ اُن کی کھال کی پوشاک بدلواو۔ جس سے مردخائے نے قطعًا انکار کیا۔ تب استیر نے اپنے رازدار خواجہ سرا ہتاخ کو بھیجا کہ پوچھو "آخر واقعہ کیا ہے"؟ ہتاخ سے مردخائے نے ساری کیفیت بیان کردی۔ اور وہ رقم بتائی جس پر اسرائیلیوں کی جانیں مول لی گئی تھیں۔ اور شاہی فرمان کی ایک نقل بھی بھیج دی کہ استیر خود ہی پڑھ کے معلوم کرلے کہ اسرائیلیوں کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اس کے ساتھ کہلا بھیجا کہ "تم بادشاہ کے سامنے جا کے رو‌و اور اپنی قوم کو اِس عام ہلاکت سے بچاؤ۔" یہ پیام سُن کے استیر نے کہلا بھیجا "بڑی خرابی تو یہ ہے"

کہ میں بالکل مجبور ہوں - میں ابھی مہینہ بھر تک بادشاہ کے یہاں بُلائی نہ جاؤنگی - اور
وہاں عام قاعدہ یہ ہے کہ چاہے کوئی ہو مرد ہو یا عورت عزیز ہو یا دوست اگر بے بُلائے
بادشاہ کی خلوت خاص میں چلا جائے تو بلا تامل قتل کرڈالا جاتا ہے - سوا اُس شخص کے
جسے خود بادشاہ اپنے سونے کے عصائے شاہی سے اشارہ کرکے اس عام قاعدے سے
مستثنی کردے - میں بے بُلائے جاؤں گی تو جب تک وہ متوجہ ہوں ہوں قتل ہوجاؤنگی
اس جواب پر مردخائے بہت برہم و آشفتہ ہوا - اور کہلابھیجا " یہ نہ سمجھ کہ اپنی ساری قوم کے
قتل ہوجانے کے بعد تو بادشاہ کے محل میں ہونے کے باعث چَین سے بیٹھ سکے گی - اگر
تونے اِس موقع پر قوم کی سفارش کو ٹال، یا تو بنی اسرائیل تو اُس عالم میں پہونچ کے
آرام پالیں گے اور سرور و نجات کا مرتبہ پائیں گے مگر تو اور تیرا گھرانہ ہلاکت میں پڑجائیگا
اور تیرے دل پر ہمیشہ ایک کوفت رہے گی - خدا کی مصلحتوں کو کون جان سکتا ہے ؟
ممکن ہے کہ اسی دن اور اسی گھڑی کے لیے اُس نے تجھے بادشاہ کے محل میں پہونچایا ہو "
یہ سُنکے استیر کے دل میں قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا - اور کہلابھیجا " اچھا میں قوم
کے لیے جان دینے کو تیار ہوں - آپ شہر شوشن کے سارے اسرائیلیوں کو جمع کرکے حکم
دیجیے کہ میری طرف سے سب روزہ رکھیں - میں اُن کی سفارش کے لیے بے بُلائے
بادشاہ کے پاس جاؤں گی - اگر ماڑالی گئی تو مضائقہ نہیں - قوم کی خدمت گذاری میں
مروں گی - اور جیتی بچی تو شاید خدا میری سُن لے " یہ جواب پاکے مردخائے واپس گیا -
اور کُل یہودیوں کو روزہ اور دعا و استغفار کی ہدایت کردی -

جب استیر اور اُس کے ساری قوم نے تین دن تک روزہ رکھ لیے تو تیسرے دن
استیر نے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ ہوکے اور اپنے آپ کو خوب بنا چنا کے بادشاہ
کے اندرونی محل میں قدم رکھا - اور اُس کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی جس میں بادشاہ
اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا - اور جہاں سے بادشاہ کا سامنا ہوتا تھا - لوگ اُسکے

قتل کے لیے جھپٹنے ہی کو تھے کہ بادشاہ کی نظر پڑ گئی۔ اور جوش محبت سے بیتاب ہو کے فوراً اپنی سونے کی چھڑی اُس کی طرف اُٹھا دی استیر نے دوڑ کے اُس چھڑی کی نوک کو ادب سے چوم لیا۔ اور مودب کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے نہایت ہی محبت کے لہجے میں کہا "ملکہ استیر۔ کیا چاہتی ہو؟ بتاؤ۔ مانگو گی تو آدھی سلطنت تک دینے کو تیار ہوں"۔ استیر نے عرض کیا کہ "اور نہیں بس اتنا چاہتی ہوں کہ بادشاہ اور وزیر ہامان آج میری دعوت قبول فرمائیں"۔ بادشاہ نے فوراً دعوت قبول کی۔ اور اسی وقت ہامان کو بُلوا کے ملکہ کی دعوت میں چلا آیا۔ یہاں جب شراب کے دو ایک جام پیے۔ اور سرور ہوا تو جام شراب کو منھ سے لگا کے کہا "ملکہ استیر۔ تمھارا کیا سوال ہے؟ بتاؤ کہ پورا کروں آدھی سلطنت تک مانگو گی تو دے دوں گا"۔ استیر نے عرض کیا "میری تمنا بس یہ ہے کہ کل پھر یونہیں حضور اور وزیر ہامان میری دعوت میں شریک ہوں"۔ بادشاہ نے یہ درخواست بھی قبول کی۔ اور استیر دوسرے دن کی دعوت کے لیے بڑے بڑے سامان کرنے لگی۔

ہامان خوش خوش یہاں سے نکل کے چلا تھا کہ ڈیوڑھی پر مردخا کی صورت نظر آئی جس نے نہ اُسے سلام کیا نہ اُس کے سامنے سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کے اُس کے دل میں ایک کانٹا سا لگا جو گھر تک کھٹکتا گیا۔ گھر پہونچتے ہی اُس نے اپنی جورو زرش اور اپنے یاران صحبت سے کہا "خدا نے مجھے بہت کچھ دولت و عزت دی ہے۔ اولاد کی طرف سے بھی خوش نصیب ہوں۔ قدر و منزلت کی یہ حالت ہے کہ بادشاہ نے مجھے ملک کے تمام اُمرا سے زیادہ معزز بنا دیا۔ یہاں تک کہ دیکھو عالی مرتبہ ملکہ استیر کی دعوت میں بادشاہ کے ساتھ شریک ہونے کی عزت ساری سلطنت میں میرے سوا اور کسی کو نہیں نصیب ہوئی اور کل پھر ملکہ نے کمال الطاف و کرم سے مجھے اور بادشاہ کو اپنے یہاں مدعو کیا ہے۔ مگر یہ سب باتیں اور ساری عزتیں خاک میں مل جاتی ہیں جب

دیکھتا ہوں کہ شاہی محل کی ڈیوڑھی پر مردخائے یہودی غرور و نخوت سے بیٹھا ہوا ہے
جو نہ میرے سامنے سجدہ کرتا ہے اور نہ مجھے سلام کرتا ہے"۔ میاں کی زبان سے یہ باتیں
سُن کے زرش بولی" تو تم ایک کام کرو۔ آج ہی ایک پچاس ہاتھ کی لمبی دھنّی بنوا رکھو
اور کل جاتے ہی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرنا کہ یہ یہودی ایسا گستاخ اور بے ادب ہے
اور حضور سے منظوری لے کے اُسے کل ہی اُس دھنّی پر سولی دلوانا۔ اور جب اُسے
سُولی دے چکنا تب خوش خوش جا کے ملکۂ آفاق کی دعوت میں شریک ہونا" ہامان نے
یہ تجویز پسند کی اور اُس دھنّی کو تیار کرا کے لوگوں کو ہدایت کر دی کہ میرے جانے کے
تھوڑی دیر بعد تم اُسے لے کے ایوان شاہی میں آجانا۔

اِدھر آج ہی رات کو بادشاہ اخشویرش کے وہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کی نیند
اُچاٹ ہو گئی اور جب کسی بات میں دل نہ لگا تو اپنے کاتب کو بُلا کے حکم دیا کہ میرا روزنامچہ تو
پڑھ کے سُناؤ۔ روزنامچہ سنتے سنتے جب اس واقعہ پر پہونچا کہ" دو نمک حراموں غلاموں
نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی مگر مردخائے کی حُسن کارگزاری سے اُن کا فریب
کُھل گیا" تو چونک کے بولا" اس شخص مردخائے کے ساتھ اس کارگزاری کے صلہ میں کیا
سلوک کیا گیا؟ لوگوں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ یہ بات رات بھر بادشاہ کے خیال میں رہی
اور صبح کو بھی اسی فکر میں تھا کہ سامنے سے ہامان نمودار ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی
اخشویرش بولا" ہاں تم خوب آئے۔ بتاؤ کہ جس شخص سے بادشاہ خوش ہو اور اُسکے ساتھ
احسان کرنا چاہتا ہو اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ ہامان نے دل میں کہا کہ
میرے سوا بادشاہ اور کس سے خوش ہیں اور وزیر ہامان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے
جس پر وہ احسان کرنا چاہتے ہوں لہذا جوش مسرت سے از خود رفتہ ہو کے بولا" خداوند
اُسے اپنا ہابوس خاص پہنائیں اپنا تاج اُس کے سر پر رکھیں اپنے خاص گھوڑے پر
اُسے سوار کرائیں۔ پھر اُس شان سے اُسے شہر میں نکالیں۔ اور کسی اپنے مخصوص امیر کو

حکم دیں کہ اُس کے ہمراہ رکاب رہے اور یہ منادی کرتا جائے کہ جسے حضور بادشاہ سرفراز کرنا چاہیں یوں سرفراز کرتے ہیں۔" ہامان کی زبان سے یہ الفاظ سُن کے بادشاہ اخشویرش نے کہا "بہتر۔ میرا لباس تاج اور گھوڑا لے کے ڈیوڑھی پر جاؤ۔ وہاں مردخائے نام ایک یہودی بیٹھا ہے اُس کو لباس اور تاج پہنا کے اور اُس گھوڑے پر سوار کر کے شہر میں پھراؤ اور تم خود اُس کے ہمراہ رکاب رہ کے منادی کرو کہ جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے یوں کرتا ہے" یہ حکم سنتے ہی ہامان کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی۔ مگر کیا کر سکتا تھا؟ حکم حاکم مرگ مفاجات! فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی۔

اس کارروائی کے بعد مردخائے تو پھر جا کے بادشاہ کی ڈیوڑھی پر ٹھہر گیا۔ مگر ہامان خون کے آنسو بہاتا اور اپنے حسد کی آگ میں جلتا بھُنتا اپنی بی بی زرش کے پاس پہونچا اور ساری کیفیت بیان کی۔ اُس نے میاں کو دل شکستہ دیکھ کے کہا "تم کُڑھتے کیوں ہو؟ ایسا ہی ہے تو اب قتل یہود کے دن تم بنی اسرائیل کی خوں ریزی کی ابتدا شہر شوشن میں اسی مردخائے سے کرنا۔ اور اسی دھنی پر اُسے مصلوب کرنا۔" میاں بی بیوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ شاہی ہرکاروں نے آکے کہا "آپ کی یاد ہوئی ہے۔ ملکہ آفاق حسین و مہ جبین ملکہ استیر کی دعوت ہے چلیے۔"

اس پیام سے ہامان کی گونہ اشک شوئی ہوئی۔ فوراً درباری کپڑے پہن کے گیا۔ اور بادشاہ و وزیر دونوں استیر کی محلسرا اور باغ میں جا کے کھانے پینے میں مصروف ہوئے بادشاہ آج بہت ہی خوش اور شادان تھا۔ اور ملکہ استیر کے حُسن نے اُس کو از خود رفتہ بنا رکھا تھا۔ جام شراب کو منھ سے لگاتے ہی بولا "نازنین و مہ جبین ملکہ! بتا تیرا کیا سوال ہے؟ کہہ چکا کہ مانگے گی تو آدھی سلطنت تک دے ڈالوں گا۔" استیر نے ایک ناز آفرین کی ہوش رُبا ادا سے زمین ادب چوم کے کہا "اگر مجھ پر حضور کی نظر عنایت ہے تو بس اتنی التجا اور یہی تمنا و آرزو ہے کہ میری جان بخشی ہو اور میرے ساتھ میری قوم کی بھی

جان بخشی کی جائے۔ کیونکہ ہم سب قتل و غارت کے لیے بیچ ڈالے گئے ہیں۔ اور دو تین روز میں ہم سب قتل ہو جائیں گے۔ کاش اتنا ہی ہوتا کہ ہم لوگ بیچ کے لونڈی غلام بنائے جاتے تو میں صبر کرتی۔ مگر یہاں تو ہماری بدنصیبی سے لوگ ہماری جاں کے درپے ہیں،، بادشاہ نے نہایت متحیر ہو کے پوچھا "کس نے مول لیا؟ اور وہ کون ہے جس کا ایسا ارادہ ہے؟" اب استیر میں غصہ ضبط کرنے کی تاب نہ تھی بولی "یہی کمبخت ظالم ہامان جو پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اور ہم سب کے خون کا پیاسا ہے" ملکہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کے ہامان تو مارے خوف کے کانپنے لگا۔ اور بادشاہ اخشویرش شراب پیتے پیتے جام و صراحی کو ہاتھ سے رکھ کے مارے غصہ کے اُٹھا اور سامنے باغ میں جا کے ٹہلنے لگا۔ مگر چہرے سے غیظ و غضب کے آثار نمایاں تھے۔

بادشاہ کے ہٹتے ہی ہامان ملکہ استیر کے قدموں پر گر پڑا۔ اور عفو تقصیر کے لیے گڑگڑا رہا تھا کہ بادشاہ طیش کھایا ہوا واپس آیا۔ اور ہامان کی طرف جو ملکہ استیر کے تخت کے آگے سر بسجود پڑا ہوا تھا مخاطب ہو کے بولا "اور ہاں جی میری ملکہ بھی میرے پہلو سے اُٹھا کے اور پابزنجیر کر کے کھینچی جائے گی یا نہیں؟" اِدھر بادشاہ کی زبان سے یہ آتش بار الفاظ نکلے اور اُدھر شاہی غلاموں نے مجرموں کی طرح ہامان کا سر کپڑے میں لپیٹ دیا۔ یہ کارروائی ہو ہی رہی تھی کہ وہ شخص جسے ہامان حکم دے آیا تھا وہ پچاس ہاتھ کی لمبی دھنی لیے ہوئے شاہی محل میں پہونچا۔ اور لوگوں نے بڑھ کے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ "ہامان نے یہ دھنی اس لیے تیار کرائی تھی کہ اس پر مردخائے کو سولی دلوائے گا،، بادشاہ غصہ میں بھرا ہوا تو تھا ہی حکم دیا کہ "اسی دھنی پر ابھی لیجا کے اِس ظالم ہامان کو سولی دو،، جس کی فوراً تعمیل ہو گئی۔ ہامان کے قتل ہو چکنے کے بعد اخشویرش کا غصہ تھما۔ اور وہ پھر اپنی اسرائیلیہ ملکہ کے گھر میں عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔

بادشاہ نے ہامان کا گھر اور اُس کی ساری جائداد ملکۂ استیر کو دے دی۔ استیر نے اب موقع پاکے اپنے اور مردخائے کے تعلقات قرابت بادشاہ پر ظاہر کر دے جن کو معلوم کر کے بادشاہ خوش ہوا۔ اور اسی وقت اُس کے حسب الطلب مردخائے حاضر دربار ہو کے زمین بوس ہوا۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی جو ہامان سے چھین لی گئی تھی اپنی اُنگلی سے اُتار کے مردخائے کو عطا کی گویا اس کے ساتھ ہی اُسے خلعت وزارت عطا ہوا اور اِن سب واقعات کے بعد مردخاے نے جا کے ہامان کے مکان اور جائداد پر قبضہ کیا۔

لیکن ابھی تک استیر کو اطمینان نہیں ہوا تھا۔ موقع پاکے وہ پھر ایک بار بادشاہ کے قدموں پر گری اور رو رو کے عرض کیا کہ حضور مجھے اور میری قوم کو ہامان کے شر سے بچائیں۔ کیونکہ قتل و غارت یہود کا حکم ابھی تک منسوخ نہیں ہوا ہے" بادشاہ نے اپنی طلائی جریب اُس کی طرف اُٹھا دی۔ جو کہ امان دینے کا اشارہ تھا۔ اور استیر نے ہاتھ جوڑ کے اور مؤدب کھڑے ہو کے کہنا شروع کیا کہ اگر میں حضور کی نظر میں بھلی اور حضور کی موردِ عنایت ہوں تو فرمان جاری ہو کہ ہامان کے جاری کیے ہوے احکام منسوخ ہوں ورنہ سارے اسرائیلی قتل ہو جائینگے اور میں اپنی قوم کے قتل عام کو کیونکر دیکھ سکونگی؟ اخشویرش نے اِس کے جواب میں اُس کی اور مردخائے کی طرف متوجہ ہو کے کہا "میں نے ہامان کا گھر بار تم کو دیا۔ اُس کو مصلوب کرایا۔ اور اپنی انگوٹھی بھی تم کو دے دی۔ لہٰذا تم کو اختیار ہے کہ جس مضمون کا فرمان چاہو میری طرف سے اور میرے نام سے جاری کر دو" مردخائے نے اجازت پاتے ہی تمام والیوں مرزبانوں۔ رئیسوں۔ اور فوجی افسروں کے نام فرمان جاری کر دیا۔ جس کی نقلیں تمام علاقوں اور ممالک محروسہ میں سانڈنی سواروں۔ ہرکاروں اور رسالہ کے سواروں کے ذریعہ سے بڑی عجلت کے ساتھ روانہ کی گئیں۔ اس فرمان کی رُو سے پہلا قتل یہود کا حکم منسوخ کیا گیا تھا

اور یہود کو حکم تھا کہ اُسی تاریخ جوان کے قتل کے لیے مقرر کی گئی تھی ہر ہر شہر میں جمع ہوں۔ اور اپنے تمام دشمنوں اور اُن سب لوگوں کو جو اُن کے خلاف ہوں مع زن و فرزند قتل و ہلاک کردیں۔ اور یہ کارروائی ہر جگہ اور ہر گاؤں میں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہو۔ یہی حکم خاص دارالسلطنت شوشن میں بھی جاری ہوگیا۔ جس کے بازاروں میں مردخائے آسمانی رنگ کا لباس شاہی اور اُس پر ریشمی عبائے ارغوانی پہنے سونے کا مرصع تاج سر پر رکھے کروفر سے برآمد ہوا۔ اور اُس کی صورت دیکھ کے یہودی ہر جانب سے نعرہ ہائے مسرت بلند کرتے تھے۔

آخر وہ قتل کی تاریخ آئی۔ اور یہود نے بلا تامل اپنے دشمنوں اور اپنے ستانے والوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس یورش میں شہر شوشن کے اندر ہامان کے دس بیٹے بھی قتل ہوئے۔ لیکن یہود نے سوا قتل کرنے کے لوٹنے اور تاخت و تاراج کرنے سے بالکل ہاتھ روکا۔ شام کے وقت بادشاہ اخشویرش کو اس واقعہ کی رپورٹ ہوئی۔ اور اُس نے استیر سے مل کے کہا "ناز آفرین ملکہ۔ خاص دارالسلطنت میں پانسو آدمی اسرائیلیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور اضلاع میں جو کچھ ہوا ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے۔ اِس لیے اے میری پیاری ملکہ بتا کہ اب تیرا کیا سوال ہے؟ جو کہے گی کرونگا اور جو مانگے گی دونگا۔" استیر بولی "میں چاہتی ہوں کہ ایسے ہی قتل عام کی اجازت شہر شوشن میں یہودیوں کو کل بھر دی جائے۔ اور ہامان کے لڑکوں کی لاشیں مصلوب کی جائیں۔ بادشاہ نے کہا "منظور۔ اجازت ہے کہ اسرائیلی پھر اپنے دشمنوں کو قتل کریں"۔ چنانچہ دوسرے دن بھی قتل عام شروع ہوا اور شوشن میں اس دن یہود نے ۳۰۰ آدمی قتل کیے۔ مگر دیگر مقامات اور اضلاع میں فقط پہلے ہی دن خونریزی تھی جس میں ۷۵ ہزار آدمیوں کو یہودیوں نے قتل کیا۔

الغرض اضلاع میں دوسرے دن اسرائیلیوں نے اپنے دشمنوں کو قتل کر کے خوشیاں کیں

اور عید منائی۔ اور شہر شوشن میں دو دن قتل کرنیکے بعد تیسرے دن۔ اور اسی کی یادگار مردخائے کے اشارہ سے یہودیوں میں رواج پا گیا کہ ہر سال ان دو دنوں میں بڑی بھاری عید منائی جاتی۔ ساری قوم کے زن و مرد اور بوڑھے بچے اچھے اور نئے کپڑے پہنتے۔ فیاضیاں کرتے۔ باہم دعوتیں کرتے۔ اور اپنی اس قومی کامرانی کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتے۔

یہ تھی ایک یہود حسینہ کے حُسن کی ہولناک کرشمہ سازی جو ظاہر کرتی ہے کہ مدتوں کی اسیری و مظلومی نے یہود کی ہوسیں اور آرزوئیں اور اُن کی خوشیاں کس درجہ ذلیل کر دی تھیں اور جوش انتقام نے اُنھیں کیسا ناخدا ترس بنا دیا تھا۔

قلوپطرہ

کلوپیٹرہ

زلیخا کے بعد مصر میں قلوپطرہ کے حُسن کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ جس کا پایہ تاریخی حیثیت سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ وہ اُس سرزمین کے کسی معزز گھرانے کی بہو بیٹی نہیں بلکہ خود ملکہ تھی۔ اور چونکہ وہ اپنے حُسن کی کمند کسی ہمسر زادے پر نہیں ڈالتی تھی۔ اسلیئے اپنے اغراض میں کامیاب بھی خوب ہوئی۔ اور شہوت پرستی و حُسن فروشی کے نشیب و فراز میں پڑ کے آخر خود اپنی ہی کرشمہ سازیوں اور ناز آفرینیوں پر قربان ہو گئی۔

سکندر کے ہاتھ سے جب مصر کا پُرانا خاندان فراعنہ پامال ہوا۔ اور وطنی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تو اس کے بعد بطلیموس لاغوس کے فرماں روائے مصر ہونے سے وہاں بطلیموسوں کا ایک نیا یونانی خاندان شاہی شروع ہوا۔ جس کے تاجدار بڑے بڑے حامیانِ علم و فن گذرے ہیں۔ اور اُنھیں میں وہ بڑا نامی گرامی ریاضی دان بطلیموس یا بطلیموس گزرا ہے۔ جسے اکثر لوگ بجائے بادشاہ کے ایک عالی مرتبہ حکیم و مہندس جانتے ہیں اور جو ہمارے نظام فلکی کا پہلا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

اِسی خاندان کے پچھلے تاجدار بطلیموس اولی طیس کی دو اولادیں تھیں۔ ایک لڑکا بطلیموس اور ایک اُس سے چھوٹی لڑکی قلو بطرہ۔ قلو بطرہ کے حُسن و جمال اور اُس کی ذہانت و قابلیت کے باعث باپ کو اُس سے ایسی محبت تھی کہ مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے بعد قلو بطرہ اور بطلیموس دونوں مل کے سلطنت کریں۔ مگر افسوس دولت و سلطنت وہ چیز ہے جو محبت و قرابت کے تمام رشتوں کو قطع کر دیا کرتی ہے۔ نوعمر بطلیموس سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی بہن کے حق میں ایک نامہربان بھائی بن گیا اور اُسے اُس کے حقوق وراثت سے محروم کر کے گھر سے نکال دیا۔ مگر قلو بطرہ بھی کوئی دبنے والی شہزادی نہ تھی۔ مقابلہ کو اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے جھنڈے کے نیچے ایک بڑا لشکر جرار جمع کر لیا۔

یہ ۶۲۰ قبل محمد یعنی ولادت مسیح سے اڑتالیس سال پیشتر کا زمانہ تھا۔ دولت روم اپنے شباب پر تھی۔ اور وہ دور شروع ہو گیا تھا جب کہ جمہوریت کا زور توڑ کے یولیوس قیصر (جولیس سیزر) سلطنت روم کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا۔ یولیوس اپنے حریف فامفئی (پامپی) کے تعاقب میں وارد مصر ہوا۔ اور ساحل اسکندریہ پر قدم رکھتے ہی فامفئی کا سر اُس کے سامنے لا کے پیش کر دیا گیا۔ اب وہ واپس چلا جاتا مگر دولت روم کا چونکہ یہ اصول تھا کہ قرب و جوار بلکہ ممالک دور دراز

میں بھی جہاں تک بنے سلطنتوں کے معاملات میں دخل دہی کر کرکے اپنی قوت بڑھائی جائے۔ لہذا یولیوس قیصر مصر کے خاندان شاہی کا جھگڑا چکانے کے لیے اسکندریہ میں ٹھہر گیا۔ اُس کی آمد کی خبر سنتے ہی قلوبطرہ بھی اسکندریہ پہونچی۔ اور کوشش کرنے لگی کہ کسی صورت سے قیصر کے دربار میں پہونچے۔ اُسے اپنے حسن و جمال پر ناز اور دعوی تھا۔ اور سمجھتی تھی کہ ممکن نہیں کوئی شخص میری دلفریب صورت دیکھے اور میرا طرفدار نہ بن جائے۔ اِس لیے وہ تو اس فکر میں تھی کہ کسی طرح قیصر سے چار آنکھیں ہو جائیں۔ اور قیصر کی یہ حالت تھی کہ اُس کی صحبت میں بار پانا قریب قریب غیر ممکن تھا۔ اور غالباً یہ بھی قلوبطرہ کے بھائی بطلمیوس کی سازش کا نتیجہ تھا جو قلوبطرہ کی کسی صورت سے قیصر تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر قلوبطرہ نے قیمتی کپڑوں کے ایک گٹھر میں اپنے آپ کو بندھوایا۔ اور وہ گٹھا تاجرانہ حیثیت سے قیصر کے سامنے پہونچایا گیا۔ جب اُس کی نگاہ کے روبرو وہ گٹھر کھلا تو اُس میں قلوبطرہ نکلی۔ جس کی صورت دیکھتے ہی یولیوس دنگ رہ گیا۔ اب مصر کی حسین شاہزادی نے اپنی مظلومی اور اپنی حالت و کیفیت ایسے ناز و انداز سے بیان کی۔ اور اُس کے عالم آشوب حسن۔ اُس کی سُریلی آواز۔ اور اُس کے دلفریب لہجے نے یولیوس پر ایسا جادو کر دیا کہ ع۔ وہ نظر ہی وداع طاقت تھی۔ اُس کا دم بھرنے لگا۔ اور جو جھگڑا پیش نظر تھا اُس میں بھی مشہور فیصلہ کر دیا کہ "حق لیلی بود"

اب قیصر یہاں تمام دنیا و ما فیہا کو بھول گیا۔ نہ روم کی سلطنت یاد تھی اور نہ چند وہ باقی ماندہ حریف جو اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے تھے۔ دو سال تک اسکندریہ ہی میں پڑا رہا۔ دن عید تھا اور رات شب برات۔ قلوبطرہ ہر وقت پہلو میں تھی اور اُس کے تمام ارادوں اور حوصلوں پر حکومت کر رہی تھی۔ غریب بطلمیوس کی قسمت کا

یہ فیصلہ ہوا کہ وہ بیچارہ دریائے نیل میں ڈبو کے مار ڈالا گیا۔ اور حشمت فراعنہ کی مالک اکیلی قلوبطرہ تھی جو شب و روز یولیوس قیصر سے ہم آغوش رہا کرتی۔

دو سال کی عیش پرستی کے بعد قیصر کو اپنے مقاصد سلطنت یاد آئے۔ ایشیا اور افریقہ کے دیگر صوبجات کی راہ لی۔ اور قلوبطرہ امن و امان اور آزادی و خود مختاری سے مصر میں حکومت کرنے لگی۔ یولیوس بڑے فتوحات حاصل کر کے نہایت ہی دھوم دھام سے رومۃ الکبریٰ میں داخل ہوا۔ اور اس کے بعد چند ہی روز وہاں ٹھہرا تھا کہ طرفداران جمہوریت کے ایک سازشی گروہ نے اُسے سر دربار قتل کر ڈالا۔ اور اُس کے بعد روم میں سخت جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قفرو (سسرو) جمہوریت کے طرفداروں کے ساتھ الگ خوشیاں منا رہا تھا۔ یولیوس کی بہن کا پوتا اُقطاویانوس جس نے یولیوس کے گھر اور اُسی کے آغوش میں نشو و نما پایا تھا۔ جو چند روز بعد اغسطس کا لقب اختیار کر کے دوسرا شہنشاہ روم بنا۔ اور جس کے ہاتھوں وہاں کی جمہوریت ہمیشہ کے لیے پامال ہو گئی۔ اس نے ایک حقدار وراثت کی حیثیت سے سلطنت کا دعویٰ کیا۔ اور تیسری طرف یولیوس کے نامی گرامی افسر انطونی نے عوام الناس کے ایک بڑے بھاری گروہ کو جمع کر کے یولیوس کے خون کا انتقام لینا چاہا۔ چند روز میں اقطاویانوس اور انطونی باہم مل گئے۔ اور اتفاق کی برکت سے اپنے سب حریفوں اور یولیوس کے دشمنوں اور قاتلوں پر کامیاب ہوئے۔

اس کامیابی کے بعد اُقطاویانوس تو رومۃ الکبریٰ میں چلا گیا۔ اور انطونی نے ممالک مشرق کی راہ لی۔ کہ وہاں کی سلطنت کو سنبھالے۔ چونکہ ملکہ مصر پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ اُس نے روم کے غالب گروہ کی کوئی مدد نہیں کی۔ لہذا ایشیائے کوچک میں پہونچتے ہی انطونی نے نہایت درشتی کے الفاظ میں قلوبطرہ کو لکھا کہ فوراً شہر

طرطوس میں حاضر ہو کے جواب دہی کرے۔ جن سخت الفاظ میں یہ فرمان بھیجا گیا تھا
اُس سے دولت مصر کی بے شک توہین ہوتی تھی۔ مگر قلوبطرہ عورت تھی۔ اور بہت
ہی زکی تھی ہوشیار اور پُرفن عورت۔ اُس نے دل میں کہا ع گڑ سے جو مرے تو
زہر کیوں دو؟ جانتی تھی کہ میں کس خوبی اور کیسے دعوے کے ساتھ انطونی کو شیشہ
میں اُتار سکتی ہوں۔ اِن الفاظ کا ذرا بھی بُرا نہ مانا۔ اور فوراً جواب دہی کے لیے
اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اسکندریہ سے تو اپنے معمولی جہازوں پر بیٹھ کے گئی۔ مگر طرطوس میں داخل
ہونے کی شان ایسی عجیب وغریب تھی کہ ہر طرف ہل چل پڑ گئی۔ اور جس کسی نے دیکھا
مبہوت و بدحواس رہ گیا کہ یہ کوئی شاہزادی ہے۔ یا آسمان کی پریاں اور دیویاں
زمین پر اُتر آئی ہیں۔ شہر طرطوس سمندر سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ اور اُس
کے نیچے سے دریائے قدموس بہا ہے۔ قدموس کے دہانے سے وہ
اس طرح چلی کہ اُس کی کشتی نہایت ہی پُرتکلف خوبصورت خوشنما اور زرنگار تھی۔
کیونکہ اُس پر جا بجا سونے چاندی کا پانی پھرا ہوا تھا اور نظر فریب نقش و نگار اور
گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ پتوار اور کھینے کی بلّیاں چاندی کی تھیں۔ اور ایک
ارغوانی رنگ کا نہایت ہی خوش رنگ پال چڑھا ہوا تھا جو ہوا کے بھرنے سے
عجب بہار دکھاتا تھا۔ کشتی کے اوپر ایک زربفت کا شامیانہ بڑی نفاست سے
کھنچا ہوا تھا۔ جس کی مقیش کی جھالر شعاع آفتاب پر چشمک زنی کرتی تھی۔ اُس کے
نیچے وہ خود سونے کا مرصع تاج سر پر رکھے۔ سر سے پاؤں تک مُرصع زیور اور
معرق کپڑے پہنے اور جواہرات سے لدی ہوئی دیویوں کی شان سے بیٹھی تھی۔

اُن دنوں چونکہ سارے ملک کا مذہب یونانی اور رومی بت پرستی تھی۔
اور اہل روم و یونان کے عقیدے میں حُسن و جمال کی دیوی وینس (زہرہ) تھی۔

تم کیا کر سکتے ہو؟" اور یہ کہہ کے اپنے کان کی ایک انتی سے ایک بڑا بھاری موتی جس کی قیمت لاکھوں کی تھی سرکے کے جام میں ڈال دیا۔ اور جب وہ گھل گیا تو اُٹھا کے پی گئی دوسری انتی کے ویسے ہی اور اُسی قیمت کے موتی کے اُس نے دو ٹکڑے کیے اور اُنھیں وینس دیبی کے سنگار میں صرف کر دیا۔ اُس کی یہ بے جگری دیکھ کے انطونی عش عش کر گیا کہ میری محبت میں جو کچھ قلوبطرہ کر سکتی ہے میں نہیں کر سکتا۔

چند روز بعد اُنطونی کو روم میں جانا پڑا۔ کیونکہ اس کی بی بی فلویا بیمار تھی۔ فلویا اُس کے پہونچنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوئی تو اُس نے قیصر کی بہن اُقطاویہ سے شادی کر لی۔

یہ شاہزادی حسین وصاحب جمال ہونے کے ساتھ بڑی باعصمت خاتون تھی اور سچ یہ ہے کہ انطونی اِس قابل نہ تھا کہ ایک ایسی پاکدامن شاہزادی کی قسمت اُسکے ہاتھ میں دے کے چھوڑ دی جائے۔ انطونی کے دل و دماغ میں قلوبطرہ اس قدر بسی ہوئی تھی کہ اُسے اُقطاویہ سے کسی طرح اُنس نہ ہوا۔ اور شادی کی رسوم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے ارض مشرق کی راہ لی تاکہ قلوبطرہ کے آغوش شوق کے مزے لوٹے۔

دوبارہ مصر میں آکے انطونی پھر عیش وعشرت میں پڑ گیا۔ اور قلوبطرہ کی صحبت میں روز بروز اندھا ہوتا جاتا تھا۔ نہ اپنے فرائض سے تعلق تھا اور نہ اپنے انجام کی پروا تھی۔ قلوبطرہ کی محبت کے جوش میں ناعاقبت اندیشی کی دلیری اِس حد تک بڑھی کہ شاہزادی اُقطاویہ کے پاس طلاق نامہ لکھ کے بھیج دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ "تم سے پہلے میری شادی ملکۂ مصر کے ساتھ ہو چکی تھی۔" اِس واقعہ سے شاہزادی کے بھائی قیصر اقطاویانوس کی نہایت ہی دلشکنی ہوئی۔

اُقطاویانوس کو پہلے ہی سے اِس بات کا خیال تھا کہ کسی طرح انطونی کو گرا کے

دولت روم کے کل سیاہ وسفید کا مالک ہو جائے۔ اور اپنے چچا یو لیوس قیصر کا سچا اور پورا جانشین بنے۔ بہانہ ہی ڈھونڈھ رہا تھا۔ بہن کی دل آزاری کی تاب نہ لایا۔ سارے رومیوں کو اس بات پر برہم کر دیا کہ ظالم دغا باز اور لوگوں کو پھانسنے اور لبھانے والی ملکہ مشرق کے مقابلہ میں اقطاویہ کی ایسی باعصمت اور پاکدامن شاہزادی کی توہین کی گئی۔ رومیوں کے دلوں میں جوش انتقام پیدا کر کے قیصر نے حملہ کے لیے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا۔ اُدھر سے اپنے جہازوں کا بیڑا لے کے انطونی اور قلوبطرہ آئے اور علاقہ اپائرس کی ایک راس کے پاس دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا۔

زور شور سے لڑائی ہو رہی تھی۔ اور فتح وشکست کے آثار کسی طرف نمودار نہیں ہونے پائے تھے کہ ناگہاں قلوبطرہ لڑائی سے مرعوب اور دہشت زدہ ہو کے بھاگی اور اُسکے ساتھ ہی سارے مصری جہازوں نے بھی لڑائی سے رُخ پھیر کے مصر کی راہ لی۔ انطونی اگرچہ بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا مگر اپنی معشوقہ کو واپس جاتے دیکھ کے اُس نے بھی لڑائی کو ناتمام چھوڑا۔ اور اُس کے پیچھے چلا۔ دونوں بھاگ کے اسکندریہ میں پہونچے اور عیش وطرب کے جشنوں میں اس خیال کو بھی بھلا دیا کہ دشمن قیصر تعاقب کرتا ہوا چلا آتا ہے اور عنقریب یہاں پہونچا چاہتا ہے۔

اقطاویانوس قیصر بھی نہایت ہی چالاک تھا۔ اُس نے بھی دل میں ٹھان لی کہ قلوبطرہ کو اُسی کمند میں پھانسنا چاہیئے جس میں کہ وہ اوروں کو پھانسا کرتی ہے۔ اسکندریہ کی بندرگاہ کے قریب پہونچتے ہی اُس نے مراسلت کر کے قلوبطرہ پر اپنا اشتیاق اور عشق ظاہر کیا۔ قلوبطرہ نے دل میں کہا "وہ جاتا کہاں ہے؟ جس طرح میں نے انطونی کو اپنی زلف گرہ گیر میں پھانسا ہے اسے بھی پھانسوں گی۔ اور ایسا گرفتار کروں گی کہ ہلنے نہ دوں گی"۔ یہ تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ اب انطونی میں دم نہیں رہا ہے۔ اسلیئے اپنے تمام فوجی افسروں اور جہازوں کے جنگی کپتانوں کو حکم دے دیا کہ کسی قسم کی

مزاحمت نہ کی جائے - قیصر آتا ہے تو اُسے بے تکلف آنے دو۔ مگر جب قیصر نے اسکندریہ پر قابض ہو کے اُس کی گرفتاری کا حکم دیا تو ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔ آخر جب اُس کا کچھ زور نہ چل سکا تو اپنی دو وفادار سہیلیوں کو ساتھ لیا۔ اور ایک بُرج میں جسے سلاطین مصر کے عام طریقہ کے موافق تعمیر کرا کے اپنا مدفن قرار دیا تھا جا کے چھپ رہی۔ اور شہر میں مشہور ہو گیا کہ قلوبطرہ مر گئی۔ اس کے مرنے کی خبر سنتے ہی انطونی ایسا بیقرار ہوا کہ فراق معشوقہ کی تاب نہ لا سکنے کے باعث خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ اور اپنی ہی تلوار سے اپنے اپ کو ایسا زخمی کر لیا کہ زندگی کی کوئی اُمید نہیں باقی رہی۔ وہ بستر مرگ پر تڑپ رہا تھا کہ خبر آئی " قلوبطرہ مری نہیں زندہ ہے اور آپ کو اپنے بُرج میں بُلاتی ہے "۔ اُس میں چلنے کی طاقت نہ تھی۔ لوگ پلنگ کو کندھوں پر اُٹھا کے اُس بُرج کے پاس لے گئے۔ قلوبطرہ کو دشمنوں کے خوف سے بُرج کا دروازہ کھولنے کی تو جرأت نہ ہوئی مگر پلنگ کو رسیوں میں باندھ کے ایک کھڑکی طرف سے اوپر کھینچ لیا۔ اوپر پہونچتے ہی انطونی قلوبطرہ کے سینے سے لپٹ گیا اور اُسی طرح لپٹے ہی لپٹے دم توڑ دیا۔

مگر اب بھی قلوبطرہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئی۔ اور قیصر کے پھانسنے اور اُسکے مسخر کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ لیکن اُقطاویانوس بھی اِس بلا کا مضبوط آدمی تھا کہ اُس سے کسی طرح پیش نہ گئی۔ وہ برابر اسی کوشش میں لگا رہا کہ قلوبطرہ کو زندہ گرفتار کرے اور اُس سے اپنی بہن کا انتقام لے۔ نہ اُس نے قلوبطرہ کی کسی شرط کو منظور کیا اور نہ اُسے کسی عہد و پیمان پر امان دی۔ آخر قلوبطرہ کو مایوسی ہوئی۔ اور ساتھ ہی اُس کی آنکھوں کے سامنے اُسوقت کی تصویر پھر گئی جب وہ گرفتار کر کے رومۃ الکبریٰ میں لے جائی جائے گی۔ اور وہاں قیصر کے جلوس میں اس شان سے نکالی جائے گی کہ ہاتھ پاؤں میں سونے کی زنجیریں ہونگی۔ اور اپنی سواری کی مطلا و مرصع رتھ کے آگے آگے

پا پیادہ جا رہی ہوگی۔ اس بے عزتی و ذلت پر اُس نے موت کو ترجیح دی۔

دوسری طرف اُقطاو یانوس کو بیحد شوق تھا کہ اِس حسین اور شہرہ آفاق ملکہ کو اہل روم کے سامنے اپنے قیدی کی حیثیت سے پیش کرے۔ لہذا اُس نے اِس بات کا پورا بندوبست کیا کہ قلوبطرہ خودکشی نہ کرنے پائے۔ جس بُرج میں قلوبطرہ تھی اُس کا چاروں طرف سے محاصرہ کرا لیا۔ اور قطعی ممانعت کر دی کہ کوئی شخص کسی قسم کا ہتھیار۔ کوئی دوا۔ یا کوئی چیز اندر نہ لے جانے پائے تاہم محاصرہ کرنے والوں نے ایک دن انجیروں کا ٹوکرا اندر پہونچا دیا۔ جس میں اُن کے نزدیک کسی بات کا اندیشہ نہ تھا۔

اس ٹوکرے کے اندر پہونچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد قیصر کو قلوبطرہ کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ "میرے بچوں کو امان دی جائے۔ اور اس کی اجازت دی جائے کہ میں اور انطونی دونوں اِسی مقبرہ میں دفن ہوں جس میں ہم دونوں ہیں"۔ قیصر یہ تحریر پاتے ہی لپک کے اُس بُرج کے پاس پہونچا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر جا کے قلوبطرہ کے کمرے کو دیکھا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ ملکہ اپنے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ اپنی شاہی مسہری پر آرام کر رہی تھی۔ دونوں سہیلیوں میں سے ایک اُس کے پاؤں کے پاس پڑی ہوئی تھی اور دوسری سرھانے کھڑی اپنے دونوں ہاتھوں سے اُس کے سر پر تاج کو سبنھالے ہوئے تھی کہ گرنے نہ پائے۔

قیصر کو یہاں کے سناٹے میں موت کا سناٹا نظر آیا۔ پوچھا "یہ کارروائی پوری طرح ہوگئی ہے" خادمہ بولی "جی ہاں ہوگئی۔ اور یہی بات ایسی عالی مرتبہ ملکہ کے شایان تھی"۔ اتنا جواب دیتے ہی وہ بھی اپنی جگہ پر گر کے مر گئی۔

اب اِس کی جستجو شروع ہوئی کہ قلوبطرہ نے کیونکر جان دی۔ غور کرنے سے ایک چھوٹا نہایت ہی زہریلا سانپ جس کے کاٹتے ہی انسان مر جائے قلوبطرہ کے بازو میں لپٹا ہوا ملا۔ جس سے اپنے آپ کو کٹوا کے ملکہ اور اُسکی دونوں خادماؤں نے جان دی تھی۔

قیصر کو افسوس ہوا کہ قلوبطرہ میرے ہاتھ سے اپنی جان کو بچالے گئی۔ مگر کبر و نخوت کے جوش میں اُسے اب بھی ترس نہ آیا۔ کیونکہ جب رومۃ الکبریٰ میں گیا ہے تو اس کے داخلہ کے باشان و شوکت جلوس میں ملکہ قلوبطرہ کی ایک مورت اُس کی اُسی شاہی مسہری پر سوتی ہوئی نکالی گئی جس کے پیچھے پیچھے قلوبطرہ کی دونوں اولادیں (یعنی اُسکا بیٹا اسکندر اور اُس کی بیٹی قلوبطرہ) تھیں۔ یہ دونوں بچے تھے جن کو قلوبطرہ نے اپنے غرور حُسن اور عیش پرستی کے مذاق سے "اپالو" (دیوتا) اور "ڈیانا" (دیوی) کے خطاب دیے تھے۔

اب ملک مصر دولت روم کا ایک صوبہ تھا۔ اور ان دونوں بچوں کا کوئی والی وارث نہ تھا قیصر کو تو اپنے جلوس میں اُن کی تشہیر کرانیکے بعد اپنے تجبّر کی داد مل گئی۔ مگر اُس کی بہن "اُقطاویا" کو جو واقعی بڑی شریف شاہزادی تھی یہ خیال کرکے اُن بچوں پر ترس آگیا کہ میرے مرحوم شوہر انطونی کی یادگار ہیں۔ اُنھیں لے کے اپنی ہی اولاد کی طرح پالا۔ تربیت کی۔ اور جب چھوٹی قلوبطرہ بڑی ہوئی تو اُسکی شادی مراکو کے ایک فرماں روا سے کر دی۔

مصر میں قلوبطرہ کی لاش وہاں کے دستور کے مطابق ممی بنکے اور ایک سنہرے تابوت میں بند کرکے اُسی مقبرہ میں رکھی گئی جو اُس نے اپنے لیے بنوایا تھا اور اب دو ہزار برس بعد قبر سے نکل کے لندن کے برٹش میوزیم میں پہونچی جہاں آج ہر شخص جاکے اُس کے پُر تکلف تابوت اور اُس کے ابدی خواب ناز کی کیفیت دیکھ سکتا ہے۔

ملکۂ زبا

(عرب میں)

سکندر اعظم نے جب دارائے ایران کو تاج و تخت سے محروم کر کے قدیم اصطخر کو لٹوایا ہے تو اُس نے اس کیانی دارالسلطنت ہی کو تباہ و پامال نہیں کیا ملکہ مشرق کے لہلہاتے ہوئے چمن یعنی ساری سرزمین ایران کو اُجاڑ کے ویران کر دیا تھا۔ ایک پُرانی منتظم سلطنت اور امن و امان کی دنیا کو اُس نے اپنے پُرجوش دہقانی صنعت سپاہیوں سے برباد تو بڑی آسانی سے کرا دیا۔ مگر یہ وسیع اور عظیم الشان سلطنت اُس کے سنبھالے نہ سنبھل سکی۔ کیونکہ بگاڑنا آسان تھا۔ اور بنانا مشکل۔ اس غیر منتظم مملکت کو نہایت ہی بدنظمی کی حالت میں چھوڑ کے وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اُس کے بعد یہاں ایک نیا دَور شروع ہوا جو عموماً طوائف الملوکی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی سارے ملک میں کوئی ایک سلطنت نہیں قائم تھی۔ بلکہ ہر ہر صوبہ کے جدا جدا بادشاہ تھے جو ملوک طوائف کہلاتے۔ یہ ہمیشہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے۔ اور اُس سارے ملک میں جو پہلے دولت عجم کے قبضہ میں تھا اِن خودسر فرمان رواؤں کی بدولت جب دیکھیے قتل و خون کا بازار گرم رہتا۔

اِنھیں ملوک طوائف میں عرب کے عمالقۂ قدیم میں سے ایک زبردست بادشاہ تھا عمرو بن ظرب بن حسان بن اُذینہ علیقی۔ اِس کی قلمرو حدود شام سے لے کے دریائے فرات کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور شہر تدمر اُس کا بارونق شہر تھا۔ اور وارث سلطنت اُس کی اکلوتی حسین و نازنین بیٹی نائلہ تھی جو تاریخ میں زبا کے لقب سے شہرت رکھتی ہے۔ اِنھیں دنوں ارض حیرہ یعنی عراق (عرب) کے سرحدی صوبہ کی حکومت ایک دوسرے

بادشاہ کے ہاتھ میں تھی جو جذیمۂ ابرش" کے لقب سے شہرت رکھتا تھا۔ جذیمہ کا شمار بھی
ملوک طوائف میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے معاصر فرمان رواؤں سے زیادہ
ملوک طوائف میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے معاصر فرمان رواؤں سے
بہادر اور بڑا نبرد آزما تھا۔ اور اکثر حریفوں اور دشمنوں کے مقابلہ میں فتحیاب ہوتا رہا
تھا۔ چنانچہ جب اُسے عمرو بن ظرب کی غفلت کا حال معلوم ہوا تو اُس کے ملک پر
چڑھائی کر دی۔ عمرو بھی ایک لشکر جرار لے کے مقابلہ کو آیا۔ مگر میدان جنگ میں قسمت
نے جذیمہ ابرش کی یاری کی اور عمرو بن ظرب کو شکست ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ حریف کے
ہاتھ سے عرصۂ نبرد میں مارا گیا۔ لاڈلی اور یتیم بیٹی زبّا کو باپ کے مارے جانے کا بڑا صدمہ
ہوا۔ اور چونکہ کوئی دوسرا وارث سریر سلطنت نہ تھا۔ لہذا وہی تخت نشین ہوئی۔ بیٹھنے کو
تو وہ تخت پر بیٹھ گئی مگر دل میں عہد کر لیا کہ جب تک باپ کا بدلہ نہ لے لوں گی چین نہ لوں گی۔

جذیمۂ ابرش نے اِس واقعہ سے بہت پہلے ایک لخمی نژاد حسین و خوبرو لڑکے کے حُسن و
جمال اور اُس کی تمیز داری و سلیقہ شعاری کی تعریف سُنی تھی جو قبیلۂ بنی ایاد میں تھا۔
اور عدی بن نصر بن ربیعہ اُس کا نام تھا۔ محض اُس لڑکے کے حاصل کرنے کے لیے
جذیمہ نے بنی ایاد پر یورش کی تھی۔ اور برکت حاصل کرنے کے لیے اپنے دو بتوں کو
جو "ضیزنان" کہلاتے تھے ساتھ لیتا گیا تھا۔ بنی ایاد میں مقابلہ کی تو طاقت نہ تھی مگر
اُنھوں نے ایک رات کسی عیّار شخص کو بھیج کے جذیمہ کے کیمپ میں سے وہ دونوں بت
چُروا لیے۔ اور صبح کو کہلا بھیجا کہ "تمھارے دونوں بت ہمارے پاس چلے آئے۔ معلوم
ہوتا ہے کہ تمھارے دیوتاؤں نے ناراض ہو کے تمھیں چھوڑ دیا اور ہمارے پاس رہنا
پسند کرتے ہیں۔ اگر بے لڑے بھڑے واپس چلے جانے کا وعدہ کرو تو اُن دونوں کو
ہم تمھارے پاس پہونچا دیں۔"

جذیمہ کو اُس لڑکے عدی کا اِس قدر شوق تھا کہ جواب دیا "ان دیوتاؤں کے

ساتھ اگر تم عدی بن نصر لخمی کے بھیجنے کا بھی وعدہ کرو تو بے شک میں واپس چلا جاؤنگا"
بنی ایاد نے یہ شرط منظور کی۔ عدی کے ساتھ اُن دونوں مُورتوں کو جذیمہ کے پاس
بھیجدیا۔ جذیمہ نے اپنی ساقی گری کی خدمت عدی کے سپرد کی اور اُس کے ہاتھ سے
شراب گلفام کے جام پیتا ہوا اپنے دار السلطنت میں واپس آیا۔

جذیمہ کی ایک کنواری جوان اور حسین بہن تھی رقاش۔ اُس نے جو عدی کی صورت
دیکھی تو ایک جان چھوڑ سو جان سے اُس پر عاشق ہوگئی۔ اور اندر ہی اندر کہلا بھیجا "
تم میرے لیے جذیمہ کو اپنی طرف سے پیام کیوں نہیں دیتے؟" عدی نے کہلا بھیجا "
بھلا مجھ سے ایسی جرأت ہو سکتی ہے؟" رقاش نے کہا "آج رات کو تم جذیمہ کو
تو خالص شراب آتش لباس کے جام پلاؤ اور دوسرے ندیمان صحبت کو پانی ملا ملا کے
پلاؤ۔ تاکہ اپنے ہوش میں رہیں۔ جب دیکھنا کہ جذیمہ کو خوب نشہ ہوگیا ہے۔ اور شراب کی
پیاس زوروں پر ہے اُس وقت میرے لیے پیام دینا" عدی نے ایسا ہی کیا۔ جذیمہ
نشہ میں اِس قدر مدہوش ہو رہا تھا کہ ساقی ہوش رُبا کی درخواست سنتے ہی منظور
کر لی۔ اور اُسی وقت سب کے سامنے عقد نکاح کی تکمیل کر کے رقاش کا ہاتھ عدی کے ہاتھ میں
دے دیا۔

صبح کو جب اُسے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ عدی غیر معمولی طور پر بنا چنا ہوا ہے
اور بنڈے سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہیں۔ پوچھا "یہ کیوں؟" عدی نے ڈرتے ڈرتے
عرض کیا "میری شادی ہوئی ہے نہ؟" متحیر ہو کے کہا "تمہاری شادی! کس سے؟" کہا
"حضور کی ہمشیرہ رقاش سے" منغض ہو کے پوچھا "کس نے شادی کی؟" عرض کیا "خود
حضور نے" جذیمہ نے متعجب ہو کے پوچھا "میں نے؟" عرض کیا "جی ہاں خاص حضور نے
چاہیں حضور اہل دربار اور ندیمان صحبت سے دریافت فرمالیں" جذیمہ نے شب کے
حریفانِ صحبتِ شراب سے پوچھا تو سب نے شہادت دی۔ آخر قائل ہو کے جذیمہ نے

ندامت سے سر جھکا لیا۔ مگر اُسے برہم دیکھ کے عدی اُسی وقت بھاگ کھڑا ہوا۔ اور قبیلۂ بنی ایاد میں جا کے چند ہی روز رہا تھا کہ ایک دن شکار میں کسی کے تیر کا نشانہ بن گیا۔

مگر رقاش اُس کے آنے کے بعد حاملہ تھی۔ صاحب تاج و سریر بھائی نے اُسے اس حال میں دیکھ کے کہا "تو نے کس سے زنا کیا ہے؟" وہ بولی "زنا نہیں بلکہ خود آپ نے ایک معزز شریف جوان عربی کے ساتھ میرا عقد کیا تھا" چند روز بعد رقاش کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو اُس نے اس کا نام عمرو بن عدی بن نصر رکھا۔ ماں عمرو کو ابتدا میں تو چھپائے رہی مگر جب ذرا بڑا ہوا تو اُسے اچھے کپڑے پہنا کے خوشبو لگا کے اور بنا چُنا کے بھائی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کی صورت اور باتیں جذیمہ کو ایسی بھلی لگیں کہ اُسے اپنے لڑکوں کے ساتھ رکھ لیا۔ اور اُنھیں کے ہمراہ اُس کو تعلیم دینے لگا۔ عمرو بن عدی ماموں کا ایسا ادب کرتا تھا اور بات بات میں اُس کی نفع رسانی کا ایسا خیال رکھتا تھا کہ جذیمہ کو اُس سے بڑی محبت ہو گئی اور اُسے اپنے بیٹوں پر ترجیح دینے لگا۔ چنانچہ جن دنوں جذیمہ نے عمرو بن ظرب کو شکست دیکے قتل کیا ہے اُس کا سب سے بڑا معتمد علیہ یہی عمرو بن عدی تھا۔ جو اُس کا بھانجا اور نہایت حسین و خوبرو اور ایک جوان رعنا تھا۔

زبّا نے تخت پر بیٹھنے کے بعد چند ہی روز میں اپنی سلطنت کا انتظام کر لیا۔ ہر جگہ امن و امان قائم کیا۔ قلعہ کو زیادہ محکم و استوار کیا فوج خوب آراستہ کی۔ اور اب تیاریاں کر رہی تھی کہ فوج کشی کر کے جذیمۂ ابرش سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے کہ اُسے ان تیاریوں میں مصروف دیکھ کے اس کی ایک بہن جو اُس کے باپ کی ربیبہ تھی بولی "آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟ کیا جذیمہ سے لڑے گا؟ کون جانتا ہے کہ لڑائی کا کیا انجام ہو گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی کو شکست ہو جائے؟" زبّا نے کہا "تو کیا تم چاہتی ہو کہ میرے باپ کا خون بے انتقام لیے یونہیں پڑا رہ جائے؟ یہ نہ ہو گا" وہ عورت بولی "تو میں کب کہتی ہوں کہ آپ انتقام نہ لیں؟ ضرور لیں۔ مگر ایسی طرح کہ اپنے لیے کوئی اندیشہ نہ ہو۔ کہا "وہ صورت یہ ہے

کہ بجائے چڑھائی کرکے جانے کے خود اُسے اپنی کمند میں پھانس کے یہاں کھینچ بُلایئے۔ اور نیزے اور تلوار اور تیر و خنجر کے عوض اُسے اپنے حُسن عالم آشوب کے اسلحہ سے ماریئے۔"

یہ باتیں اُس کیاد عورت نے زبّار کو اِس طرح سمجھائیں کہ اُس کے دل میں بیٹھ گئیں۔ اور آمادہ ہوگئی کہ اُسی طریقہ سے جذیمہ کو زک دے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جذیمہ کو ایک خط لکھ بھیجا کہ "بیا بیا کہ دگر طاقت جدائی نیست" اس خط میں بیحد اشتیاق ظاہر کرکے لکھا تھا کہ "عورت کی سلطنت کو میں جہاں تک دیکھتی ہوں مضبوط نہیں ہوتی۔ وہ اکیلی بغیر مرد کی مدد کے کچھ نہیں کرسکتی۔ علاوہ بریں میں نے دُنیا پر نظر ڈالی تو حکمرانی خوش حالی ذہانت و طباعی۔ شوکت و حشمت اور تمام باتوں میں میرا مماثل و مقابل آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ لہذا آیئے کہ ہم آپ ایک ہو جائیں۔ میں آپ کے ملک کی ملکہ بنوں اور آپ میرے ملک کے بادشاہ۔"

یہ خط دیکھتے ہی جذیمہ کے دل میں عشق کی آگ بھڑک اُٹھی۔ دل میں کہا وہ بھلا ایسی پری جمال و صاحب اقبال دُلھن دُنیا میں کسے نصیب ہوسکتی ہے؟ پھر اُس خط کو اہل دربار اور مشیروں کے سامنے پیش کرکے مشورہ طلب کیا۔ سب لوگ بادشاہ کی رائے کے موافق تھے۔ مگر قُصیّر نام ایک شخص نے جو دولت کے جاں نثاروں اور اُسکے عہد کے بڑے زبردست عقلا میں تھا سب سے اختلاف کرکے کہا "اس خط سے بُو سے مکر آتی ہے۔ آپ زبّار کے باپ کے قاتل ہیں۔ اس کے فریب میں ہرگز نہ آیئے۔ بلکہ لکھ بھیجئے کہ سچی ہو تو یہاں میرے پاس چلی آؤ۔" بادشاہ کو قُصیّر کی رائے پسند نہ آئی۔ مزید اطمینان کے لیے عمرو بن عدی کو بُلا کے اُس سے رائے لی۔ اور جب اُس نے بھی قُصیّر کے خلاف دیگر مشیروں کی رائے سے اتفاق کرلیا تو جذیمہ نے بلا تامل سفر کی تیاریاں کردیں۔

جاتے وقت اُس نے عمرو بن عدی کو اپنا قائم مقام بنا کے دارالسلطنت میں چھوڑا۔ اور اُس کی مدد کے لیے عمرو بن عبد الجن نام ایک بہادر شخص کو بھی سپہ سالار فوج بنا کے

وہاں رکھا اور خود قصیّر اور چند اور لوگوں کو اپنے ہمراہ رکاب لے چل کھڑا ہوا۔
فرضہ نام ایک مقام تک پہونچا تھا کہ زبّار کے بھیجے ہوئے لوگ اُس کے استقبال کو آپہونچے۔ اِن لوگوں کی حالت دیکھ کے قُصیّر کی بدگمانی اور بڑھی۔ مگر کیا کرتا۔ بادشاہ پر زبّار کا جادو پورا چل چُکا تھا۔ اُس نے کسی بات کا بھی خیال نہ کیا اور زبّار کے قلعہ میں داخل ہوگیا۔
قُصیّر نہایت ہی ہوشیار اور سیانا شخص تھا۔ وہ آخر تک جذیمہ کے ساتھ رہا۔ مگر الگ ہی الگ۔ ہر حالت کو دیکھتا تھا اور دل ہی دل میں جذیمہ کی بے وقوفی پر افسوس کرتا تھا۔ آخر اُس نے دیکھا کہ جب بادشاہ قلعہ کے اندر داخل ہوا تو اس کی حالت بالکل اسیروں کی سی تھی۔ زبّار کے سرداروں میں گھرا ہوا تھا اور کوئی بھی آس پاس نہ تھا جو اُس کی کچھ مدد کرسکے۔ زبّار قلعہ کے اندر اُس سے ملی۔ صورت دیکھتے ہی جذیمہ زبّار کے چشم و ابرو سے سمجھ گیا کہ مجھے فریب دیا گیا۔ اور میں اُس کے دام مکر میں پھنس گیا۔ مگر اب کیا زور چل سکتا؟ اتنے میں زبّار نے تمسخر کے لہجے میں پوچھا "دُلھن کے آداب و اطوار دیکھیئے گا؟" پھر آپ ہی بولی "سُنی ہوں بادشاہوں کا خون اُن لوگوں کے لے حکمی دوا ہے جنھیں کُتّے نے کاٹ کھایا ہو۔ لاؤ بھئی نطع (وہ چمڑہ جس پر بٹھا کے لوگوں کو قتل کرتے ہیں) لاؤ۔" فوراً نطع بچھا دیا گیا۔ زبّار بولی "اور ہاں سونے کا طشت بھی تولا کے رکھ دو۔" طشت بھی رکھا گیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے جام بھر بھر کے جذیمہ کو خوب شراب پلائی یہاں تک کہ وہ نشہ سے مدہوش ہوگیا۔ ان دنوں معمول تھا کہ لڑائی کے سوا جس میں کوئی امر اختیاری نہیں ہوتا اور کسی حالت میں کسی بادشاہ کی جان لینا ہوتی تو اُس کی حُرمت کے خیال سے گردن نہ مارتے۔ بلکہ کسی اور طریقہ سے جان لیتے۔ اِس پر طرہ یہ کہ کسی کاہن نے زبّار سے کہہ دیا تھا کہ "جذیمہ کے خون کا ایک قطرہ بھی طشت کے باہر گرے گا تو وہ اُس کا انتقام ضرور لے گا۔"
بہر تقدیر زبّار نے نہایت ہی سنگدلی۔ بے دردی سے جذیمہ کے دونوں ہاتھوں کی

فصدیں کھلوادیں۔ جذیمہ استقلال و ثبات سے سیدھا بیٹھا رہا۔ اور خون برابر بہ بہ کے طشت میں گرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے اُس کے ہاتھ نیچے لٹک گئے۔ جس کے باعث کچھ خون طشت کے باہر گرا تو زبّار فوراً گھبرا کے بولی "دیکھو یہ بادشاہوں کا خون ہے ضایع نہ ہونے پائے"۔ اب اِس وقت نیم جان جذیمہ کی زبان سے یہ کلمۂ یاس نکلا کہ" اس خون کی فکر نہ کرو جسے خود اس کے لوگوں نے ضائع کر دیا ہے"۔ اِس کے بعد جذیمہ نے اُسی نطع پر گر کے دم توڑ دیا۔ اور زبّار کو اطمینان ہوا کہ میں نے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا۔

قُصَیّر اِس حال سے واقف ہو کے بھاگتا ہوا حیرہ میں آیا۔ اور عمرو بن عدی کو اس واقعہ کی خبر کی۔ یہاں عمرو بن عدی اور عمرو بن عبدالجن میں عداوت ہو گئی تھی قصیر نے بیچ میں پڑ کے دونوں کو صاف کیا۔ ملوایا۔ اور کہا" اب سب مل کے اپنے بادشاہ کے خون کا انتقام لینے کی کوشش کرو"۔ عمرو بن عدی نے کہا" زبّار پر کسی کا کیا زور چل سکتا ہے؟ اُس کے سر بفلک قلعہ کی یہ حالت ہے کہ اُس پر پرندہ تک پر نہیں مار سکتا ہے۔ بھلا میں کیا کروں گا؟" قُصَیّر نے کہا" اِس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ میری ناک کاٹ لیجئے گا۔ میری پیٹھ پر کوڑے لگوایئے اور اپنے یہاں سے نکال دیجئے"۔ عمرو بن عدی نے کہا یہ تو مجھ سے نہ ہوگا"۔ قُصَیّر بولا" آپ کو اس میں کیا دخل؟ میں جو کہتا ہوں وہ کیجیے تو سہی"۔ عمرو نے کہا" ان باتوں کا شوق ہے تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی ناک کاٹ لو اور جو جی میں آئے کرو"۔

قصیر کے دل میں اپنے بادشاہ مظلوم کے بیکسی سے مارے جانے کا اس قدر صدمہ تھا کہ خود ہی اپنی ناک کاٹی پیٹھ زخمی کی۔ اور بھاگتا ہوا ملکۂ زبّار کے شہر میں پہونچا۔ چونکہ یہ دربار حیرہ کا نامی شخص اور زمانہ کے مشہور عقلا میں تھا لہذا اُس کی خبر زبّار کو پہونچی۔ اُس نے اُسے اپنے پاس بلایا۔ اور کیفیت پوچھی۔ اُس نے کہا" جب بادشاہ جذیمہ یہاں آئے ہیں

میں اُن کے ہمراہ رکاب تھا۔ واپس گیا تو عمرو بن عدی نے مجھ پر یہ تہمت لگائی کہ میں ہی نے اُنھیں فریب دے کے آپ کے پاس پہونچا دیا۔ اور اُس کی سزا میں میری یہ گت بنائی گئی ہے۔" زبّا نے اُس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اور کہا "تم اس کا غم نہ کرو۔ تمھاری قدردانی کے لیے میں موجود ہوں۔" یہ کہہ کے اُس نے اُسے اپنا ندیم خاص بنا لیا۔ اب قُصَیر ملکہ زبّا کے ہمراہ رہتا تھا۔ اور تمام حالات و رموز سے واقف ہوتا جاتا تھا۔

ایک دن زبّا نے کاہنوں سے اپنے انجام اور اپنی آیندہ حالت کے متعلق سوال کیا تو اُنھوں نے کہا "ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن عدی کی وجہ سے آپ کی جان جائے گی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ آپ اپنی جان خود اپنے ہاتھ سے لیں گی۔" نجومی کے اِس جواب کے سُننے کے بعد اُس کے دل میں عمرو بن عدی کی جانب سے ایک ہول سی سما گئی تھی۔ چنانچہ اسی اندیشہ سے اُس نے شہر سے قلعہ کے اندر تک ایک سُرنگ کھُدوائی۔ اور اُس کا دروازہ بالکل پوشیدہ رکھا تاکہ اگر کوئی ناگہانی افتاد پڑ جائے اور وہ شہر میں ہو تو فوراً اُس سُرنگ کی راہ سے اپنے قلعہ میں چلی جائے۔ اِس کے علاوہ مصوّروں کو بُلا کے حکم دیا کہ تم لوگ جا کے عمرو بن عدی کی مختلف وضعوں کی تصویریں لیٹے۔ بیٹھے۔ کھڑے۔ سب حالتوں میں کھینچ لاؤ۔ اُس وقت کی بھی جب وہ معمولی کپڑے پہنے ہو۔ اور اُس وقت کی بھی جب وہ ہتھیار لگائے ہوئے اُونچی بنا کھڑا ہو۔ لیکن تمھاری اِن کارروائیوں کی اُسے مطلق خبر نہ ہونے پائے۔ اُس کو وہم و گمان بھی نہ ہو کہ اُسکی تصویریں کسی کے پاس ہیں۔ اِن تصویروں سے اُس کی صرف اتنی غرض تھی کہ عمرو بن عدی کو خوب اچھی طرح پہچان لے۔

قُصَیر ان سب رموز سے واقف ہو چکا تو ایک دن ملکہ زبّا سے کہا "میرے مکان میں میرا بہت سامال و اسباب پڑا ہوا ہے۔ اگر اجازت ہو تو جا کے لے آؤں۔ اور اُسکے علاوہ اور بھی بہت سامال تجارت لاؤں گا۔ جسے آپ نہایت پسند فرمائیں گی۔" زبّا نے اُسے اجازت

دی اور وہ اُس سے رخصت ہو کے سیدھا حیرہ میں آیا۔ عمرو بن عدی سے ملا۔ اور اُسکی مدد سے
ایک بڑا بھاری تاجرانہ قافلہ مرتب کر کے واپس گیا جس کے نہایت قیمتی نایاب اور پُرتکلف چیزیں تھیں
یہ قافلہ جب زبّا کے شہر میں داخل ہوا تو ملکہ نے خود استقبال کیا۔ قُصیّر سے بڑے تپاک سے ملی۔ اور
اُس کا مال تجارت دیکھ کے بے انتہا خوش ہوئی۔ چند روز بعد قصیّر نے دوبارہ مال تجارت لانے کا شوق
ظاہر کیا اور اب کی ملکہ نے پہلے سے زیادہ روپیہ دے کے رخصت کیا۔ وہ پھر آ کے حیرہ سے پیشتر سے
زیادہ بھاری اور قیمتی سامان تجارت لے گیا جو خاص بادشاہوں کے قابل تھا۔ اب کی بھی اُس
کے قافلہ کو زبّا نے ذوق و شوق سے لیا۔ سب مال خرید لیا۔ اور قُصیّر کی زیربار احسان ہوئی۔"

اب تیسری بار پھر قُصیّر نے اجازت سفر مانگی۔ اور ملکہ کے دربار سے اُسے بڑی سیر چشمی کے
ساتھ اجازت اور مدد دی گئی۔ لیکن اب کی مرتبہ وہ جو قافلہ لے کے پہونچا وہ نہایت ہی پُرتکلف
اور شاندار تھا۔ ہزاروں اونٹ تھے۔ جس پر بڑے بڑے کجاوے رکھے ہوئے تھے۔ اس
قافلہ کی شان کو زبّا نے اپنے شہر کے محل سے دیکھا اور قصیّر سے کہا "آپ کی تم نہایت ہی شاندار
اونٹ اور بڑی دہوم دھام کا قافلہ لائے ہو" اس نے عرض کیا "اب کی مال بھی لاجواب ہے
جو خاص حضور کے لیے لایا ہوں"، قافلہ تزک و احتشام سے شہر کے اندر داخل ہو کے خاص
اُس مقام پر پہونچا جہاں قلعہ کی سُرنگ کا دروازہ تھا۔ وہاں پونچتے ہی تمام شترسوار اُونٹوں سے
کود کودکے اور ہزاروں بہادر نبرد آزما اُن صندوقوں سے جو اُونٹوں پر لدے ہوئے تھے نکل نکل کے
شہر پر حملہ آور ہوئے اور ایک آناً فاناً میں شہر کی سڑکوں پر تلوار چلنے لگی۔ لوگ بدحواس بھاگے
اور ملکہ گھبرا کے چلی کہ سرنگ میں گھُس کے قلعہ کے اندر ہو رہے۔ مگر سرنگ کے دروازہ پر پہونچی
تو ایک خوش رُو اور بہادر نوجوان کو دیکھا۔ جس کی صورت دیکھتے ہی ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے
بدحواسی کے عالم میں اُس کی زبان سے نکلا "عمرو بن عدی!" اور ساتھ ہی انگوٹھی سے ہیرے کا
نگینہ دانتوں سے چھُڑا کے اور کچُل کے کھا گئی۔ اور بڑے استقلال سے بولی "بیدی لا بید عمرو"
(عمرو کے ہاتھ سے نہیں بلکہ خود اپنے ہاتھ سے) ہیرا کھاتے ہی ادہر اُس نے موت کے جھونکے لینا

شروع کیے اور اُدھر عمرو بن عدی نے بڑھ کے اُسے اپنی تلوار سے مار ڈالا۔
یہ ایک عربیہ ملکہ تھی جس نے کیا دی سے اپنے دشمن کی جان لی۔ اپنے مرحوم باپ کا بدلہ لیا۔ اور جس میدان میں اُس نے اپنے دشمن کو پامال کیا تھا۔ اُسی میں خود بھی ماری گئی مگر اول سے آخر تک اُس کے خوبصورت چہرہ میں بے عصمتی کا دھبہ نہیں لگا اور آخر میں اُس نے جان بھی دی تو نہایت ہی شریفانہ اور بہادرانہ وضع سے۔ زبار کے بعد اُسکی سلطنت کا مالک عمرو بن عدی ہوا جس کے قبضہ میں ایک بڑی بھاری قلمرو آگئی۔ اور آخر میں وہ عرب کا بڑا نامور اور بہادر فرماں روا ثابت ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک سو بیس برس کی عمر کا ہو کے مرا۔ جس میں سے ۹۵ برس ملوک طوائف کے عہد میں اور باقی ایام بانی دولت ساسانیہ یعنی ساسان اول اردشیر بابکان اور اُس کے بیٹے شاپور بن اردشیر کے عہد میں گذرے۔

ملکۂ زنوبیہ

اگرچہ موجودہ زمانہ میں یورپ کو اپنی عورتوں کی لیاقت و دانائی پر بہت کچھ فخر اور ناز کرنے کا موقع حاصل ہے لیکن قدیم زمانہ میں جس طرح ایشیا اور عموماً ممالک مشرق کو تمام حیثیتوں سے یورپ پر ترجیح حاصل تھی اسی طرح ایشیا کی عورتیں بھی انسانی کمالات کے اعتبار سے یکتائے زمانہ تھیں۔ اور یورپ کی عورتوں پر بدرجہا زیادہ فوقیت رکھتی تھیں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم بعض گزشتہ خاتونان ایشیا کے دلچسپ کارنامے اپنی مُلکی خاتون کے گوش گزار کریں۔ تاکہ اُنھیں معلوم ہو کہ جو لیاقت اور شائستگی ہم اُن میں

پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ اُن کے لیے نئی چیز نہیں بلکہ اُن کا قدیمی ورثہ ہے جس کے حاصل کرنے کی وہ یورپین لیڈیوں سے زیادہ مستحق ہیں۔

اس موقع پر ہم ملکۂ زنوبیہ کے حیرت خیز حالات پیش کرتے ہیں جنکو دیکھ کے شاید وہ حضرات چونک اُٹھیں گے جنھوں نے عورتوں کو لازمی طور پر بے عقل خیال کر رکھا ہے۔ ملکۂ زنوبیہ ہجرت نبوی سے ساڑھے تین سو برس پہلے شام کے شہر تدمر کی ایک نامور ملکہ گزری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کے رگ وپے میں عربیت کی شان سمائی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ اول تو عرب اور شام ایک ہی قوم سے آباد ہے اور ثانیاً اس کا وطن شہر تدمر اُس مشہور ریگزار کے درمیان میں واقع ہے جو گویا سرزمین شام میں عرب کا ایک خطہ ہے۔ تدمر جناب سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب ہے مگر مورخین کے بیان کے مطابق شاید دبدبۂ نبوت سے اس شہر کو وہ دُنیاوی وقعت اور شان نہیں حاصل ہوئی ہوگی جو اس نامور اور لائق ملکہ کے عہد میں حاصل ہوگئی۔ تدمر کا دوسرا نام "پامیرا" ہے جو یونانیوں اور رومیوں کی زبان پر زیادہ چڑھا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ زنوبیہ کو پامیرا کی ملکہ کہتے ہیں۔

عرب کے بیٹر ریگزاروں میں جا بجا چند مزروعہ اور شاداب مقامات ہیں جو بالو کے ناپیداکنار سمندروں میں خوش سواد جزیروں کی طرح نمایاں ہیں۔ انھیں مقامات سے ایک مذکورہ شہر پامیرا بھی ہے "پام" لاطینی میں کھجور کے درخت کو کہتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رومیوں نے اس شہر کو یہ نام بھی اسی لیے دیا کہ کھجوروں کے جھنڈ اس شہر کو اپنے جھرمٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ یہاں کی ہوا صاف ہے اور زمین کو چند شیریں اور پاکیزہ چشمے سیراب کر رہے ہیں۔ جن کی وجہ سے میوہ جات اور غلہ کی بھی وہاں پیداوار ہوتی ہے ایک ایسا مقام جس کو قدرت نے اس ریگستان میں ایسے بے نظیر موقع دے رکھے تھے اور اس پر لطف یہ کہ بحیرۂ فارس اور بحیرۂ روم

دونوں سمندروں سے برابر فاصلہ پر اور درمیان میں واقع تھا کیونکہ غیر آباد پڑا رہ سکتا تھا۔ اُن لدے پھندے قافلوں کو جو ہندوستان کا قیمتی مال یورپ کی دور دراز قوموں میں پہونچایا کرتے تھے قدیم ہی زمانہ میں اس کا پتہ لگ گیا۔ جن کی آمدورفت سے تدمر یعنی وہی شہر پامیرا زخود بخود بے ارادہ ترقی کرنے لگا۔ اور آخر کار بڑھتے بڑھتے پامیرا ایک دولتمند اور آزاد شہر ہوگیا۔ پامیرا کو اپنی آزادی قائم رکھنے کے لیے یہ سب سے عمدہ موقع ملا کہ پارتھیا کی اور روم کی دونوں عظیم الشان سلطنتوں کی سرحد پر تھا۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ دونوں مملکتوں کے تمدنی معاملات اور تعلقات تجارت سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ اپنی خودمختاری کے پھریرے بھی اُڑائے جاتا تھا۔

مشہور جنگ ٹریجن کے بعد یہ شہر دولت روم کی قلمرو میں داخل ہوگیا۔ اور ڈیڑھ سو برس تک اُس باہیبت سلطنت کی ماتحتی میں ایک نوآبادی کی معزز حیثیت سے سر جھکائے رہا۔ جو چند آثار اور کتابے فی الحال یہاں نظر آرہے ہیں جو غالبًا اسی عہد کی یادگار ہیں۔ یہ یونانی طرز کے بنے ہوئے معبدوں۔ محلوں دروازوں کے باقیماندہ آثار جن کے کھنڈر کئی میل تک پھیلے ہوئے ہیں آج بھی اتنی قدر و عزت کے مستحق ہیں کہ ہمارے سیاح جا کے ان پر ایک عبرت کی نگاہ ڈالیں۔ اُدی ناطوس اور زنوبیہ کی ترقیوں نے اس ملک اور خاصۃً پامیرا کو اور زیادہ رونق دیدی اور ایسا بنادیا کہ وہ خود شہر روما کا حریف مقابل بن گیا۔

زنوبیہ اگرچہ شام و عرب کی ملکہ تھی مگر اپنے آپ کو مقدونی الاصل شاہان مصر کی نسل سے بتاتی تھی۔ حُسن و جمال میں مصر کی قدیم نامور ملکہ کلوپیٹرا کی حریف مقابل اور عفت و شجاعت میں اُس سے بدرجہا زیادہ تھی۔ زنوبیہ کی خوبصورتی کا شہرہ تھا۔ اس کی رنگت گندم گوں تھی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں اور غیر معمولی بجلیاں گراتی تھیں۔ دانت موتیوں کے سے خوشنما اور آبدار تھے

اس کی آواز اور لہجہ میں معشوقانہ نغمہ خیزی کے ساتھ مردانہ بلندی۔ متانت اور بہادری پائی جاتی تھی۔ ان دیگر کمالات کے ساتھ اُس کے حرکات و سکنات میں ایک ایسی دلفریبی اور شیرینی تھی کہ وہ بہت جلد ہر شخص کو اپنے قابو میں لاسکتی تھی۔ صرف یہی باتیں نہ تھیں بلکہ اُس میں مردانہ بہادری اور شجاعت کے جوہر بھی موجود تھے۔ اور ایسی فہم و ادراک کی عورت تھی کہ مشکل سے مشکل اور دشوار سے دشوار مسائل کو نہایت آسانی سے حل کرلیتی تھی۔ ان باتوں کو تعلیم و تربیت نے اور جلا دے دی تھی۔ یونانی۔ شامی۔ اور مصری زبانوں میں اُسے ایسا کمال حاصل تھا کہ ان زبانوں میں اعلےٰ سے اعلےٰ قسم کی عبارت لکھ سکتی تھی۔ اور بہت شائستگی سے گفتگو کرلیتی تھی۔ اس کے علاوہ لاطینی زبان سے بھی وہ نا آشنا نہ تھی۔ لائق و فائق حکیم لانجی نوس کی زیر تعلیم و تربیت رہکے اس نے یہ لیاقت پیدا کرلی تھی کہ افلاطون کے کلام کی خوبیوں کو بآسانی سمجھ جاتی تھی۔ اور یونان کے مشہور شاعر ہومر کی نازک خیالیوں پر بے تکلفی کے ساتھ داد دے سکتی تھی۔ علم و فضل نے اُس میں یہاں تک کمالات پیدا کردے تھے کہ اُسے تاریخ میں پورا ملکہ حاصل تھا۔ اور خاص اپنے استعمال اور اپنا دستور العمل بنانے کے لیے اُس نے خود ہی مشرقی تاریخوں کا ایک اقتباس کرلیا تھا۔ جس کے واقعات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی۔

ان کمالات علمی کے حاصل ہوجانے کے بعد اُس کی شادی ناطوس نام ایک شخص سے ہوئی جو خود اپنی ذات سے اُس زمانہ کا ایک خود رو ہیرو تھا۔ یہ نامور شخص گمنامی کے پردے سے نکل کے ایک مشرقی بادشاہ بن گیا تھا۔ اس شخص نے غلیانوس قیصر روم کے عہد میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھا کے بلاد مشرق کی بادشاہی حاصل کرلی تھی۔ علی الخصوص جب اُس نے شاپور شہنشاہ ایران کو شکست دیدی تو دولت روم نے اُس کی اور زیادہ قدر و منزلت کی۔ اور اپنی مشرقی سرحد پر اطمینان حاصل کرنے کے لیے قیصر نے اُسے بالکل اپنا سا بادشاہ تصور کرکے اغسطس کا خطاب دیدیا۔ لیکن اُدی ناطوس کو یہ شاہی حقوق

دربار قیصر سے صرف اُس کی ذات کے لیے دیے گئے تھے۔ اور نسلاً بعد نسل فرمانروائے
مشرق نہیں مانا گیا تھا۔ غرضکہ اسی خوش نصیب بہادر اُدی ناطوس کی بیوی بن کے
زنوبیہ کو اپنی ذات میں ایک بہادر سپاہی کی سی شجاعت اور نبرد آزمائی کے جوہر دکھانے کا
موقع ملا۔ اب وہ ایک حکیم اور عالم کی خاموش زندگی چھوڑ کے ایک شیر افگن اور تیغ زن
سپہ سالار بنی۔ اُدی ناطوس کا قاعدہ تھا کہ جب میدان جنگ سے فرصت ملتی تو فوراً شکار
میں مشغول ہو جاتا۔ اور نہایت ہی شجاعت اور بہادری سے وحشی درندوں پر حملہ کیا کرتا۔
وہ جنگل میں جا کے شیروں سے لڑتا تھا۔ اور ریچھوں سے مقابلہ کرتا تھا۔ ایسے شکار کے
موقعوں پر زنوبیہ اُس کے ساتھ رہتی۔ اور چند ہی روز میں اُس نے دکھا دیا کہ اُن خطرناک
مشغلوں میں اُس کا ذوق اُدی ناطوس کے ذوق سے ذرا بھی کم نہ تھا۔

جب زنوبیہ میں اس طریقے سے نبرد آزمائی کا ذوق پیدا ہو گیا تو اُس نے ورزش
اور جسم کے تھکانے کی عادت ڈالی۔ بند گاڑی اور محمل میں بیٹھنے کو نفرت سے چھوڑ دیا
اور فوجی لباس اور جنگی ڈریس سے آراستہ ہو کے گھوڑے پر سوار ہونے لگی۔ اس زمانہ
میں وہ فوجوں کی افسری کرتی تھی۔ اور بارہا ایک جنگی سردار کی حیثیت سے فوجوں کو
کئی میل تک کوچ کرائے گئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اُدی ناطوس کو جنگ کے میدانوں
میں جو کامیابیاں حاصل ہوئیں زیادہ تر اسی زنوبیہ کی بے مثل شجاعت اور اُس کی دانائی
وہوشیاری کی وجہ سے تھیں۔ ان دونوں میاں بی بیوں نے دو دفعہ ایک عظیم الشان
بادشاہ کا شہر ٹیسی فون تک تعاقب کر کے جو کامیابی اور فتوحات حاصل کیں اُن سے
دونوں کو بڑی شہرت اور ناموری حاصل ہو گئی اور اِن کی متحد و زبردست سلطنت
کی ہر طرف دھاک بیٹھ گئی۔

زنوبیہ کے شوہر کا آخری کارنامہ یہ ہے کہ قوم قوطیعنے گاتھک لٹیروں پر جو
سرزمین ایشیا میں اُن دنوں تاخت و تاراج کر رہے تھے اُس نے اپنی بی بی کو ساتھ

لے کے ایک سخت حملہ کیا اور بڑی شکست دی۔ اور نہایت فتحمندی اور کامیابی کے ساتھ واپس آ کے شہر حمص میں فروکش ہوا۔ اُدی ناطوس کسی لڑائی میں مغلوب نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر یہاں حمص میں ایک خفیف باہمی رنجش نے اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اِس واقعہ کی بنا یہ تھی کہ کسی شکار کے موقع پر اُس کے بھتیجے میونیوس نے ارادہ کیا تھا کہ شکار پر چچا سے پہلے خود اپنا برچھا مارے۔ اگرچہ یہ گستاخی ایک مرتبہ صرف تنبیہ پر ٹالی گئی مگر جب میونیوس نے دوبارہ ایسی ہی حرکت کی تو بادشاہ اُدی ناطوس نے نادم ہو کے اپنا گھوڑا شکار گاہ سے ہٹا لیا تھا اور بھتیجے کی گستاخی کو نیز بہ حیثیت بادشاہ اور نیز بحیثیت ایک اعلے شکاری ہونے کے اپنی توہین خیال کیا تھا اور اس گستاخی کی سزا میں سرکش نوجوان کو چند روز کے لیے قید کا حکم دیدیا گیا تھا۔ یہ زمانہ گزر گیا بھتیجے کو اپنا قصور تو یاد نہیں رہا۔ مگر یہ سزا یاد رہی۔ اور انتقام کا درپے ہوا چنانچہ اب جو اُدی ناطوس حمص میں آ کے اقامت گزین ہوا تو میونیوس نے ایک دعوت میں بُلا کے اپنے چند دوستوں کی مدد سے اُدی ناطوس کو کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اُدی ناطوس کا بیٹا ہیروڈ جو زنوبیہ کے بطن سے نہ تھا اگرچہ ایک نازک مزاج اور نازک بدن لڑکا تھا مگر اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ اس قتل سے اتنا تو ضرور ہوا کہ میونیوس کو انتقام لینے میں کامیابی ہو گئی۔ اور اپنی مذکورۂ بالا سزا پائی کا بدلہ مل گیا۔ مگر شاہی نہ نصیب ہوئی۔ جس کی درحقیقت اُسے آرزو تھی۔ اور جسکے شوق میں غریب ہیروڈ بھی باپ کی لاش کے پاس ہی کاٹ کے ڈال دیا گیا تھا۔ میونیوس نے اغسطوس یعنے آگسٹس کا لقب اختیار کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ زنوبیہ اپنے شوہر کے مارے جانے کا حال سُن کے ایک تیز چنگال شاہین کی طرح آ پہونچی۔ اور ایک ہی حملہ میں اُس نے میونیوس کو اپنے شوہر کی یادگار پر قربانی چڑھا دیا۔

یوں میونیوس کو قتل کر کے زنوبیہ نے اپنے دیانتدار اور وفاکیش مشیروں کی

زائے اور اعانت سے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ تاج شاہی سر پر رکھ کے ملکہ مشرق بنی اور
مردانہ جرأت و شجاعت اور نہایت ہی صائب الرائی کے ساتھ پامیرا شام اور تمام قلمرو
پر حکمرانی کرنے لگی۔ اڈی ناطوس کے مرتے ہی وہ روم کا عطیہ کیا ہوا حق شاہی تمام ہو گیا
مگر زنوبیہ نے اس کی کچھ پروا بھی نہ کی۔ بلکہ ایک رومی سپہ سالار کو جو اُس کے مقابلے
کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ سخت شکست دی۔ اور اُس کی ناموری میں یہ دھبہ لگا کے
کہ ایک عورت سے پسپا ہو گیا خجالت اور ندامت کے ساتھ روم کی طرف واپس روانہ کیا
اب زنوبیہ کی حکومت کو اور استقلال حاصل ہو گیا۔ اور اُس نے ایسی عقلمندی اور
دانائی سے حکومت کی کہ رعایا میں اور خصوص اُس عہد کی جنگ جو قوموں میں بجائے
اس کے کہ زنوبیہ کے عورت ذات ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی بدگمانی پیدا ہو عام طور پر
اور زیادہ وفاداری اور اطاعت کیشی کا جوش پیدا ہو گیا۔ زنوبیہ نے اس زمانہ میں اپنے
آپ کو ایک بڑی مقننہ بھی ثابت کیا۔ اور ایسے عمدہ قوانین بنائے کہ اُس کی حکومت روز
بروز باضابطہ اور مضبوط ہوتی گئی۔ زنوبیہ کی اخلاقی بہادری یا نفسانی جہاد کا نہایت ہی
حیرت ناک ثبوت مورخین کے اُن بیانات سے ملتا ہے جو اُس کے مزاج کے متعلق کیے
گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر معافی کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے جذبات نفسانی کو دبا دیتی
اور جب رحم کی ضرورت ہوتی تو محض اس خیال سے کہ کہیں زبان سے کوئی رحم کا کلمہ نہ نکل جائے
وہ اپنے مُنہ پر خاموشی کی مُہر لگا لیتی تھی۔ زنوبیہ کو بعض لوگ الزام دیتے ہیں کہ وہ بخیل تھی
اور نہایت ہوشیاری سے کفایت شعاری کرتی تھی۔ مگر یہ کیونکر تسلیم کیا جائے اس لیے کہ
خاص اور ضروری موقعوں پر وہ نہایت ہی عالی ہمت اور فیاض ثابت ہوئی ہے۔ عرب
ارمن اور فارس کی سلطنتیں جو اُس کی حدود پر واقع تھیں اُس کی بہادری سے ایسی
خائف تھیں کہ ہمیشہ اُس سے صلح قائم رکھنے کی آرزومند رہتی تھیں۔

یہ زمانہ اوریلین قیصر روم کا تھا جسے عربی مورخین اوریانوس کہتے ہیں۔ اور یلین

کو چونکہ جرمن کی جنگ جُو اور وحشی قوموں کی حملہ آوریوں کی طرف زیادہ مصروف رہنا پڑا۔ اور دوسری طرف گاتھک وحشیوں نے اُسے چھیڑنا شروع کیا۔ اس وجہ سے اُس نے اپنے مشرقی مقبوضات کی طرف سے بالکل توجہ اُٹھالی۔ اور مصر والوں میں یہ خیالات پیدا ہوئے کہ قیصر روم کی اطاعت کا جُوا گردن سے اُتار کے پھینک دیں۔ اور اور وہی آزادی پھر حاصل کریں جو قدیم فراعنہ کے عہد میں اُن کو حاصل تھی۔ زنوبیہ کو یہ بہت اچھا موقع ملا۔ اُس نے مصر والوں کو روپیہ پیسہ کا لالچ دلا کے اس امر کی کوشش شروع کی کہ مصر بھی اُسکی سلطنت میں شامل ہو جائے۔ اور جب اس طرح کی رشوتوں سے کوئی کام نہ نکلا تو اُس نے جھٹ اپنی فوج لے کے مصر پر حملہ کر دیا اور چند ہی لڑائیوں میں اُس نے مصر کی رومی فوجوں کو ایسی متواتر شکستیں دیں کہ اسکندریہ کا تخت شاہی اُس کے قبضہ میں آ گیا۔ اور مصر بھی اُس بلند حوصلہ ملکہ کی قلمرو میں داخل ہو گیا۔ مگر اس فتح کے چند روز بعد مصر میں کچھ بغاوتیں ہوئیں جنکی وجہ سے سام اور پالمیرا میں جا کے زنوبیہ نے پھر فوجیں جمع کیں اور ایک زبردست لشکر لے کے مصر پر دوبارہ حملہ کیا۔ اور نہایت کامیابی سے فراعنہ کی سرزمین پہ حکومت کرنے لگی

زنوبیہ کی یہ کارروائیاں دربار روم میں نہایت مشتبہ خیال کی گئیں۔ اور نظر آنے لگا کہ وہ دراصل اپنی حوصلہ مندی اور بلند پروازی سے شاہنشاہی روم کی بھی کچھ پروا نہیں کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ زنوبیہ کے ارادوں پہ بہت کچھ اشتباہ کیا جا سکتا تھا۔ یہ اسے بیجا تھی کہ وہ ایک آزاد اور دولت روم کے مقابلہ میں رقیبانہ سلطنت قائم کرنا چاہتی ہے۔ اُس نے اپنے دربار میں رومی فرماں رواؤں کی تمام شان و شوکت اور قیاصرہ کی کل وضعیں اختیار کر لی تھیں اور پھر اس پر یہ ترقی کی تھی کہ ان مغربی علامات شاہی کے ساتھ اُس نے اپنے وہاں ایشیائی اور خاصۃً ایرانی دربار کی دھوم دھام بھی پیدا کر لی تھی۔ اپنی رعایا سے زنوبیہ اسی عزت و ادب کی خواستگار ہوتی تھی جیسی عزت کہ دربار ایران میں وارثان تاج کیخسروی کی کی جاتی تھی۔ اپنے تینوں بیٹوں کو اُس نے زبان لاطینی میں تعلیم دلائی۔

اور بارہا فوج کے سامنے اُنکو دربار روم کے ارغوانی لباس میں نمودار کیا۔ مگر تاج شاہی اپنے ہی خوبصورت سر کے لیے مخصوص رکھا تھا۔ اور اس کے ساتھ سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر تھا کہ زنوبیہ نے اپنا لقب قیصرۂ مشرق اختیار کر لیا تھا۔

الغرض ان تمام اُمور پر لحاظ کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اوریلین قیصر اپنی فوج کے ساتھ شہر روما سے مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِن دونوں دولت قیاصرہ کا رعب داب مغربی ممالک ایشیا پر اتنا نہ تھا کہ زنوبیہ اُسے اپنی چند روزکی حکومت میں مٹا سکتی اور اپنے اس فطرتی عیب کو کیا کرتی کہ عورت ذات تھی۔ جس کی اطاعت کرنا ہمیشہ مردوں کے خیال میں باعث ذلت سمجھا گیا ہے شاہنشاہ اوریلین نے ایشیا کی سرزمین میں قدم ہی رکھا تھا کہ لوگ زنوبیہ کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے قیصر کے دامن میں چھپنے لگے۔ صوبۂ تبنیہ جسے زنوبیہ کے آبدار اسلحہ اور اس کی اعلے حکمت عملیوں اور اندرونی ریشہ دوانیوں نے بالکل زیر و زبر کر دیا تھا قیصر کے پہونچتے ہی فوراً زنوبیہ کو چھوڑ کے تخت روم کا مطیع ہو گیا۔ اوریلین نے اپنے نبرد آزما اور جنگ جو سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھ کے انقرہ والوں کی درخواست اطاعت قبول کی (غالباً یہ موجودہ انگورہ سے مراد ہے جس کے تاریخی میدان میں تیمور اور بایزید یلدرم کے ایسے نامور شاہنشاہوں میں عرصۂ دار و گیر گرم ہوا تھا) یہاں سے آگے بڑھ کے ایک بہادر باشندۂ تیانا نے زنوبیہ کے حقوق کا لحاظ کر کے جمع کر کے مقابلہ کیا لیکن قیصر کی فتحمند فوج نے ایک خفیف مقابلہ ہی کے بعد تیانا پر قبضہ کر لیا۔ جب اور آگے کوچ کر کے اوریلین قیصر انطاکیہ کے قریب پہونچا تو وہاں کے باشندے رومی سپاہیوں کے خوف سے شہر چھوڑ چھوڑ کے بھاگ گئے۔ لیکن قیصر نے یہ بڑی حکمت عملی کی کہ ایک نہایت ہی رحمدلی کا فرمان جاری کر دیا۔ کہ جو لوگ مجبوراً یا ضرورت زمانہ سے زنوبیہ کے مطیع ہو گئے تھے اُنکا قصور معاف کیا گیا۔ اور اُن کو جان و مال کی امان دی جاتی ہے۔ قیصر کی اس رحمدلی کا چرچا ہوتے ہی سب لوگوں کو

اطمینان ہو گیا۔ اس نرم اور دلجُو پالیسی کا اثر انطاکیہ میں تو اتنا ہی ہوا کہ جو لوگ بھاگ گئے تھے پھر آ کے آباد ہو گئے مگر دیگر مقامات اور تمام بلادِ شام میں اس کا نہایت اچھا اثر ہوا کل اہل شام قیصر کی طرف مائل ہو گئے۔ اور سارے ملک نے یکبارگی زنوبیہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔

تاہم زنوبیہ کی جرأت و بہادری میں فرق نہیں آیا۔ وہ دیکھتی تھی کہ دُنیا اُسکو چھوڑ کے قیصر کے ساتھ ہوئی جاتی ہے مگر دل نہیں ہارتی تھی۔ ہم بھی اُسے کاہلی و سُستی کا بلکہ نامردی اور بزدلی کا الزام دیتے اگر قیصر کو اُس کے دارالسلطنت تک پہونچنے میں سو ہی میل کا فاصلہ رہ جاتا اور اُس کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوتی۔ نہیں اُس نے اپنے عمدہ تدبیروں سے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اور گو بڑے بڑے اور پُرانے دوست چھوڑے دیتے تھے مگر اس نے دارالسلطنت کے باہر ہی دو میدانوں میں اورلین سے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ایک لڑائی تو انطاکیہ کے قریب ہوئی اور دوسری شہر حمص کے جوار میں۔ ان دونوں میدانوں میں خود ملکہ زنوبیہ اپنی فوجوں کو لڑاتی تھی اور نبرد آزما سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتی تھی۔ اس کی مشہور فوج زبدہ نے جس نے مصر کے فتوحات میں خاص ناموری حاصل کی تھی۔ اس موقع پر بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں کیے۔ اس فوج کو زنوبیہ خود ہی میدان جنگ میں لڑنے اور حملہ کرنے کے متعلق احکام دیتی تھی۔ مگر افسوس کہ زنوبیہ کی قسمت برسرِ زوال تھی۔ جس طرح دونوں میدانوں میں لڑائی کا ایک ہی رنگ رہا اُسی طرح نتیجہ بھی ایک ہی ہوا۔

زنوبیہ کی فوج میں زیادہ تر دو گروہ تھے۔ ایک گروہ تو تیر اندازوں کا تھا اور دوسرا ایک بڑا بھاری لشکر سواروں کا تھا۔ یہ دونوں فوجیں سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھیں۔ اس کے مقابل اورلین کی فوج میں حبشی اور الیریا کے سوار تھے قیصر نے ان لوگوں کو اس کے مقابل اورلین کی تمام فوج پر ترجیح دی تھی۔ یہ سوار معمولاً بلندی دریائے ڈینوب پر خیمہ زن رہا کرتے تھے اور الپانیہ (یعنی جرمنی) کے میدان

نبرد میں ان کی شجاعت و سپہ گری کا امتحان ہو چکا تھا۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ زنوبیہ کے سواروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے اور اسی وجہ سے دونوں میدانوں میں اُنہوں نے سپہ گری اور بہادری سے کام نہیں لیا بلکہ فریب اور چالاکی سے زنوبیہ کی زبدہ کو زک دی۔ یہ لوگ خواہ حقیقتاً یا بناوٹ سے تھوڑی ہی دیر کے مقابلے کے بعد شکست کھا کے بھاگے۔ اور پامیرا کے بہادر جب ایک محبّت آمیز تعاقب سے واپس آکے لُوٹ مار میں مشغول ہوئے اور سب کے سب منتشر ہو گئے تو اُنھوں نے دوبارہ نہایت تیزی کے ساتھ حملہ کر کے حریفوں کو بالکل پسپا کر دیا۔ الغرض اس طرح کی دو پُر فریب لڑائیوں نے زنوبیہ اور پامیرا کی قسمت پلٹ دی۔ کیا اب بھی یہ دعوے کیا جا سکتا ہے کہ عورتیں مردوں سے زیادہ مکار اور پُر فن ہیں؟

حمص کی شکست کے بعد ملک شام اس قدر مخالف ہو چکا تھا کہ زنوبیہ سے مقابلہ کے لیے کوئی تیسری فوج نہیں فراہم ہو سکی۔ اب نامی اُدی ناطوس کی جانبازبیوہ کے لیے خود شہر پامیرا یعنے تدمُر بھی ایک پناہ کی جگہ تھا۔ حمص سے بھاگ کے وہ پامیرا میں ہو رہی۔ اور وہاں پہونچ کے اُس نے ہم وطنوں کو لڑائی پر اس قدر اُبھارا کہ سب لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اوریلیں کو اگرچہ ریگستانی منزلیں قطع کر کے تدمُر تک پہونچنا دشوار تھا۔ مگر یہ بھی یقین تھا کہ اگر زنوبیہ کو یں وہاں اطمینان سے چھوڑ کے چلا گیا تو میرے جاتے ہی وہ پھر تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کرے گی۔ آخر اُس سے سوا اس کے کہ خود بھی اپنی فوج کو پامیرا کی طرف بڑھائے اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی مگر چونکہ ایسے خطرناک راستوں میں زیادہ فوجوں کا لے جانا دشوار تھا۔ لہذا اس نے اپنی فوج کے دو حصے کر دیے۔ ایک حصہ کو بسرداری پروبوس جو اُس کی فوج کا سب سے زیادہ بہادر اور نامور افسر تھا مصر کی طرف روانہ کیا تاکہ اُسے زنوبیہ کے قبضے سے نکال کے پھر دولت روم کی قلمرو میں شامل کرے۔ اور دوسرے حصے کو اپنے ہمراہ لے کے پامیرا کی طرف روانہ ہوا

زنوبیہ کو جب اِس کی خبر ہوئی تو اُس نے لڑنے اور محصور ہو کے مقابلہ کرنے کے لیے خوب اچھی طرح سامان شروع کر دیا۔ اُس نے مزاحمت کی پوری تیاریاں کیں جیسا کہ ایک بہادر اور جانباز بادشاہ کا شیوہ ہونا چاہیئے۔ اُس نے دل میں ٹھان لی بلکہ اپنی فوج پر بھی ظاہر کر دیا کہ "جس گھڑی میری سلطنت کا خاتمہ ہوگا۔ اُسی گھڑی میری زندگی کا بھی خاتمہ ہوگا" حمص اور پامیرا کے درمیان میں جو ناپیدا کنار ریگزار واقع ہے اس میں اوریلین قیصر نے جیسے ہی قدم رکھا عربی بدؤں کے گروہوں نے چاروں طرف سے اُسے ستانا اور چھیڑنا شروع کر دیا اور بار بار لوٹ مار کرنے لگے۔ ان بدؤں کے نرغے میں اُس سے اپنی کمسریٹ اور فوج کی بالکل نگہداشت نہ ہو سکی اور ساعت بساعت وہ زیادہ پریشان ہونے لگا۔ یہ ریگستانی جری اور چالاک لٹیرے جو وحشی درندوں کی طرح چاروں طرف مارے مارے پھرتے تھے اور سمندر کی موجوں کی طرح دشت میں اِدہر اُدھر سے آ کے تھپیڑے دیتے تھے۔ کسی طرح اُسکی فوج کے سُست رو اور باضابطہ سپاہیوں کے ہاتھ نہ آتے تھے۔ جب چاہتے تھے لوٹ مار کے چل دیتے تھے۔ اور اُن پر کوئی قابو نہیں چلتا تھا۔ ہمیشہ یہ بدوی اوریلین اور اُس کے سپاہیوں کی غفلت کا موقع ڈہونڈھتے۔ اور جب تعاقب کیا جاتا تو فوراً بالو کے ٹیلوں میں غائب ہو جاتے مگر اوریلین کچہ ایسا دہن کا پکا تھا کہ اُن میں سے کوئی چیز اُسکی مزاحم نہ ہوئی۔ آخر تمام مشکلوں کو آسان کرتا اور مصیبتوں کو جھیلتا ہوا پامیر کی دیواروں کے نیچے جا پہونچا۔

پامیرا کا محاصرہ ایک نہایت ہی دشوار اور اہم معاملہ تھا۔ قیصر نے اگرچہ اولوالعزمی کے ساتھ ہر امر میں پوری مستعدی دکھائی مگر زنوبیہ کی شجاعت اور ہوشیاری سے اُسے ایک مدت تک عرب کے ریگزاروں میں پڑا رہنا پڑا۔ شاہنشاہ نے خود اپنی فوجوں کو لے کے بارہا حملے کیے اور بڑی بہادری اور نہایت ہی جوش و خروش سے

اپنے سپاہیوں کو شہر کی طرف بڑھایا۔ لیکن کامیابی نہیں حاصل ہوئی۔ زنوبیہ نے ایسا
بندوبست نہیں کیا تھا کہ اس کے موجود ہوتے ہوئے رومی شہر کے کسی پھاٹک کے
قریب بھی پہونچ سکتے۔ ان لڑائیوں میں ایک بار زنوبیہ کے سپاہیوں کا ایک نیزہ
خود شہنشاہ اوریلین پر پڑگیا اور قیصر کو چند روز تک اُس زخم کی تکلیف برداشت
کرنی پڑی۔ ان تکلیفوں اور مصیبتوں نے اس قدر پریشان کیا تھا کہ خود قیصر اپنے
ایک خط میں لکھتا ہے "جو لڑائی ایک عورت ذات کے مقابلے میں مجھے در پیش ہے
اس کو اہل روم ایک حقارت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اُن کو اس کی خبر نہیں کہ
زنوبیہ کیسی عورت ہے۔ اور اُس کی قوت کس درجہ کی ہے۔ پتھر۔ تیر اور جلتے
قسم کے حربوں سے دور سے حملہ کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح اور تمام جنگی سامان
زنوبیہ نے اس کثرت سے فراہم کر لیا ہے کہ اُس کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے
شہر پناہ پر ہر طرف جا بجا برج بنے ہوئے ہیں اور زنوبیہ کی منجنیقوں اور کلوں سے
برابر آگ برسائی جاتی ہے۔ چونکہ اب اس ملکہ کو اپنی جان کا اندیشہ ہو گیا ہے لہذا
اس خوف سے اب وہ اور زیادہ جری و بہادر ہو گئی ہے۔ اور ہر وقت جانبازی
پر تیار رہتی ہے۔ تاہم روم کے محافظ دیوتا جنھوں نے ہر موقع پر میری مدد کی
مجھے امید ہے کہ اس مرتبہ بھی میری مدد کریں گے"

لیکن اوریلین نے یہ جھوٹ کہا اِس لیے کہ اُسے دیوتاؤں کی اعانت میں
شک پڑ گیا تھا اور زنوبیہ کی مسلسل نبرد آزمائیوں نے اس قدر مایوس کر دیا تھا
کہ اُسنے بلا درخواست اپنی طرف سے اطاعت کے ایسے شرائط پیش کر دیے
جو چنداں دشوار نہ تھے۔ اور اگر زنوبیہ اپنی جان کو عزت پر ذرا بھی ترجیح دیتی ہوتی
تو کوئی شک نہیں کہ اُن شرائط کو فوراً تسلیم کر لیتی۔ اِس سے درخواست کی گئی تھی
کہ جس قدر مال دولت چاہیے لے کے چلی جائے اور شہر کو خالی کر کے رومیوں کے سپرد کر دے

اس کے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ اہل شہر کو جملہ حقوق دیدیے جائیں جو پہلے سے حاصل ہیں مگر زنوبیہ نے ان شرائط سے نفرت کے ساتھ انکار کیا صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ جواب میں اُلٹے قیصر کی توہین کی۔ اور اپنی طرف سے لڑائی پر پوری مستعدی دکھائی۔

زنوبیہ کا یہ استقلال صرف اس خیال سے تھا کہ اُسے بہت جلد ملک میں قحط پڑ جانے کی اُمید تھی۔ اور سمجھتی تھی کہ اُس قحط کی وجہ سے رومی فوجوں کو خود ہی بے سروسامانی کے ساتھ بھاگنا پڑے گا۔ علاوہ بریں اسے یہ بھی اُمید تھی کہ ممالک مشرق کے فرمانروا ضرور اُس کی کمک پر آمادہ ہو جائیں گے۔ خاصۃً زیادہ تر اُسکا خیال فارس کی طرف جاتا تھا۔ اس لیے کہ ملکی وضع اور تعلقات حدود کے لحاظ سے اور نیز رومیوں کے حملوں کے کمزور کرنے کے لیے ساسانی شاہنشاہوں کا فرض تھا کہ زنوبیہ کی مدد کریں۔ لیکن ملکۂ پامیرا کی بدقسمتی سے انھیں دنوں تاجدار ایران یعنے شاپور کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اس کی لاش دخمہ کے سپرد کی گئی تھی وزراے ایران اس شاہی موت سے اس قدر پریشان ہو رہے تھے کہ اپنے ہی غم میں مبتلا رہے اور اُن کو غریب زنوبیہ کی حالت کی طرف توجہ کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ دوسرے فرمانرواؤں نے زنوبیہ کی کمک کے لیے کچھ فوجیں روانہ بھی کیں تو ان میں سے بعض کو اوریلین نے اپنی فوجوں کی قوت سے رُوکا اور بعض کو کچھ رشوت دیکے اور مال و دولت صرف کرکے واپس کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ آخر تک زنوبیہ کو تن تنہا ہی مقابلہ کرنا پڑا

قحط جس کی اُمید پر زنوبیہ پامیرا کی حفاظت کر رہی تھی اس کے اثر سے شاہنشاہ روم نے اپنے آپ کو یوں بچایا کہ رسد لانے کا نہایت عمدہ سامان کر لیا۔ تمام اطراف شام سے نہایت باضابطگی کے ساتھ رومی لشکرگاہ میں برابر سامان رسد پہونچتا رہتا تھا اور ایک دن کے لیے بھی رومی فوجوں کو کھانے کی تکلیف نہیں برداشت کرنی پڑی۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا سب سے زیادہ غضب یہ ہوا

کہ نامی گرامی پروٹوس مصر پر قبضہ کرکے فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا شام میں آگیا۔ اور چند ہی روز میں اپنی آزمودہ کار فوجوں کے ساتھ آکے قیصر سے مل گیا۔ اور پامیرا کے گرد اُتر پڑا۔

اب زنوبیہ کو کامیابی کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ اور سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں بن پڑی کہ پامیرا کو اس کی قسمت کے حوالے کرکے۔ کسی طرف نکل جائے۔ وہ اپنی سب سے زیادہ تیز رفتار سانڈنی پر سوار ہوکے اس ہوشیاری کے ساتھ شہر سے نکلی کہ رومیوں کو خبر بھی نہ ہوئی اور وہ تقریباً ساٹھ میل کی مسافت طے کرکے دریائے فرات کے کنارے پر جا پہونچی۔ مگر اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد اوریلین کو خبر ہوگئی۔ اور اُس کے تعاقب میں لوگ دوڑائے گئے۔ جنھوں نے بہت کچھ مسافت طے کرکے بدنصیب ملکہ کو گرفتار کیا۔ اور فوراً قیصر کے سامنے لاکے کھڑا کر دیا۔

دارالسلطنت پامیرا فوراً مطیع ہوگیا۔ مگر اہل پامیرا کے ساتھ نہایت رحم دلی کا برتاؤ کیا گیا۔ سونا چاندی۔ ریشمی کپڑے اور بیش قیمت جواہرات کا ایک بہت بڑا خزانہ شاہنشاہ کے ہاتھ لگا۔ اور اس مال و دولت اور خزانے کے ساتھ بہت سے اسلحہ۔ گھوڑے۔ اور اُونٹ بھی رومیوں کو ملے۔ اور یلین نے صرف چھ سو تیرانداز حفاظت کے لیے پامیرا میں چھوڑ دیے اور فوراً کوچ کرکے شہر حمص کی راہ لی۔ حمص میں پہونچ کے قیصر روم نے پامیرا کے قیدیوں کو اپنے سامنے بُلوایا۔ اور اُنکی نسبت آخری فیصلہ کرنے لگا۔ جس وقت بدنصیب شامی ملکہ سامنے حاضر کی گئی تو قیصر نے نہایت ہی کڑوے تیوروں سے اور ڈپٹ کے پوچھا تجکو شاہنشاہان روم کے سامنے ہتھیار اُٹھانیکی کیونکر جرأت ہوئی؟" اس کے جواب میں زنوبیہ نے نہایت ہی متانت اور دانائی کے ساتھ ایک ایسا جُملہ کہا جس سے اُس نے اپنی عزت کو بھی قائم رکھا۔ اور اپنے استقلال کا بھی ثبوت دیا اور قیصر کی بھی بے انتہا تعریف کر دی۔ اُس نے کہا "اس لیے کہ میں شاہنشاہان روم کو

اور یولوشٔ اور گالی نوس کے مثل سمجھے ہوئے تھی۔ صرف آپ ہی کو اپنا فاتح اور شہنشاہ تسلیم کرتی ہوں۔ لیکن اس کے خلاف جب تمام رومی سپاہیوں نے غل مچایا اور ہر شخص خواستگار ہوا کہ اُذی ناطوس کی بیوی کو قتل ہونا چاہیے۔ تب زنوبیہ سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھی۔ اور اُس کے پاے استقلال کو لغزش ہوگئی۔ اس خوف کے عالم میں اُس نے صاف صاف قبول دیا کہ میں نے فلاں فلاں لوگونکی راے سے مقابلہ کی جرأت کی اور لڑائی کے تمام معاملوں میں بھی لوگ میرے مشیر تھے۔ یہ امر زنوبیہ کے دلی ضعف پر محمول کیا گیا۔ خصوصًا اس لیے کہ مشیروں میں اُس نے اپنے لائق وفائق اُستاد اور نامی حکیم لانجی نوس کا بھی نام بتادیا تھا جس نے قیصر کے حکم سے اپنی نامہربان ملکہ کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھ کے نہایت ہی تحمل کے ساتھ جان دی۔ قیصر نے اُنھیں لوگونکے قتل پر کفایت کی اور زنوبیہ کو زندہ ہی گرفتار رکھا۔

اگرچہ عام مورخین نے اس واقعہ کو زنوبیہ کی پست ہمتی پر محمول کیا ہے مگر ہم صرف اس ایک واقعہ سے اُس کے تمام زندگی کے کارناموں کو مٹا نہیں سکتے۔ زنوبیہ کا طرز اول سے آخر تک بتا رہا ہے کہ اُس میں سازش۔ چال بازی اور انٹریگ کا مادہ نتھا وہ ہمیشہ علم وادب کی دُنیا میں ایک عالمہ اور لڑائی کے میدانوں میں ایک جری اور جانباز سپاہی تھی۔ یہ دونوں وصف اُسے جھوٹ بولنے سے روکتے تھے اور نہ کسی موقع پر اُس سے جھُوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے۔ اسکی کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس سے دھمکا کے اس کے مشیروں کے نام پوچھے جاتے۔ اور وہ سچ سچ نہ بتا دیتی اُس کی طبیعت کو ایسے موقعوں پر جھوٹ بول دینے کا سبق کبھی نہیں دیا گیا تھا۔ قطع نظر اس کے وہ اوریلین کو ایک نہایت ہی رحمدل

لہ اور یولوس اور گالی نوس اوریلین سے پہلے دو قیصر گزر چکے تھے جو نہ چنداں لائق تھے اور نہ اُن میں اولوالعزمی تھی زنوبیہ کا مطلب یہ تھا کہ میں قیاصرہ روم کو آپ کا سا لائق نہیں جانتی تھی بلکہ اُنکو گزشتہ قیصروں کا سا پست ہمت اور نالائق تصور کرتی تھی۔

بادشاہ سمجھے ہوئے تھی۔ اس لیے کہ اس مہم میں اول سے آخر تک اُس نے ہر موقع پر نرم دلی کے ثبوت دیے تھے۔ ابتداً اُس نے اُن اہل شام کی خطا معاف کردی تھی جو اُس کی اطاعت چھوڑ کے ملکہ پامیرا کے مطیع ہوگئے تھے۔ پھر جب خود پامیرا کو فتح کیا تو وہاں کی رعایا کو بھی اُن کے پورے حقوق عطا کیے اور سب کو معاف کردیا۔ اور اب اس وقت بھی گو فوج اصرار کر رہی تھی مگر خود قیصر کے الفاظ یہی بتا رہے تھے کہ وہ زنوبیہ کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ ان تمام باتوں سے زنوبیہ بآسانی قیاس کرسکتی تھی کہ قیصر اُس کے مشیروں اور لانجی نوس کی بھی جان بخشی کردے گا۔ اُسے اِس کی کیا خبر تھی کہ اُس کے مشیروں اور لانجی نوس کی قسمت ہی برسر خلاف تھی۔ اور وہی رحمدل فرمانروا جو ہر موقع پر مجرموں کے جُرموں سے درگزر کرتا رہا ہے۔ اُن کے حق میں ایک سخت ظالم ہوجائیگا۔ بہرحال ہمیں اس امر میں زنوبیہ کی کوئی ایسی خطا نہیں نظر آتی کہ ہم اُس کی تمام خوبیوں کو بھُلا دیں۔

اوریلین ابھی حمص میں تھا کہ پامیرا والوں نے پھر بغاوت کردی۔ اور اُن چھ سَو تیراندازوں کو جو تخت روم کی طرف سے مامور تھے پکڑ کے قتل کر ڈالا۔ قیصر اس خبر کے سُنتے ہی نہایت ہی غیض و غضب کے ساتھ پھر پامیرا پر حملہ آور ہوا اور ایسی عام خونریزی کی کہ بوڑھے۔ بچے۔ مرد عورت اور کاشتکار تک قتل کر ڈالے وہاں کی تمام عمارات بھی کھدوا ڈالیں۔ اس طرح پامیرا کی اینٹ سے اینٹ بجوا دینے کے بعد قیصر نے آفتاب کا مندر دوبارہ تعمیر کرایا۔ اور چند اہل پامیرا کو وہاں پھر مکان بنانے اور آباد ہونے کی اجازت دی مگر افسوس تباہ کرنا بہت آسان ہے اور آباد کرنا نہایت دشوار ہے۔ وہ شہر جو تجارت۔ صنعت اور فنون کا مرکز اور زنوبیہ کی لیاقتوں اور بہادریوں کی ایک یادگار تھا۔ رفتہ رفتہ چند ہی روز میں ایک گمنام شہر اور ایک فضول اور بیکار قلعہ رہگیا اور پھر جو دیکھا تو ایک تباہی زدہ گاؤں تھا۔ موجودہ پامیرا یا تدمر صرف تیس چالیس خاندانوں کی آبادی ہے

عبارت ہے جو قدیم عالیشان مندر کے صحن میں مٹی کے جھونپڑے بنا کے رہتے ہیں۔
ارض مشرق کے رحم و غضب کے یہ مختلف اور متضاد نمونے دکھا کے اوریلین
قیصر اپنے دارالسلطنت شہر روم کو واپس گیا تو اُس کے آنے پر بڑی خوشی کی گئی۔ اور
نہایت ہی دھوم دھام سے اُس کی کارگزاریوں پر جوش مسرت دکھایا گیا۔ ابتدائی
آبادی روم سے اس وقت تک نہ تو رومیوں میں کوئی جنرل اور سپہ سالار ایسی شان و
شوکت کا مستحق خیال کیا گیا تھا اور نہ کبھی اس سے پہلے کوئی ایسا دھوم دھام کا جلسہ
وہاں دیکھا گیا تھا۔ جو جلوس اوریلین کی شان دکھانے کے لیے دارالسلطنت روم
یعنے قدیم رومۃ الکبریٰ میں نکالا گیا۔ وہ اس ترتیب سے تھا کہ سب کے آگے تیس ہاتھی
چار شاہی چیتے اور دو سو سے زیادہ عجیب الخلقت جانور تھے جو اطراف عالم سے لا کے
جمع کئے گئے تھے۔ ان جانوروں کے پیچھے سولہ سو تیغ زن تھے جو وہاں کے ایمفی تھیٹر
میں ظالمانہ دلچسپیاں اور وحشیانہ مسرتیں دکھاتے تھے۔ اس جلوس کے بعد ایشیا
کی دولت بہت سے مفتوح ممالک کے اسلحہ۔ اور شامی ملکہ زنوبیہ کے زرہ بکتر تھے جو
روم کا اقبال اور اُسکی سلطنت دکھانے کی غرض سے عام مجمع کے سامنے پیش کیے گئے
تھے۔ اس کے بعد اوریلین کی فتوحات کا ثبوت معزز خاتونوں کے ایک بڑے غول سے
دیا گیا تھا۔ جو گاتھ۔ ونڈال۔ سرکاطی۔ المانی (جرمنی)، فرینک (فرنچ) گال۔ شام۔ اور
مصر کے معزز لوگوں کی بی بیاں یا لڑکیاں تھیں اور اُن اقوام و ممالک کے مغلوب ہونے پر
گرفتار کر کے یہاں لائی گئی تھیں اور اس جلوس میں امیرزادیوں کی وضع سے نکالی گئی تھیں
ان عورتوں میں ہر ہر قوم و ملک کا غول الگ تھا۔ اور ہر غول کے ساتھ ایک جھنڈا تھا
جن پر اُس غول کے وطن اور قوم کا حال لکھا تھا قوم گاتھ کی دس بہادر اور نبرد آزما خاتونیں
آمیزن بنا کے نکالی گئی تھیں۔ اس لیے کہ رومیوں سے میدان جنگ میں بڑی مردانگی سے
لڑی تھیں۔ لیکن سب کی آنکھیں شامی ملکہ کی صورت کو ڈھونڈھ رہی تھیں۔ جس کی

بہادری کو روم کے بچے بچے نے حیرت سے سُنا تھا اور ہر شخص اُس کی صورت دیکھنے کا مُشتاق تھا۔ اس تمام جلوس کے آخر میں زنوبیہ کی حسرت ناک تصویر تھی۔ یہ خوبصورت اور دلربا تصویر اس وضع میں تھی کہ پاؤں میں سونے کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور گلے میں سونے کی زنجیر تھی جسے ایک غلام ہاتھ میں سے کھینچتا ہوا آگے آگے جاتا تھا اُس کے جسم پر اس قدر کثرت سے زیور اور جواہرات لدے ہوئے تھے کہ اُن کے بوجھ سے وہ گری پڑتی تھی۔ اور تھکن کی وجہ سے بہت آہستہ آہستہ قدم اُٹھا اُٹھا کے چلتی تھی۔ اُس کا آراستہ اور باشان وشوکت رتھ جس میں بیٹھ کے وہ کبھی شہر روم میں فتحمندی کے ساتھ داخل ہونے کا دم داعیہ رکھتی تھی اُس کے پیچھے تھا۔ اور اُس کے آگے آگے وہ پاپیادہ چلی جاتی تھی۔ یہ سب سامان عام پبلک کے سامنے پیش کیے گیے۔ اور حبشہ۔ عرب۔ فارس۔ باختر۔ ہندوستان۔ چین۔ اور ممالک دور ودراز کے سفیروں نے روم کی اقبال مندی کا یہ تماشا ہیبت اور حسد کی نگاہوں سے دیکھا۔ الغرض یہ طفلانہ حرکتیں تھیں جو اوریلین قیصر کی واپسی پر رومۃ الکبریٰ میں کی گئیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ باوجود اِن حرکتوں کے دیکھنے کے یورپ آج بھی دربار ایران اور عموماً مشرقی درباروں کو فضول خودنمائی اور مغرورانہ دہوم دھام کا الزام دیتا ہے۔

قیصر نے روم میں پہونچ کے زنوبیہ کی قسمت کا یہ فیصلہ کیا کہ اُسکی جان بخشی ہوئی اور ٹیبو یا ٹیوُدلی کے قریب اُسے ایک خوش قطعہ مکان رہنے کو دیا گیا جہاں کی آب وہوا نہایت صاف اور لطیف تھی۔ اور جو روم سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔

زنوبیہ جو اس سے پہلے شام کی ایک پُرسطوت ملکہ تھی یہاں رہتے رہتے چند روز میں روم کی ایک معزز خاتون بن گئی۔ وہاں کے معزز خاندانوں ہی میں اُس کی لڑکیوں کا عقد ہوا۔ اور اُس کی نسل کو ایسا قیام ہوا کہ پندرھویں صدی عیسوی تک اٹالیہ میں اُس کے خاندان کا پتہ موجود تھا۔

ہلینا

(قسطنطین اعظم کی ماں)

اُس کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی مین ہے - کسی کو یہ بھی نہین معلوم کہ اُس کے ماں باپ کون تھے اور کس درجہ کے لوگ تھے - لیکن اس مین شک نہین کہ وہ نہایت ہی حسین و نازنین پری جمال و مہ طلعت تھی - اور ایسی حسینہ تھی کہ جس کی نظر پڑ جاتی فریفتہ ہو جاتا - ایشیائے کوچک کے شہر بتھنیہ مین جسے اہل عرب شہر "رہا" کہتے ہین ۲۴۷ء کے قریب پیدا ہوئی -

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قیاصرہ روم عیسائیون پر ظلم کرتے کرتے تھک گئے تھے اور نظر آتا تھا کہ اس نئے دین کی جس قدر روک کی جاتی ہے اُسی قدر بڑھتا جاتا ہے - اکثر غربا حضرت مسیح پر ایمان لاتے جاتے تھے - اور اندر ہی اندر اون کی تعداد بڑھتی جاتی تھی - اس کے ساتھ مسیحیون مین جوش بھی سچا تھا اور بلا کا تھا - جن کے مقابل تمام پُرانے بت پرستان روم کا جوش پھیکا پڑ گیا تھا - وہی روز جو مسیحیون کی تعداد بڑھا رہی تھی اُس نے اس حسین لڑکی کو بھی مسیحیت کا شیدا بنا دیا - اور بتھنیہ کے اُسقف کے پاس جاکے اُس کے ہاتھ پر ایمان لائی - اور مذہبی کتابون کی تعلیم پاکے ایک تعلیم یافتہ لڑکی بن گئی -

قسطنطین کلوروس جو قیصر و قلطیانوس کا معتمد علیہ افسر تھا حملہ آوری کے سلسلہ مین ادھر آیا - اتفاقاً اُس کی نظر ہلینا پر پڑ گئی - اور دیکھتے ہی سو جان سے عاشق ہو گیا فاتح کو ایک مفتوح شہر کی لڑکی پر وہ چاہے کیسی ہی حسینہ ہو دسترس پانا کون مشکل تھا اُسے ساتھ لے کے بزن ٹائن (موجودہ قسطنطنیہ) مین گیا - اور اپنی ناز آفرین محبوبہ بنا کے رکھنے لگا - ہلینا مسیحیہ ہو چکی تھی مگر اُس کے رومی نشراد شوہر کا مذہب وہی پُرانا شرک کا

مذہب بت پرستی تھا۔ وہان اُس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکی ولادت کے ساتھ
نجومیون نے دقلطیانوس قیصر سے کہا کہ "یہ لڑکا عنقریب سارے روم کا مالک ہو جائیگا
اور اہل روم کے مذہب کو بھی بدل دیگا" یہ سنتے ہی دقلطیانوس اُس کے خون کا پیاسا
ہوگیا۔ باپ سے سوا اِس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ بی بی کو مع بچہ کے اُس کے میکے مین بھیج دیا
ہلینا اگرچہ اپنے مذہب پر مستقل تھی مگر اِن کی جرأت آسے مشکل سے ہو سکتی تھی کہ بیٹے
کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم دے۔ مگر بچہ کو باپ سے جدا اور مان کے وطن مین رہنے
سے اور کچھ نہین تو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اُس کے دل مین اگر مسیحیت نہین تو مسیحیون
کی ایک گونہ محبت ضرور پیدا ہوگئی۔ چند روز بعد جب دقلطیانوس قیصر مر گیا تو اقبالمند
بیٹا باپ کے پاس جا کے رہا۔

قسطنطین کلورس نے ہیلانہ کو یا تو اُس کی مسیحیت کی وجہ سے یا اور کسی بنا پر طلاق
دیدی اور مقسمیانوس ہرقل کی بیٹی سے عقد کر لیا۔ جس سے ہیلانہ مصیبت اور
تنہائی مین پڑ گئی۔ مگر اپنے بچہ کی امید پر مصیبت کے ایام صبر و سکون سے کاٹتی رہی
اب یہ لڑکا رومی رواج کے مطابق اپنے باپ کے نام قسطنطین کا وارث ہوا۔ اور اپنے
کارنامون اور اپنی بے نظیر کامیابیون اور اقبالمندیون کی بدولت قسطنطین اعظم کے لقب
سے مشہور ہوا۔ اُس کا باپ آخر زمانہ مین مغربی قلمرو روم کا حاکم تھا۔ اور اُس کے مرنے
پر وہی اُس کی حکومت کا جانشین ہوا۔

ان دنون روم مین ایک ہی زمانہ مین دو شہنشاہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ مغربی قلمرو
روم کا حاکم قسطنطین تھا۔ جو علاقہ گالیا (فرانس و جرمنی) مین رہتا۔ اور دوسرا فرمانروا
مقسطیوس تھا جو خاص رومۃ الکبریٰ مین تھا۔ دونون مین رقابت و عداوت بڑھتی گئی
اور قسطنطین اپنے لشکر کو روز بروز زیادہ زبردست اور مضبوط بناتا رہا۔ لیکن جسطرح
خلافت عباسیہ مین امین اور مامون کے جھگڑون مین عرب اور بنی عباس امین کے طرفدار

تھے اور عجمی ماموں کو چاہتے تھے اور اُسے اپنا بھانجا کہتے تھے کیونکہ اُس کی ماں مراجل عجمیہ تھی اُسی طرح روم مین رومی بت پرست مقسنطیوس کے طرفدار تھے اور مسیحی لوگون کو قسطنطین سے زیادہ محبت تھی جسے وہ اپنا بھانجا بتاتے کیونکہ مسیحیہ عورت کا لڑکا تھا۔ قسطنطین نے دیکھا کہ جیسا سچا جوش اور جیسی مستعدی و جانبازی آج کل عیسائیون مین ہے بت پرستون مین نہین مسیحیون کی استمالت شروع کی۔ اور آسمان پر ایک نورانی صلیب دیکھ کے صلیبی جھنڈا بنایا جس کے آگے مسیحی دوڑ دوڑ کے سر جھکا دیتے تھے اس سے پیشتر مسیحیون نے صلیب کو اپنا دینی شعار نہین قرار دیا تھا۔ مگر قسطنطین کی روحانی آنکھون نے رومیون ہی کے مذاق کا ایک بت آسمان پر دیکھ کے عیسائیونکو دکھایا انھین دیکھتے ہی حضرت مسیح کی شہادت و مصلوبی یاد آگئی اور دوڑ دوڑ کے اُس کے آگے جوش و خروش سے سر جھکانے لگے۔ یہ ۳۱۲ء کا واقعہ ہے۔

آخر قسطنطین صلیبی علم اور جانباز مسیحیون کا زبردست لشکر لئے ہوئے رومتہ الکبریٰ پر چڑھ آیا۔ حریف کو شکست دے کے قتل کیا۔ اور لڑ بھڑ کے رومتہ الکبریٰ مین داخل ہوا مگر یہان کے لوگون نے جو اپنے قدیم مذہب کے دلدادہ تھے اس کا استقبال نہایت سرد مزاجی سے کیا۔ اور ان سے وہ گرمجوشی نہین ظاہر ہوئی جس کو قسطنطین چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کے اُسے رومتہ الکبریٰ سے نفرت ہو گئی۔ اور مشرق کا سفر کر کے پرانے شہر بزنطیم مین آیا۔ اور اُسے خوب آباد کرنا شروع کیا۔ جس کا نام اُس کی یادگار مین قسطنطنیہ قرار پایا۔

اب قسطنطین ساری مملکت روم کا شہنشاہ تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُسکی برابری کا دعویٰ کر سکے۔ اُس کی ماں جو باپ کے زمانہ سے نکالی ہوئی تھی قصر شہنشاہ مین آ کے ''والدہ سلطانہ'' بنی۔ جس کا قسطنطین نہایت ہی ادب و لحاظ کرتا تھا۔ اور قسطنطنیہ مین جو آجتک جو یہ طریقہ جاری ہے کہ شہنشاہ کی ماں اصلی مالک سلطنت

اور ملک بھر مین سب سے زیادہ واجب التعظیم تسلیم کیجاتی ہے غالباً یہ ہلینا ہی کے زمانہ کی سنت ہے اس مین شک نہیں کہ دین اسلام کے رو سے بھی مان کی ویسی ہی تعظیم ہونی چاہیئے جیسی کہ قسطنطنیہ مین کی جاتی ہے لیکن کسی اور اسلامی سلطنت و مملکت مین بادشاہ کی ماؤن کو ویسا امتیاز نہین حاصل ہوتا جیسا کہ وہان دیکھا جاتا ہے۔

اب تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد قسطنطین کو اپنا سب سے بڑا فرض یہ نظر آتا تھا کہ عیسائیون کے احسان کا معاوضہ کرے جن کی جان بازی سے اُسے سلطنت ملی تھی اس بارے مین اُسکی مشیر اُس کی مان ہلینا ہی تھی جو کھُلی مسیحیہ تھی۔

قسطنطین اعظم کی نسبت بعض لوگون نے لکھ دیا ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر اسکا کوئی ثبوت نہیں موجود ہے۔ بے شک اُس نے عیسائیون کی بیحد طرفداری کی بیت المقدس مین جگہ جگہ اُن کے لیئے کنیسہ اور عبادت خانہ تعمیر کرائے۔ سلطنت روم کے قوانین مین عیسائیون کے متعلق جو سختیان تھین دُور کر دین۔ اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ عیسائیون کی حالت اس وقت تک بالکل غیر منتظم تھی۔ اِن کے عقائد و مسائل مین باہم سخت اختلافات پڑ گئے تھے۔ قسطنطین نے نیقیہ مین عیسائیون کی سب سے پہلی دینی کونسل منعقد کی۔ جسمین تمام ملکون کے اسقف اور پوپ شریک ہوئے اور قرار دیا گیا کہ ایک سچے مسیحی کے کیا عقائد ہونے چاہئین اور تثلیث کا مسئلہ بھی کونسل نے طے کیا۔ اور جو اسقف موحد تھے اور تثلیث کے مخالف تھے ملحد و بے دین قرار دیئے گئے۔ اس کونسل مین قسطنطین خود بھی شریک ہوا۔ مگر اُسی طرح جیسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مین کبھی لفٹنٹ گورنر بہادر آجاتے ہین۔ باوجود عیسائیون کی ایسی طرفداری کے اُس نے رومیون سے اپنے تعلقات منقطع نہین کیئے تھے۔ سینٹ صوفیا جو آجکل مسجد ہے اور اس سے پہلے کنیسہ تھی اسی قسطنطین کی بنائی ہوئی ہے جسے اُس نے مسیحیون کے لیئے نہین بلکہ علم کی دیوی کے مندر کی حیثیت سے تعمیر کرایا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیون نے تو قسطنطین کا نام اپنے

سینٹون دولیون، کی فہرست مین درج کر لیا۔ اور بت پرستون نے اسی خوشی سے اپنا ایک دیوتا تسلیم کر لیا۔

بیت المقدس اور ارض فلسطین مین مسیحیون کے خوش کرنے کے لیئے اُس نے جو کچھہ کیا اپنی مان ہلینا کے ذریعہ سے کیا۔ وہ ایک عقیدت کیش زائرہ کی وضع سے ادب و تعظیم کے ساتھہ یہان آئی۔ جہان جہان حضرت مسیح کے تشریف لیجانے کا حال سُنا یا جن جن مقامات سے آپ کا کچہہ بھی تعلق ثابت ہوا وہان خود گئی۔ اور مناسب مقامات پر گرجے بنوائے۔ بیت اللحم مین آپکے مولد پر۔ کالوری کی پہاڑی پر یعنی آپکے مقتل پر۔ نیز اُس مقام پر جسے عیسائی آپ کا مدفن بتاتے تھے۔ بڑی بڑی عالیشان عمارتین بنوائین اور جس قدر ان نئی زیارت گاہون کی طرف اُس نے توجہ کی اُسی قدر اصلی حرم یعنی مسجد اقصیٰ کی جانب سے بے پروائی کی گئی۔ اس لیئے کہ ارض یہودا کے اصلی عیسائی جو اُسکی قدر کرتے تھے فلاکت زدہ تھے۔ اور رُومی و یونانی عیسائیون کو اُس سے سخت عداوت تھی۔ کیونکہ جیسی آزادی وہ چاہتے تھے وہ اُس وقت تک نصیب ہی نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ یہود کی پرانی شریعت اور قدیم چیزون کو کلیتہً ترک نہ کر دیا جاتا۔

ہلینا یہان بڑی خوش اعتقادی کے ساتھہ آئی تھی۔ صاحبزادہ نے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی۔ اب والدۂ محترمہ نے یہان پہونچکے خواب مین زمین کے نیچے وہ اصلی صلیب دیکھہ لی۔ جس پر حضرت مسیح مصلوب کئے گئے تھے۔ چنانچہ اُس کے اشارہ سے کالوری کی پہاڑی پر کھودا گیا تو زمین کے اندر سے تین صلیبین برآمد ہوئین حضرت مسیح کے ساتھہ دو ڈاکو بھی مصلوب کیئے گئے تھے۔ لہذا اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ یہ وہی تینون صلیبین ہین۔ مگر اس امر کا فیصلہ کرنا باقی تھا کہ ان مین سے کون صلیب حضرت عیسیٰ والی ہے۔ اور کون ڈاکوؤن والی ہین۔ آخر خوش اعتقادی نے اس کا بھی تصفیہ کرا دیا۔ ان تینون صلیبون مین سے ہر صلیب باری باری ایک مریض کے سرہانے رکھی گئی۔ اور جس صلیب

کی باری مین وہ مریض اچھا ہو گیا۔ سمجھ لیا گیا کہ وہ اصلی صلیب جس پر حضرت مسیح لٹکائے گئے
تھے یہی ہے۔ یورپ مین اس صلیب کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور اس کے لیئے بڑی بڑی خونریزیان
ہوتین۔ اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے بعض معزز زائرین کو دیئے جاتے جو یورپ
کے اکثر گرجون مین اصلی صلیب کے نام سے قائم کیئے جاتے۔ اور اُن کے سامنے لوگ جا جا
کے سجدہ کرتے۔ آخر یورپ مین اتنی صلیبین بن گئین کہ اگر وہ ایک جگہ جمع کی جاتین تو
پورے جنگل کی لکڑیون سے بھی اُن کی تعداد زیادہ ہوتی۔

الغرض یہ ہلینا ہی کے حُسن کا کرشمہ تھا جس نے قلمرو روم مین مسیحیون کو امن و آمان
دلوائی۔ اور چند روز بعد دولت روم کو مسیحی دولت بنا دیا۔ بیت المقدس مین صدہا عالیشان
گرجے تعمیر کرائے۔ اور آخر یورپ سے پُرانے دین کو بالکل مٹا دیا۔ وہ جیسا ہم بیان کر چکے ہین۔
سنہ ۲۴۸ء کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ سنہ ۲۷۴ء مین جبکہ اُس کی عمر ۲۷ برس کی تھی۔ اُس کے
بطن سے قسطنطین اعظم پیدا ہوا۔ سنہ ۳۱۲ء مین جبکہ اُس کی عمر ۶۵ سال کی تھی قسطنطین
تخت و تاج روم کا مالک ہوا۔ سنہ ۳۲۱ء مین جبکہ وہ ۷۴ برس کی تھی بیت المقدس کی
زیارت کو آئی۔ اور یہان کے گرجے بنوائے۔ اور سنہ ۳۲۷ء مین ۸۰ برس کی ہو کے دنیا
سے رُخصت ہو گئی۔

وہ عیسائیون کی ملکہ استیر تھی۔ جس طرح یہود کو ایک یہودیہ لڑکی کے ملکہ بن جانے سے
اسیری مین عروج حاصل ہو گیا تھا ویسے ہی ہلینا کے ملکہ بن جانے سے مسیحیت کے دن پھرے
دن ہی نہین پھرے بلکہ عقبیٰ بھی درست ہوئی۔ کیونکہ عیسائیون کے مذاق کی اصلی
مسیحیت وہی ہے جو نیقیہ کی کونسل مین اصلی مسیحیت اور ذریعۂ نجات قرار پائی اور ظاہر ہے
کہ اگر ہلینا نہ ہوتی تو وہ کونسل بھی نہ ہوتی۔ اور کونسل نہ ہوتی تو شاید عیسائیون کو اس کے
تسلیم کرنے مین عذر نہ ہوگا کہ سچا دین اور سچی صراط مستقیم فنا ہو گئی تھی۔ لیکن ہمین افسوس ہے کہ
مسیحی اسی کونسل اور اسی ملکہ کی وجہ سے سچی توحید کی برکتون سے محروم ہو گئے۔

ہند بنت نعمان

یہ عرب کی ایک صاحب جمال اور پاک نفس و پاک دل شاہزادی تھی جس کا عہد خاص طلوع نیر اسلام کے زمانہ مین تھا۔ اُس کے شباب کا زمانہ جاہلیت مین تھا اور اُس نے وفات اُس وقت پائی جبکہ اُس کے آبائی ملک پر صحابہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

عرب کا جو حصّہ عراق سے ملا ہوا ہے جس سرزمین پر بصرہ و کوفہ آباد کئے گئے۔ اور جس کے قرب مین اب کربلا اور نجف وغیرہ کی آبادیان ہین یہ ملک عہد جاہلیت مین عرب کی ایک متمدن سلطنت کے زیر فرمان تھا جو سلطنت ”حیرہ“ کہلاتی تھی۔ تاجداران حیرہ اگرچہ نوشیروان عجم کے ماتحت تھے مگر یہ ماتحتی صرف برائے نام تھی۔ اس لیے کہ ان کے نظم و نسق اور اُنکی آمدنی و محاصل سے دارائے عجم کو کوئی تعلق نہ تھا۔ یہان نعمان بن منذر کا خاندان حکمران تھا جس سے خسروان عجم سے پرانے تعلقات چلے آتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جو قوانین سلطنت عجم کے دستور العمل تھے وہ اگلے فرمان روایان حیرہ ہی کے مدوّن کیئے ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ کبھی سلطنت عجم کے وزیر اعظم ہوتے تھے کبھی شاہزادگان عجم کے اُستاد و اتالیق اور کبھی وہان کے نابالغ تاجدارون کے اتالیق اور نگہبان۔ الغرض یہان کے فرمانرواؤن نے سلطنت عجم سے خاص قسم کے تعلقات قائم کر لیئے تھے۔ جن کا بہت کچھ لحاظ کیا جاتا تھا۔ خاصتہً ان کے مورث اعلیٰ نعمان اول کا تو خسروان ایران بڑا ادب کرتے تھے۔ یہ سلاطین حیرہ قبیلہ بنی لخم میں سے تھے۔ اور بڑی شان و شوکت اور رعب تمکنت کے لوگ تھے۔ عرب کے تمام حضری و بدوی قبائل مین ان کی شان و شوکت کی دھوم تھی اور شعرائے عرب ان کی مدح مین بڑے بڑے پر زور قصیدے کہتے تھے۔

انھیں مین کا آخری فرمانروا النعمان بن منذر بن امرالقیس تھا جس کی بیٹی ہند بنت نعمان عرب کی وہ مشہور و معروف شاہزادی تھی جس کے حالات ہم اس موقع پر بیان کرنا چاہتے ہین۔ ہند اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتون مین شمار کی جاتی تھی۔ اُس کی مان عرب کے ایک دوسرے شاہی خاندان بنی کندہ کی شاہزادی "ماریہ" تھی جو مذہب مسیحی کی پابند تھی اور اسی وجہ سے ہند بنت نعمان کا مذہب بھی عیسوی تھا۔

مگر بجائے اسکے کہ ہند کا نکاح کسی شاہی خاندان مین ہو عرب کے عبادی قبیلہ کے مشہور شاعر عدی بن زید کے ساتھ ہوا جو اُس کے رخ زیبا کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس عشق کی بنیاد یون پڑی کہ ہند اپنی عمر کے گیارہوین برس جبکہ حیرہ کے تخت پر اُس کا دادا منذر حکمران تھا مسیحیون کی عید فسح (ایسٹر) کے موقع پر ایک کنیسہ کی زیارت کو گئی۔ بہت سی حسین و ہم عمر خواصین اور لونڈیان ہمراہ رکاب تھین۔ اور انھیں خواصون مین ماریہ نام ایک حسینہ بھی تھی۔ ہند ان سہیلیون کے ساتھ گرجے کے ہر حصہ مین جاتی اور بے تکلفی و بے باکی سے ہر چیز کو دیکھتی تھی۔

اتفاقاً عدی بن زید بھی جو کسرائے عجم کے دربار سے انھیں دنون ہدیہ اور انعام و اکرام کی چیزین لے کے منذر بن نعمان کے پاس آیا ہوا تھا اسی وقت اسی کنیسہ کی زیارت کو آیا۔ اور ہند کی بے تکلفیون اور ناز آفرینی کی حرکتون کو شوق و محویت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ عدی بھی ایک بہت ہی حسین و خوش رُو جوان رعنا تھا۔ چنانچہ اُس کے دل پر ہند کے حسن و جمال کا اتنا اثر نہین پڑا تھا جتنا کہ اُس کی زیبائی اور رعنائی کا اثر ہند کی سہیلی ماریہ کے دل پر پڑ گیا وہ بےاختیار عدی پر عاشق و فریفتہ ہو گئی۔ دیر تک یہی کیفیت رہی کہ ماریہ عدی کو شوق کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اور عدی ہند کی بھولے پن کی حرکتوں اور طفلانہ بے تکلفیون کو۔ ماریہ کا فرض تھا کہ ہند کو ہوشیار کر دیتی کہ دیکھو تمھین ایک غیر شخص شوق کی نگاہون دیکھ رہا ہے مگر وہ عدی کے باغ حسن سے آنکھون ہی آنکھون مین گلچینی کر رہی تھی۔ اُسے ہوش کہان تھا

کہ اپنی شاہزادی کو اس کی بے باکانہ حرکتون سے روکے۔ ناگہان خود ہند کی نظر عدی پر جا پڑی۔ اور اُسے ہمہ تن اپنی طرف مصروف دیکھ کے شرما گئی۔ پھر ساتھ والیون کو ڈانٹا کہ ایک اجنبی شخص کی نظرین مجھ پر پڑ رہی تھین اور تم سے اتنا نہ ہوا کہ مجھے ہوشیار کر دیتین۔ بلکہ جھنجھلا کے ایک آدھ خواص کو بھی مارا۔ ان اداؤن نے عدی پر اور زیادہ اثر کیا۔

اگرچہ اس پہلے دیدار نے عدی کے دل پر ہند کے حسن کا نقش ڈال دیا تھا لیکن ابھی اس نقش کو زیادہ استقلال نہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ چند روز بعد یہ خیال اُس کے دل سے مٹ جاتا۔ مگر ماریہ عدی کی محبت کا جو نقش اپنے دل پر لے کے آئی تھی وہ بہت گہرا تھا۔ وہ اس ہوس مین بیتاب تھی کہ اُس جوان رعنا سے ملنے کا پھر کوئی اچھا موقع ہاتھ آئے۔ اُس کا نام اور پتہ تو اُس نے لوگون سے دریافت کر لیا تھا۔ تعارف کے لیئے کوئی بہانہ ڈھونڈھ رہی تھی۔

اب اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا۔ اور شاہزادی ہند بالکل بھول گئی کہ فلان کنیسہ مین کوئی مجھے گھور رہا تھا۔ اُسے غافل پا کے ماریہ نے اُس کے سامنے ایک اور بڑے رومی کنیسہ کی تعریف کی۔ کہا "وہان بڑے بڑے عابد و مرتاض راہب خدائے پاک عابد و زاہد بندے اور بڑی بڑی خدا رس راہبہ عورتین رہا کرتی ہین۔ اسکی فلک رفعت عمارت کا مقابلہ نہ کوئی شاہی قصر کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایوان عالیشان حیرہ کی تمام عورتین خصوصاً کنواری لڑکیان اُس کی زیارت کو جاتی ہین۔ وہان بڑا بھاری میلہ لگا رہتا ہے۔ اور ہر وقت بڑے لطف کا مجمع ہوتا ہے" الغرض ایسا شوق دلایا کہ ہند اُس کنیسہ کی زیارت کی بیحد مشتاق ہو گئی۔ اور اپنی مان سے وہان جانے کی اجازت چاہی۔ ماریہ نے اُس کی مان کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ لاڈلی بیٹی کی زبان سے شوق زیارت سنتے ہی اُس نے اجازت دیدی۔ اور قرار پا گیا کہ فلان تاریخ شاہزادی شان و شوکت سے فلان گرجے کی زیارت کو جائے گی۔

یہان کا بندوبست کرنے کے بعد ماریہ عدی کے پاس دوڑی گئی اور کہا اگر آپ شاہزادی ہند کے جمال جہان آرا کی زیارت کرنا چاہتے ہین تو فلان تاریخ فلان کینسے مین آ ئیے۔ آپ کو اُس روز شوق کی نگاہ سے دیکھتے دیکھا تھا۔ مین نے ترس کھا کے بندوبست کر دیا کہ آپ پھر اوُنھین دیکھ لین۔ مگر اتنا خیال رہے کہ ذرا بن ٹھن کے امیرانہ ٹھاٹ سے آیئگا تاکہ اُس کے دل پر بھی کچھ اثر پڑے۔ عدیؔ نے احسانمندی کا اظہار کر کے وعدہ کیا اور پہلے دیدار کا مزہ اگر اُسے بھول بھی گیا تھا تو پھر یاد آ گیا۔ روز مقررہ پر اُس نے ایک زربفت کی بہت بھاری اعلیٰ درجہ کی شاہانہ قبا زیب بر کی جو ایران کے ایک شاہی خاندان کے معزز رکن رکین " فرخان شاہ مرد " سے خلعت کے طریقہ پر ملی تھی۔ نہایت ہی نفیس دردح افزا خوشبو لگائی۔ چند حسین وخوبرو اور بذلہ سنج وشوخ طبع نوجوانون کو مہذب مصاحبون کے طریقہ سے ساتھ لیا۔ اور ٹھیک وقت پر کنیسہ مین آ پہونچا۔

اتنے مین شاہزادی ہند بھی اپنی سہیلیون کے ساتھ آئی۔ اس وقت عدی کو اس وضع مین دیکھ کے ماریہ کے دل پر ایسا بے اختیار کر دینے والا اثر پڑا کہ اُس کی طرف اشارہ کر کے شاہزادی سے کہا " حضور دیکھئے وہ کیسا جوان رعنا ہے۔ یون تو یہان جتنی چیزین ہین سب ہی دلچسپ ہین۔ مگر دیکھنے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو یہ نوجوان ہے " ہند کی نظر جو اُس پر پڑی تو وہین کی ہو گئی۔ بیہوت رہ گئی۔ اور کسی اور طرف نظر ہٹانے کو جی چاہتا ہی نہ تھا۔ جہان کھڑی تھی وہین کھڑی رہ گئی۔ اور نظر عدی کے رخ زیبا پر جمی ہوئی تھی۔ جب شوق نے اور زیادہ بے قرار کیا تو ماریہ سے کہا " میرا جی چاہتا ہے کہ اس جوان کو پاس سے جا کے دیکھون۔ یہ مجھے پہچان تو نہ لے گا " ماریہ نے کہا " پاس جانے مین مضائقہ ہی کیا ہے۔ اور وہ کیا جانے کہ آپ کون ہین ؟ " اب ماریہ کے کہنے سے ہند عدی کے قریب گئی۔ اور اُس کے حرکات کو دیکھنے اور اُس کی باتون کو سُننے لگی۔ عدیؔ نے عمداً اُس کی طرف سے نظر ہٹا لی اور اپنے دوستون سے مذاق اور شوخ طبعی کی باتین کرنے لگا

ہند کی پرشوق آنکھوں کو نظر آیا کہ نہ اس سے زیادہ کوئی حسین و خوبرو ہے۔ نہ کسی کی وضع ولباس مین ایسا بانکپن ہے۔ نہ شوخ طبعی و خوش مزاجی مین کوئی اُس سے بڑھا ہوا ہے۔ اور نہ فصاحت و بلاغت مین کوئی اس کو جواب دے سکتا ہے۔ اُس کے سارے دل پر ان باتون کا ایسا اثر پڑا کہ ہوش جاتے رہے۔ اور آنکھین محو دیدار ہو گئین۔ اور شوق دل کی بے قراریان اُس کے بھولے چہرے سے نمایان ہونے لگین۔ ماریہ سمجھ گئی کہ اس کے دل پر پورا اثر پڑ گیا ہے۔ جھک کر کان مین کہا "آپ چاہین تو اس جوان پری تمثال سے باتین بھی کر سکتی ہین" ہند تو اس کی آرزومند تھی ہی عدی سے دو چار باتین بھی کین۔

الغرض اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ عدی اور ہند دونون گرجے سے واپس چلے تو بیتاب و بے قرار تھے۔ اور ماریہ کا عشق تو اعتدال سے گزر کے بے شرمی و بے حیائی کے درجہ کو پہونچ گیا تھا۔ عدی اس سے پہلے ماریہ کو منہ نہ لگاتا تھا۔ لیکن اب اُس کا بے حد گرویدہ احسان تھا۔ اور درد دل کا علاج سوا اُس کے اور کسی سے ممکن ہی نہ نظر آتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کا دوست ہی نہین بن گیا بلکہ اُس کے آنے اور اُس سے دو باتین کر لینے کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتا تھا۔ گرجے کی ملاقات کے دوسرے دن وہ اُس کے پاس گئی۔ تو ہاتھون ہاتھ لیا اور اس کا مزاج پوچھا۔ ماریہ نے کہا "آپ سے میری ایک تمنا ہے" عدی نے کہا "تمہاری جو تمنا و آرزو ہو گی اُسے سر آنکھون سے بجا لاؤنگا۔ تمہارے منہ سے نکلے تو سہی" ماریہ آنکھون پر بیحیائی کی ٹھیکری رکھ کے بولی "مین تمہارے شوق مین بیتاب ہون۔ اور آتش فراق مین جل کے خاک ہوئی جاتی ہون۔ اگر اتنا احسان کرو کہ مجھے اپنی خلوت مین جگہ دو تو وعدہ کرتی ہون۔ کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دونگی۔ اور جس طرح بنیگا تمھیں ہند سے ملا دون گی" کوئی اور چارہ کار نہ دیکھ کے عدی نے اقرار کر لیا۔ اور جب یہ شرط پوری ہو گئی تو ماریہ کو اپنا

اقرار پورا کرنے کی فکر ہوئی۔

عدی سے رخصت ہو کے ماریہ حیرہ کے ایوان شہریاری مین آئی تو دیکھا کہ ہند نہایت ہی بے قرار ہے۔ اور اس درجہ بیتاب ہے کہ کسی حال مین قرار نہین آتا۔ ماریہ کی صورت دیکھتے ہی حسرت کے ساتھ بولی "اب سینہ مین آگ تم نے لگائی ہے تو تمھین اس کو بجھاؤ بھی۔ اگر تم نے کوئی تدبیر نہ کی تو مین تڑپ تڑپ کر مر جاؤن گی"۔ ماریہ بولی "ہان ہان مین جہان تک بنے گا آپ کی آرزو پوری کرونگی۔ آپکے محل کے پچھواڑے فلان مکان ہے۔ مین اُسی مین عدی کو لاکے بٹھا دون گی۔ اور آپ کا جب تک جی چاہیگا کوٹھے پر کھڑی ہو کے اُس سے باتین کر لیجیگا"۔ ہند نے شکر گزاری کے ساتھ پوچھا "تو کب؟"، بولی "اب جاتی ہون اس کا بندوبست کرون گی"۔

دوسرے ہی دن اُس نے عدی کو اسی وضع و لباس مین لا کے اُس مکان مین بٹھایا۔ اور محل مین آ کے ہند کے کان مین کہا "لے جا کے اپنے عاشق سے مل آیئے وہ آپ کا منتظر ہے"۔ ہند فوراً کوٹھے پر دوڑی گئی۔ دونون نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دیر تک اشارون ہی مین اپنا ذوق و شوق ظاہر کرتے رہے۔ اس ملاقات نے آتش عشق کو اور تیز کر دیا۔ اور ہند کی یہ حالت ہو گئی کہ ماریہ سے کہا "اب اگر تم مجھے عدی کے پاس نہ پہنچا دو گی تو دو ہی تین دن مین مر جاؤن گی"۔

ماریہ نے اب عدی کے پاس جا کے ہند کی یہ بیتابی ظاہر کی۔ اور کہا "اگر آپ اُس سے شادی نہ کرلین گے تو وہ تڑپ کے مر جائے گی۔ اور آپ پر اوسکا خون ہوگا"۔ عدی بولا "بھلا میرے لیئے اس سے بڑھ کے خوش نصیبی کی بات ہو سکتی ہے؟ لیکن بھلا میری مجال ہے کہ بادشاہ نعمان کو اس کی شاہزادی کے لیئے اپنا پیام دون؟"۔ ماریہ نے کہا "اس نسبت کو منظور کرانا میرا کام ہے۔ تم پیام تو دو۔ اور جس طرح مین بتاتی ہون اُس طرح پیام دو"۔

عدی: "تم جس طرح کہو گی پیام دون گا۔ مگر ڈرتا ہون کہ وہ بگڑ نہ جائین" ماریہ نے کہا: "ایک کام کرو۔ تم ایک عام دعوت کرو۔ اور اُسی سلسلہ مین ایک دن نعمان کو بھی بلاؤ اُسے کھلا پلا کے خوب شراب پلاؤ۔ اور جب نشہ سے بدمست ہو اُس وقت پیام دو۔ اور یقین جانو کہ وہ انکار نہ کرے گا" عدی نے کہا "خوب سوچ لو۔ یہ جان جوکھم کا معاملہ ہے۔ اگر برہم ہو گیا تو مجھے اُسی وقت قتل کرا ڈالے گا؟" ماریہ نے کہا "محل کے اندر مین نے اپنے طور پر پورا انتظام کر لیا ہے۔ تب تم سے کہا ہے۔ تم بے اندیشہ پیام دو"

اس قرارداد کے مطابق عدی نے ایک فرضی تقریب قرار دے کے تمام اہل شہر کی دعوت کی۔ پھر بادشاہ نعمان کو مع اُس کے اہل دربار اور خدم وحشم کے مدعو کیا نفیس پرتکلف غذائین کھلا کے شراب پلائی۔ اور جب دیکھا کہ نشہ سے چور ہو رہا ہے شادی کا پیام دیا۔ مگر اُسے حیرت ہو گئی۔ جب دیکھا کہ نعمان نے فوراً شادی منظور کر لی۔ اُسی صحبت مین نکاح کر دیا۔ اور تیسرے دن بیٹی کو رخصت بھی کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد نعمان بن منذر نے جب بجائے خود سوچا تو اپنے کیے پر پچھتایا۔ دل مین خیال گزرا کہ عدی نے شراب پلا کے میرے ساتھ دغابازی کی۔ اور اُسے بیٹی دینے سے میری بڑی توہین ہو گئی۔ مگر اس بغض کو دل مین لیے رہا۔ اور موقع ڈھونڈھتا رہا۔ اُس نے کبر ونخوت کے جوش مین یہ معمول مقرر کر لیا تھا کہ اپنے دربار مین ایک دن تو شفقت ومرحمت کا دن قرار دیا تھا۔ اور ایک دن غیظ وغضب کا۔ اہل دربار توان دونون دنون سے واقف تھے۔ غیظ وغضب کے دن دور ہی دور رہتے۔ مگر دور دراز کے ملکون سے جو شامت زدہ اُس دن آ جاتا۔ نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا جاتا۔ اتفاقاً شامت اعمال سے اُسی غیظ وغضب کے دن عدی اور نعمان کا سامنا ہو گیا۔ بس کیا تھا؟ نعمان کو موقع ہاتھ آ گیا فوراً اُسے

گرفتار کر کے قتل کرا ڈالا۔ جس کا انتقام عدی کے ایک بیٹے زید بن عدی نے یون لیا کہ خسرو عجم کو اُسکا دشمن بنا دیا۔ اور نعمان مدتون تاجدار ایران کی قید مین رہ کے قتل کیا گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو ناظرین ہمارے ناول ایام عرب کو ملاحظہ فرمائین۔

شاہزادی ہند کو اپنے مظلوم شوہر کے مارے جانے پر بڑا صدمہ ہوا۔ باپ سے تو کیا کہہ سکتی تھی؟ کس کی مجال تھی کہ اُس سراپا نخوت فرمانروا کے سامنے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ مگر ہند کچھ ایسی شکستہ دل ہو رہی تھی کہ بمصداق "ع اُس پہ قابو نہین دل پر تو ہے قابو اپنا" تارک الدنیا ہو گئی۔ اور عرب کی شریف زادیون کے عام مذاق کے خلاف تمام لذتون اور مسرتون سے کنارہ کش ہو کے مسیحی راہبون کی ایک خانقاہ مین بیٹھ رہی جو اُسی کے نام سے منسوب ہو کے "دیر ہند" مشہور ہو گئی۔

ہند کی شادکامی و کامرانی کی زندگی تو بہت ہی تھوڑی تھی مگر راہبہ عورتون کے ساتھ بیٹھ کے عبادت کرنے کے لیئے اُس نے بڑی طولانی عمر پائی۔ اس خانقاہ مین بیٹھے بیٹھے اُس نے کمال بے تعلقی کے ساتھ تقدیر کے بڑے بڑے فیصلے۔ اور دنیا کے حیرت انگیز انقلاب دیکھے۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے مرحوم شوہر عدی کے بیٹے زید نے خسرو پرویز کے دربار مین رسوخ پیدا کر کے اُسے نعمان بن منذر کے گھرانے کی عورتون کا شوق دلایا۔ اور جب ایوان کسریٰ سے نعمان کی بیٹیان طلب ہوئین تو وہ اپنے کنبہ کی تمام عورتون کو بنی شیبان کی حمایت مین چھوڑ کے خسرو کے دربار مین حاضر ہو گیا جہان قید ہوا اور اسی قید مین مر گیا۔ اب اس کے باپ کا تاج و تخت ایاس بن قبیصہ طائی کو ملا جو بنی طے کا سردار تھا۔ اور پرویز نے بنی شیبان سے نعمان کی عورتون کو مانگا۔ انھون نے انکار کیا۔ اور نتیجہ مین یوم ذی قار کی عظیم الشان لڑائی ہوئی۔ جس مین عربون نے ایرانیون کو شکست دی۔ ایاس طائی کے بعد ہند کے باپ کی قلمرو پر

ہمدان کا ایرانی سردار آزاد بہ عجمی والی ملک کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ جب وہ بھی ایک مدت دراز تک فرمانروائی کر چکا تو ہند کے بھائی منذر بن نعمان بن منذر کو آبائی حکومت ملی۔

اب حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلعم مبعوث ہو چکے تھے۔ اور عرب کی اجلی رگ روان کا نورانی غازہ دنیا کے منور کرنے کے لیے کرۂ ارض کے تاریک چہرے پر لگایا جا رہا تھا۔ سیف اللہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) علم اسلام کے پرچم ہدایت کے سایہ مین تھے۔ اب یہان کی حکومت صحابۂ رسول اللہ کے ہاتھ مین تھی۔ کبھی ابو موسیٰ اشعری حاکم تھے۔ اور کبھی ابو ہریرہ۔ کبھی شمشیر حکمرانی ابو بکر کے پنجۂ قدرت مین تھی۔ اور کبھی مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھ مین۔

ہُندان سب حیرت انگیز انقلابون اور تقدیر کے کرشمون کو اپنی خانقاہ کے حجرے سے خاموشی کے ساتھ دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہوگئی۔ مغیرہ بن شعبہ اپنی حکومت کے زمانہ مین ایک بار اُس دیر (خانقاہ) کی طرف سے گزرے۔ اور اوس کی عالیشان عمارت دیکھ کے لوگون سے پوچھا "یہ کون سی خانقاہ ہے؟" لوگون نے کہا "دیر ہُند جس مین نعمان بن منذر کی تارک الدنیا شاہزادی بند رہتی ہے اور وہی یہان کی ساری راہبہ عورتون کی سردار ہے"۔ یہ سُن کے مغیرہ خانقاہ کے دروازہ پر گئے۔ اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ نام سُن کے ہُند نے اندر بلا لیا۔ اخلاق سے ملی۔ ہرن کی ایک کھال اُن کے بیٹھنے کے لیئے بچھوا دی۔ اور پوچھا "آپ نے کیون تکلیف کی؟" مغیرہ نے کہا "مین تمھین نکاح کا پیام دینے آیا ہون اور چاہتا ہون کہ تم میرے عقد مین آنا قبول کرلو"۔ یہ سُن کے ہُند نے ذرا تامل کیا۔ پھر بڑی متانت کے ساتھ صلیب کی طرف اشارہ کرکے کہا "مین اسی کی قسم کھا کے کہتی ہون کہ مجھے اگر ذرا بھی گمان ہوتا کہ حسن و جمال اور شباب کی زندہ دلیون کا کچھ بھی حصّہ مجھ مین باقی ہے تو آپ سے ضرور نکاح کرلیتی غالباً مجھ سے شادی کرنے کا خیال آپ کے دل مین اسلیئے پیدا ہوا ہوگا کہ مین نعمان

بن منذر کے ملک پر قابض و متصرف ہوا ہون۔ تو اوس کی بیٹی کا شوہر بھی ہو جاؤن تاکہ اپنے اقران و امثال پر فخر کر سکون۔ آپ جس خدا کو مانتے ہون اُسی کی قسم کھا کے کہیئے کہ یہی نہ یہی بات آپکے دل مین ہے؟" مغیرہ نے کہا "بے شک یہی آرزو میرے دل مین ہے" اُن کی زبان سے تصدیق کے یہ الفاظ سُنتے ہی ہنُد بولی "مگر یہ قیامت تک نہ ہوگا" گو آپ کی آرزو کے خلاف ہو"

اپنے اس شوق مین مایوس ہو کے مغیرہ نے اُس سے بعض قبائل عرب کی شرافت اور اُن کی فوقیت کے بارے مین نعمان بن منذر کا خیال پوچھا جس مین ہُند نے اُن کی مرضی کے موافق اطمینان بخش جواب دیئے۔ اور اُن کی تشفی کر دی۔ آخر مغیرہ بن شعبہ اُس سے رخصت ہو کے چلے آئے۔ اور اُس کی تعریف مین تین شعر پڑہے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ "نسل سلاطین مین جو خوبیان سُنی تھین وہ بیشک صحیح ہین"

بس پھر اسکے بعد سے پتہ نہین چلا کہ ہند کتنے دنون تک اس خانقاہ مین زندہ رہی اور کب اور کس زمانہ مین اُس نے سفر آخرت کیا ✦

سجّاح

بنی اسرائیل مین صدہا پیغمبر پیدا ہوئے - مگر کوئی ایسی عورت نہین نظر آتی جس نے کبھی جھوٹون بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہو. بت پرست اقوام مین دیویان تو ہزارون بن گئین مگر نبیہ کوئی نہین بنی. بابل مین سمیرامیس ملکہ تھی جو مظہر الٰہی قرار پا کے قوم کی قابل تعظیم و پرستش دیوی بن گئی. یورپ مین ہزارہا ننون اور ولیہ عورتون مین سے اکیلی ایک جون آف آرک ایسی عورت ہے جس پر الہیات کا اتنا زیادہ اور ایسا گہرا اثر پڑا کہ اس سے پیمبری کی شان سی نمایان ہونے لگی. مگر صاف الفاظ مین نبوت کا دعویٰ اس نے بھی نہین کیا. لیکن عرب کے خصائص مین ایک یہ بات بھی ہے کہ اُس مین ایک ایسی عورت بھی پیدا ہوئی جو صریح الفاظ مین نبوت کی دعویدا تھی. اور جس کا نام سجّاح ہے۔

یہ حارث بن سوید بن عقفان کی بیٹی تھی - ہوازن کے مختلف قبائل مین سے بنی تمیم مین پیدا ہوئی تھی. اور قبیلۂ بنی تغلق سے ننہالی قرابت رکھتی تھی. عرب کے شمالی مشرق مین اُس سرزمین مین اُس کا نشو و نما ہوا تھا جو میان دوآب یعنی دجلہ اور فرات کے بیچ مین واقع ہے جسے یونانی اگلے دنون مسوپوٹامیا کہتے تھے اور فی الحال دریاؤن کے وسط مین ہونے کے باعث الجزیرہ کہلاتی ہے۔

سجاح بڑی عاقلہ حکیمہ. عالمہ. اور فصیحہ و بلیغہ تھی - اور اسی کے ساتھ اولوالعزم بلند حوصلہ اور نہایت ہی مستقل مزاج تھی. اُس کے حسن و جمال کے متعلق ہمارے پاس کوئی خاص شہادت موجود نہین ہے. لیکن اُس کی باتون مین اگلے زمانہ کی کاہنہ

عورتون کے ایسے تحکم کی شان پائی جاتی ہے اور ایسے خوبصورت جملے منہ سے نکلتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول جھڑتے ہین۔ جو لوگون کو گرویدہ کر لیتے۔ اور جو شخص اُس کی گفتگو سُنتا مطیع و منقاد ہو جاتا۔ اور اس کے ساتھ ستم یہ تھا کہ ابھی شباب کا زمانہ تھا۔ جبکہ الفاظ کو دلبری اور دلربائی مین اُس کے ناز و انداز اور چشم و ابرو سے بھی مدد مل جاتی۔

ان دنون عرب کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی تھی۔ جناب سرور کائنات صلعم سفر آخرت فرما چکے تھے۔ تمام صوبجات عرب اور تقریباً کل قبائل دین اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور ایک روحانی تہذیب کے ساتھ سارے عربون مین اتحاد و اتفاق پیدا ہو چکا تھا۔ جن کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا تھا کہ بجائے کسی قسم کے خراج کے زکوٰۃ کی رقم مدینہ طیبہ مین بھیجا کرین تاکہ وہ رقم ملکی مصالح اور تمدنی ضرورتون مین خرچ ہوا کرے۔ جناب ابوبکر صدیق رض جو خلیفہ ہوئے تو مختلف قبائل عرب مین یہ شک پیدا ہوا کہ اب حضرت رسالت کے بعد بھی زکوٰۃ کی رقم مدینہ مین بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے۔

اس شک کے ساتھ ہی مختلف مقامات مین کئی شخص پیدا ہو گئے جنھون نے بجائے خود نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور جو لوگ رقم زکوٰۃ کے بھیجنے مین تامل کر رہے تھے انھین مخالفت پر اور اُبھار دیا۔ اور سارے عرب مین بغاوت کی آگ سی لگ گئی۔ صرف ایک مکہ معظمہ تو سر اطاعت جھکائے رہا جو مخالفت کا پورا جوش ابتدائے بعثت ہی مین دکھا چکا تھا۔ باقی تمام بلاد عرب بغاوت پر آمادہ ہو گئے صاف صاف کہنے لگے کہ ہم زکوٰۃ نہ دینگے۔ اور پھر داعیان نبوت نے اس آتش فساد پر اور تیل ڈالنا شروع کیا۔

یہان مدینہ کی یہ حالت تھی کہ اس عام شورش اور ہر طرف پھیلی ہوئی بغاوت کو خطرناک تصور کر کے تمام صحابہ اور بڑے بڑے صاحب الرائے لوگ

دب جانے پر آمادہ تھے۔ حضرت عمر کا سا سخت مزاج شخص بھی ابوبکر صدیق کو یہی مشورہ دیتا تھا کہ فی الحال یہی مصلحت ہے کہ جو لوگ ادائے زکوٰۃ مین عذر کرتے ہین۔ اُن سے تعرض نہ کیا جائے۔ مگر ابوبکر صدیق اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے کہ "خدا کی قسم مین تو جوتے کا ایک تسمہ بھی جسے یہ لوگ آنحضرت صلعم کی زندگی مین دیتے ہون اور اب نہ دین گے۔ ہرگز نہ چھوڑون گا۔ اور اس کے لیئے اُن سے لڑون گا۔ تم اگر ساتھ نہ دوگے تو اکیلا جا کے مقابلہ کرون گا۔ مگر اسے گوارا نہ کرون گا کہ اسلام کا ایک رکن ٹوٹ جائے"!

جبکہ مدینہ مین یہ حالت تھی طلیحہ ایک طرف۔ اسود عنسی ایک طرف۔ اور مسیلمہ کذاب ایک طرف نبوت کے دعوے کرکے اپنے اپنے ہم وطنون اور قبیلون کو توڑ توڑ کے مدینہ کے مخالف بنا رہے تھے۔ سجاح بھی اپنے وطن الجزیرہ سے تمیم۔ دیگر قبائل ہوازن اور اپنے نانہالی قرابت دارون بنی تغلب کا ایک لشکر عظیم لے کے روانہ ہوئی کہ حجاز کے پیغمبر امی (صلعم) کے مقابلہ مین اپنی نبوت کا آوازہ بلند اور ابوبکر صدیق سے مقابلہ کرے۔ ہذیل بن عمران جو بنی تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا دین مسیحی کو چھوڑ کے سجاح پر ایمان لے آیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی دیگر قبائل کے اور بھی بہت سے صاحب اثر سردار اُس کے مطیع و منقاد بن کے اُس کا کلمہ پڑھنے لگے زیاد بن ہلال بنی ایاد کے لوگون کے ساتھ۔ عقہ بن ہلال بنی نمر کے ساتھ۔ سلیل بن قیس بنی شیبان کے ساتھ آ کے اُس کے لشکر مین مل گئے۔ اور سجاح کے جھنڈے کے نیچے ایک بڑا بھاری لشکر جمع ہو گیا۔ لیکن ان لوگون مین باہمی رقابت و عداوت ایسی تھی کہ سب کا سلسلہ آخر تک نبھ نہ سکا۔ اور یہ حالت تھی کہ اگر اس کے کہنے پر عمل کیا گیا تو وہ بگڑ گیا۔ اور اُس کی بات مانی گئی تو یہ بگڑ کھڑا ہوا۔

آخر اُن سب کے مجمع مین سجاح نے ایک پر اثر اور فصیح و بلیغ تقریر کرکے انھین اُبھارا کہ بنی رباب پر حملہ کرین۔ بنی رباب بھی مقابلہ کو تیار ہو گئے۔ اور ایک سخت لڑائی ہوئی

جس مین دونون طرف کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ مگر قتل وخون کے بعد اُن لوگون سے صلح ہو گئی۔ اور سجاح اپنے لشکر کو لے کے مقام نباج مین پہونچی۔ یہان یہ مصیبت آپڑی کہ اُس مین خزیمہ جہمی نے اُس کے لشکر پر ناگہان حملہ کرکے اُس کے کئی زبردست اور اعلیٰ درجہ کے افسرون کو گرفتار کر لیا۔ لیکن سجاح کی حکمت عملی اب بھی کامیاب ہوئی۔ اُس کے قیدیون کو رہائی ملی۔ اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ سجاح اُس سرزمین کو چھوڑ کے کسی اور طرف کا قصد کرے۔

اب سجاح اپنے عظیم الشان لشکر کو لے کے آگے بڑھی تو ارض یمامہ مین پہونچی۔

یمامہ مین قبیلۂ بنی حنیفہ آباد تھا۔ جن لوگون کو مسیلمہ کذاب نے بہکا کے اپنی نبوت کا معتقد بنا لیا تھا۔ انھین وہ عجیب عجیب وحیین سُناتا تھا۔ اور نئے نئے احکام جاری کرتا تھا۔ اور نبوت کی نقل کرنے مین اپنے تمام معاصر مدعیان رسالت پر تفوق لیگیا چنانچہ اُس کی شریعت کا ایک حکم یہ تھا کہ جس کسی کا کوئی جیتا جاگتا بیٹا موجود ہو اُسے دوسری شادی نہ کرنا درکنار اپنی منکوحہ بی بی سے مقاربت کرنا حرام ہے۔ ہان اگر بیٹا مر جائے تو اُس وقت تک جائز ہے کہ جب تک دوسرا بیٹا نہ پیدا کر لے۔

مسیلمہ نے جب سجاح کی نبوت اور اُس کے لشکر عظیم کے سر پر آپہونچنے کی خبر سُنی تو بہت گھبرایا۔ اور ڈرا کہ ایسا نہ ہو میرے گرد و پیش کے قبائل اُس سے جا ملین۔ اور میری کرکری ہو۔ اپنی قوت کو سجاح کے مقابلہ مین کم پاتا تھا۔ اور مقابلہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ کیادی و مکاری مین کمال رکھتا تھا اس لیئے دوسری وضع پر چلا۔ سجاح کے پاس تحفہ اور ہدیہ بھیج کے اُس کی استمالت کی۔ اور اُس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا۔ اور جب اُسے یون راضی کر چکا تو پیام بھیجا کہ "مجھے تم سے ملنے کی بڑی آرزو ہے۔ اگر اجازت دو تو حاضر ہوں"۔ سجاح نے اجازت دی۔ اور وہ بنی حنیفہ مین کے چالیس

ہوشیار آدمیون کو ساتھ لے کے سجاح کے پاس گیا۔ اُس سے محبت کے ساتھ ملا۔ اُس کی صورت و سیرت پر غور کیا۔ اُس کی حالت کا اندازہ کیا۔ اور دلمین سمجھ گیا۔ کہ یہ عورت اس بلا کی ہے۔ اور اپنے پیرون پر ایسا اثر رکھتی ہے کہ فوج کشی کے ذریعہ سے پیش پانا دشوار ہے۔ یہ ظالم فوج کشی سے نہین بلکہ حسن و عشق کے کھیل مین زیر ہونے والی ہے۔ اُس کی اس کمزوری کا راز دریافت کر کے مسیلمہ نے خواہش کی کہ "آپ میری دعوت قبول کرین۔ اور میرے خیمہ مین تشریف لا کے مجھے سرفراز فرمائین۔ مگر شرط یہ ہے کہ میرے آپ کے دونون کے آدمی خیمہ سے دُور رہین سجاح نے وعدہ کیا۔ اور مسیلمہ وعدہ لے کے چلا آیا۔

اب یہان آکے اُس نے دُلہنون کا سا ایک پرتکلف سُرخ خیمہ کھڑا کرایا اپنے مذاق اور امکان کے مطابق اُسے اُسی طرح بنا چنا کے حجلۂ عروسی بنایا جس طرح زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے دل پر فتح پانے کے لیئے اپنا کمرہ آراستہ کیا تھا۔

مسیلمہ نے اپنے خیمہ کو خوب سجایا اس مین خوشبوئین سُلگائین۔ عطر لگایا۔ اور اس خیمہ کو ایسا بنا دیا کہ پاس بھی کھڑے ہو جایئے تو خوشبو کی لپٹین چلی آتی تھین۔

یہ حجلۂ عروسی تیار تھا کہ سجاح ملنے کو آئی۔ اُسے ہاتھون ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگدے فرش پر بٹھایا اور اپنی نبوت سے عشق بازی کا کام لینے لگا کہا "بتایئے آپ پر کیا وحی اُتری ہے؟" سجاح بولی "نہین پہلے آپ اپنی وحی سُنائین۔ مین پھر عورت ہون۔ اور آپ مرد ہین۔" اس جواب سے مسیلمہ سمجھ گیا کہ سجاح اپنی نبوت مین کمزور ہے اور میرا کچھ نہ کچھ دباؤ ضرور مانتی ہے۔ بولا مجھ پر تو وحی اُتری ہے "الم تر کیف فعل ربک بالحبلی۔ اخرج منہا نسمۃ تسعی من بین صفاق وحشاء۔" چونکہ یہ وحی کسی حد

ع ۵ کیا تو نہین دیکھتا کہ تیرے پروردگار نے حاملہ کے ساتھ کیا کیا؟ اُس مین سے ایک زندہ جان نکالی جو دوڑتی پھرتی ہے۔ اور جھلی اور احشا مین سے عمل کے آتی ہے ۔

تک سجاح کے مذاق کے مطابق تھی بولی "اور کوئی وحی بھی سنائیے" مسیلمہ نے جب دیکھا کہ سجاح نے اتنی نوک جھوک کو گوارا کر لیا تو حوصلہ اور بڑھا۔ اور بولا "اور خدا نے مجھ پر آیتیں بھی نازل کی ہیں۔ "الم تر الی اللہ خلق النساء افواجاً۔ وجعل الرجال لہن ازواجاً۔ فتولج فیہن ایلاجاً۔ ثم تخرج ماشیأ اخراجاً فیختجن لنا انتاجاً" اس بے تکلف سورۃ اور دل کو ہیجان میں لانے والی وحی نے سجاح پر پورا اثر کیا بولی "اشہد انک نبی اللہ" (میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ پیغمبر ہیں) اب کیا تھا مسیلمہ کو منہ مانگی مراد ملی۔ بولا "سنو خدا تعالیٰ نے آدھی زمین مجھے دی تھی۔ اور آدھی قریش کو۔ مگر قریش نے ناانصافی کی جس کی وجہ سے خدا نے اُن کا وہ نصف حصہ اُن سے چھین کے تمہیں عطا کیا۔ اور اب میں کمال اشتیاق سے کہتا ہوں کہ کیا مناسب نہ ہو گا کہ ہم تم دونوں شادی کر لیں؟ اگر ہماری یہ دونوں فوجیں مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے؟"

سجاح کے دل پر مسیلمہ کا جادو پورا چل چکا تھا بولی "مجھے منظور ہے" مسیلمہ نے مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو کے کہا "تو پھر دیر کاہے کی ہے۔ آؤ" اور اب گستاخی کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُس نے چند نہایت ہی فحش شعر پڑھے۔ جنھوں نے سجاح کو بھی اُس کی طرح بالکل مست و دیوانہ بنا دیا۔ الغرض دونوں کی رضامندی نے "چٹ منگنی پٹ بیاہ" کی مثل پوری کر دکھائی۔ اور بغیر کسی سے پوچھے گچھے اکیلے ہی اکیلے عقد نکاح کر لیا۔ ان دونوں پیغمبروں کی اُمتیں ملاقات کے فیصلہ کا انتظار کر رہی تھیں اور یہاں دونوں پُرشوق صاحبان اُمت دولہا دُلھن بنے حجلۂ عروسی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اور شوق وصال ایسا بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک خیمے سے باہر نہ نکلے۔

؎ کیا تو خدا کو نہیں دیکھتا کہ عورتوں کے غول کے غول پیدا کیے۔ مردوں کو اُن کا جوڑا بنایا۔ جو اُن میں دخول کرتے ہیں۔ پھر اُن میں سے چلتا پھرتا بچہ نکالتا ہے۔ اور وہ ہمارے لیے نتیجہ بخش ثابت ہوتی ہیں ✦

تیسرے دن سجاح رخصت ہو کے اپنے معتقدون مین گئی تو اُن لوگون نے جو انتظار کرتے کرتے بے صبر ہو رہے تھے۔ صورت دیکھتے ہی پوچھا "مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟" بولی "وہ نبی برحق ہے لہذا مین نے اُس کی نبوت تسلیم کرکے اُس سے شادی کرلی" لوگون نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا "اور مہر کیا قرار پایا؟" گھبرا کے بولی "یہ پوچھنا تو مین بھول گئی" ساتھیون نے کہا "تو اسی وقت جاکے اپنے مہر کا فیصلہ کیجئے" سب کے مجبور کرنے سے اُسی وقت پلٹی۔ لیکن یہان آکے دیکھا تو مسیلمہ بھاگ کے اپنے قلعہ مین ہو رہا تھا۔ اور دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ دل مین سہما ہوا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے اس فعل کو سجاح کے ساتھی اپنی تحقیر و توہین خیال کرکے مجھ پر یورش کرین۔ سجاح نے اطلاع کرائی اور بلوایا تو اُس کو اس قدر خوف غالب تھا کہ باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کوٹھے پر آکے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا "اب کس لیئے آئی ہو؟" سجاح نے کہا "میرا مہر تو بتاؤ۔ آخر مہر مین کچھ دوگے یا نہین؟" بولا "ہان مہر ضرور ملے گا۔ تمہارا موذن کہان ہے اُسے بلواؤ" فوراً سجاح کا موذن شبث بن ربعی ریاحی حاضر ہوا۔ جس سے مسیلمہ نے کہا "جاؤ تمام مومنین مین پکار دو کہ محمد (صلعم) خدا کے پاس سے جو پانچ نمازین لائے تھے اون مین سے "دو" عشا اور فجر کی خدا نے سجاح کے مہر مین مومنین پر سے معاف کر دین"

یہ مہر پاکے سجاح واپس چلی تو اُس کے اصحاب کبار مین سے عطارد بن حاجب عمرو بن الاہتم غیلان بن خرشہ اور وہی اُس کا موذن شبث بن ربعی ہمراہ رکاب تھے۔ اور خاموش تھے۔ عطارد نے اپنی حالت پر غور کیا تو اسے عجب سا معلوم ہوا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

أمست نبيتنا انثى نطوف بها ۔۔۔ واصبحت انبياء الناس ذكرانا ۵

۵ ہماری پیغمبر ایک عورت ہے جسے ہم لیئے لیئے پھرتے ہین حالانکہ اور سب لوگون کے پیغمبر مرد ہین +

اب مسیلمہ سے صلح تو ہو ہی گئی تھی۔ صلح کے شرائط مین گفتگو شروع ہوئی مسیلمہ نے کہا کہ تم علاقۂ یمامہ کا ایک سال کا محصول لو اور چلی جاؤ۔ اُس مین سے نصف مین اسی وقت دیتا ہون اور نصف کے لیئے تم اپنا کوئی مختار چھوڑ جاؤ۔ چند روز مین وہ بھی دے دیا جائے گا"

سجاح نے یہ شرط قبول کی۔ اپنے معتمد علیہ لوگون مین سے ہذیل۔ عقہ اور زیاد کو یمامہ مین چھوڑا اور خود اپنے تمام لشکر کے ساتھ ارض جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ یہ سمجھ مین نہین آتا کہ جب وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے اور حضرت صدیقؓ سے لڑنے کیلیئے آئی تھی تو مسیلمہ سے شادی کر کے واپس کیون چلی گئی۔ حالانکہ خود مسیلمہ بھی اسی دُھن مین تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد اُسے یہ خیال ہوا کہ اب ساری ذمہ داریان مسیلمہ کے سر ہین۔ اور اسی کا کام ہے کہ سارے عرب پر قبضہ کر کے جو ملک میرے نامزد کیا ہے میرے حوالہ کرے۔

مگر وہ ادھر گئی ہی تھی کہ حضرت صدیقؓ کی جانب سے خالد بن ولید علم اسلام لیئے ہوئے یمامہ مین آ پہونچے۔ اور اگرچہ نہایت ہی سخت لڑائی ہوئی جس مین بعض وقت صحابۂ رسول اللہ کو ناکامی کی جھلک نظر آنے لگتی تھی۔ لیکن آخر مین اسلام کی فتح ہوئی۔ مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ اور جن لوگون کو سجاح ملک کی نصف آمدنی لینے کے لیئے چھوڑ گئی تھی وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسیلمہ کے بعد ہی باقی تمام مرتدون اور مدعیان نبوّت کا خاتمہ ہوا۔ اور پھر سارے عرب پر ویسی ہی حکومت قائم ہو گئی۔ جیسی کہ جناب سرور کائنات صلعم وفات کے وقت چھوڑ گئے تھے۔

سجاح کو پھر کبھی فوج جمع کرنے یا سرکشی کرنے کی جرأت نہین ہوئی۔ بنی تغلب مین ٹھہر کے نہایت ہی امن و امان اور خموشی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ یہان تک کہ جناب

معاویہ کا زمانہ آیا۔ اور ایک سال قحط پڑا۔ جس مین معاویہ نے بنی تغلب کو بصرے مین آباد کرایا۔ جن کے ہمراہ سجاح بھی بصرہ مین آ کے مقیم ہوئی۔ اور اُس نے اور اُس کی ساری قوم نے دین اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد سجاح سے پوری دینداری ظاہر ہوئی۔ اور خاتمہ بالخیر ہوا۔ سمرہ بن جُندب نے جو صحابۂ رسول اللہ مین تھے۔ اور اُن دنون بصرے کے حاکم تھے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

بہرحال سجاح تو نہ رہی۔ مگر دنیا مین نام کر گئی۔ اور وہ کام کیا جو آج تک دنیا کی اس ساری عمر مین کسی عورت سے نہ ہو سکا تھا۔

اولغا (ملکۂ روس)

رُوس کی ملکہ کیتھرائن کا نام بہت مشہور ہے جو شہنشاہ پطرس اعظم کی ملکہ تھی اور اُس کے بعد وارث تاج و دیہیم ہوئی تھی۔ اور جس کے حالات اسی کتاب مین دوسری جگہ درج ہین۔ مگر اُس سے بہت پہلے سلطنت مذکور کے ابتدائی عروج کے زمانے مین ایک اور ملکہ گزری ہے۔ جس کے کارنامے کیتھرائن کے کارنامون سے زیادہ بڑھے ہوئے ہین۔ اور در اصل اُسی کے زمانے سے سلطنت روس کا ستارہ چمکا۔ اُس کا نام دنیا مین مشہور ہوا۔ اور تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی۔ یہ مندرجۂ عنوان ملکہ اولغا تھی جو تیسرے بلکہ در اصل دوسرے تاجدار روس اغور کی نازآفرین بی بی اور ملک کی محبوبۂ عام ملکہ تھی۔

سلطنت روس کے آغاز کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ بحر اسود کے شمالی اور یورپ کے مشرقی و شمالی علاقہ مین قدیم الایام اور شہر رومۃ الکبرے کی بنیاد پڑنے سے بھی

پہلے سلاوی نام ایک قوم رہتی تھی جن کی بت پرستی سب سے جدا اور جن کی زبان یونانی سے ملتی جلتی تھی۔ اس قوم کے بہت سے غول اور گروہ دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور بہادری مین شہرت رکھتے تھے۔ ان لوگون کے گروہون کا سلسلہ شمالی حصّہ ربع مسکون مین ترکون اور مغلون کے غولون سے آملا تھا۔ اُنھین مین سے ایک گروہ کے سردار و سرگروہ رورک نے متعدد سلاوی گروہون اور قبیلون کو اپنے ماتحت کر کے ایک چھوٹی سلطنت قائم کی جو کہ سلطنت روس کے نام سے مشہور ہوئی۔ صحیح طور پر اسکا پتہ نہین چلتا کہ اس قوم نے اپنی سلطنت کے لیئے روس کا نام کیون اختیار کیا۔ اس کی کئی توجیہین کی گئی ہین۔ مگر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان لوگون کے معبودون مین "رُوسالکی" نام حسین و نازک اندام پریان تھین۔ جو سمندر اور جنگل کی دیویان مانی جاتی ہین۔ اُن کی نہایت ہی خوبصورت اور دلفریب نیم برہنہ مورتین بنا کے شوالون مین رکھی جاتی تھین۔ اور اُن پر قربانیان چڑھائی جاتی تھین۔ غالباً اُنھین کے نام سے اس قوم نے اپنا نام ماخوذ کیا۔

رورک نے قوم کا بادشاہ قرار پاتے ہی شہر نوغراد پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی کو اپنا مرکز فرمانروائی قرار دیا۔ ۸۶۲ء مین اس نئی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی اور اُس کے سترہ برس بعد ۸۷۹ء مین پہلے فرمانروا رورک نے سفر آخرت کیا جبکہ بغداد کے سریر خلافت پر معتمد علی اللہ پندرھوان خلیفۂ عباسی جلوہ افروز تھا اور یونانی قلمرو روم پر لیو دی سیج (دلیو راہب) کی حکومت تھی۔

رورک کے مرنے کے وقت چونکہ اُس کا بیٹا اغور نابالغ بچہ تھا اس لیئے اُس کے ایک زبردست سردار اولغ نے اغور کو تخت پر بٹھا کے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔ اولغ نے ایسے زور و شور سے حکومت کی اور رعایا اور نیز شاہی خاندان کو اُس پر ایسا بھروسہ تھا کہ ۳۳ سال تک حکومت کرتا رہا۔ اور

اغور نے بالغ ہونے پر بھی کسی قسم کی مخالفت یا سلطنت کی ہوس نہین ظاہر کی یہان تک کہ جب ۹۱۳ھ؁ مین وہ مرا تو اصلی تاجدار اغور نے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔

اسی اغور کی بی بی ملکہ اولغا تھی۔ جو شہر سکوف کے قریب کسی گمنام گاؤن مین پیدا ہوئی تھی۔ اور غریب و فلک زدہ مان باپ کے آغوش مین فلاکت و مسکنت کے ساتھ پلی تھی۔ مگر حسن و جمال اس بلا کا تھا کہ اونچے اونچے امیرون کی نظر پڑتی تھی جو دیکھتا تیر نظر کا گھائل ہو جاتا۔ یہان تک کہ اُس کی چشم فتان اور زلف پیچان نے قوم کے سرتاج بادشاہ اغور کو اپنا اسیر گیسو بنا لیا۔ چنانچہ اغور نے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لینے سے دس برس پہلے ۹۰۳ھ؁ مین اس کے ساتھ شادی کر کے اُسے اپنی ملکہ اور اپنا شریک سلطنت بنا لیا۔

اغور اچھا بادشاہ نہ تھا۔ بے انتہا بخیل تھا۔ اور دولت کی ہوس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ قوم اور رعایا مین ہر دلعزیز نہ رہ سکتا تھا۔ مگر اولغا کے اچھے اخلاق اُس کی نیک نفسی و فیاضی۔ اُس کی محبت بھری باتون اور رعایا کے حال پر اُس کی عنایتون نے بی بی کی وجہ سے شوہر کو بھی بہت کچھ نیک نام کر دیا۔ اور جب اُس نے عنان فرمانروائی اپنے ہاتھ مین لے لی۔ تو اولغا کی ذہانت و ذکاوت اور انتظامی قابلیت کے جوہر کھلنا شروع ہوئے۔ اور ساری قوم کی محبوبہ بن گئی۔

اغور نے ایک سرکش قوم "ڈریولیان" پر فوج کشی کر کے اُسے مطیع فرمان اور باج گزار بنایا۔ اس کو چند ہی روز گزرے تھے کہ پھر اُسی قوم پر چڑھائی کی اور پہلے سے دونا خراج طلب کیا جسے اُن لوگون نے جبراً و قہراً ادا کیا۔ دولت سے لدا پھندا غانم و سالم شہر کیف مین آ کے ٹھہرا۔ اور دل مین خیال کیا کہ مین نے ان لوگون سے ابھی کم رقم وصول کی ہے۔ اور لینا چاہیئے۔ پھر اُن کمزور رعیون پر چڑھ گیا۔ اور جتنا پہلا وصول کیا تھا زبردستیان کر کے دوبارہ وصول کیا۔ جب یہ رقم بھی ادا ہو گئی تو دل مین کہا

ابھی ان کے پاس بہت کچھ باقی ہے۔ مجھے اور لینا چاہیئے" اور کہلا بھیجا کہ "یہ کافی نہیں ہے اتنی ہی رقم اور دو"۔ ان باتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن لوگون میں بظاہر تو انکار کی مجال نہ تھی۔ مگر دل میں دشمن ہو گئے اور موقع ڈھونڈھنے لگے کہ کب اور کس طرح اُس کے مظالم سے اپنی جان چھڑائین۔ آخر اُنھین موقع مل ہی گیا۔ ایک بار اغور اپنی فوج سے جدا چند خاص رفیقون کے ساتھ تھا کہ "ڈریولیان" لوگ ناگہان آ پڑے۔ اُس کے چند رفقا کو چُن چُن کے مار ڈالا اور خود اُسے پکڑ کے ایسی بری طرح سے مارا کہ اُس کے قتل کا واقعہ عبرت روزگار ہے۔ دو درختون کے جو قریب قریب تھے دو ٹہنے کھینچ کھینچ کے قریب کیئے پھر ایک مین اُس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤن۔ اور دوسرے مین دوسرا ہاتھ اور پاؤن مضبوط باندھ کے اُن ٹہنون کو چھوڑا تو وہ اپنی اپنی طرف کھنچے اور اُس کے جسم کے بیچ سے پھٹ کے دو ٹکڑے ہو گئے جو الگ الگ دونون درختون مین جا لٹکے۔ اس طرح جان لے کے اُس کے جسم کے دونون ٹکڑے زمین مین گاڑ دیئے۔ اور اُن پر قبر کی حیثیت سے ایک تودہ بنا دیا۔

یون ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۴۵ء مین اغور کی زندگی کا چراغ گل ہوا۔ اُس کا بیٹا چونکہ نابالغ تھا اس لیئے ملکہ اولغا نے شوہر کا ماتم کرنے کے بعد سریر شہریاری پر قدم رکھا۔ جبکہ بغداد مین ۲۵ عباسی خلیفہ المطیع للہ کی اور قسطنطنیہ مین قسطنطین پورفیروخطوس الملقب بہ مورخ کی حکومت تھی۔ اولغا چونکہ بڑی ذہین و دانا اور نیک نفس و نیک کردار عورت تھی۔ اس لیئے اُس نے بڑی ہی قابلیت اور شائستگی سے حکومت شروع کی۔ لیکن دل مین انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور بے قرار تھی کہ اپنے آنجہانی شوہر کے خون کا بدلہ کیونکر لون۔ اسی اُدھیڑ بُن مین لگی تھی کہ ڈریولیان لوگون کے سردار کی طرف سے بیس منتخب معزز سفیرون کا ایک ڈپوٹیشن آیا۔ اور اُنھون نے شادی کا پیام دیا۔

اغور کو قتل کرکے ڈریولیان لوگون کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ چاہتے تھے کہ پوری قلمرو روس کے مالک بن جائین جس کی مناسب ترین تدبیر اُن کے سردار کے ذہن مین یہ آئی کہ مین ملکہ اولغا سے شادی کرلون۔ اگرچہ اولغا کی عمر اب زیادہ ہو چکی تھی۔ وہ دلبری و نازآفرینی کا زمانہ گزر گیا تھا۔ تاہم گزشتہ حُسن کی چند ذمین اب بھی اُس کے خوبصورت چہرے سے نمودار تھین جنھون نے سلطنت کی ہوس مین مل کے ڈریولیان لوگون کے سردار کو ازخود رفتہ کر دیا۔ اور وہ اپنی حالت وحیثیت کو بالکل بھول گیا۔

اِس سفارت پر ملکہ اولغا بہت برہم ہوئی۔ مگر چونکہ عقلمند اور انجام پر خوب نظر رکھتی تھی اپنے غیظ وغضب کو دل ہی مین دبا یا۔ اور اُن سے کہا "تمھارا پیام مین خوشی سے قبول کرون گی۔ مجھے تو خود ہی اِس کی تمنا تھی۔ مگر تم جس کشتی مین آئے ہو اُسی مین جاکے ٹھہرو۔ مین اپنے امرا و وزرا سے مشورہ کرلون اور اِس کے بعد اُنھین کل صبح کو تمھارے پاس بھیجونگی کہ تمھین قدرو منزلت اور تعظیم و تکریم سے میرے قصر مین لائین۔ اور مین باضابطہ طور پر تمھاری درخواست کو قبول کرون۔ مگر اتنا خیال رہے کہ تم سوا اُن کے کندھون پر سوار ہوکے آنے کے اور کسی طرح اور کسی اور سواری پر نہ آنا۔ تاکہ تمھارا خوب رعب اُن پر بیٹھ جائے"

اِس جواب سے نہایت محظوظ ہوکے وہ لوگ اپنی کشتی مین واپس گئے۔

صبح کو اُنھین زیادہ انتظار نہین کرنا پڑا تھا کہ امرائے روس اُن کے استقبال کو پہونچے۔ اور کہا "بسم اللہ۔ تشریف لے چلیئے۔ حضور ملکہ نے یاد فرمایا ہے" اُن مسخرون نے کہا "مگر ہم نہ گھوڑون پر سوار ہون گے اور نہ کسی اور سواری پر۔ ہم تو خود تمھارے کندھون پر بیٹھ کے چلین گے" روسی امیرون نے کہا "اب آپ کو اِس مین اصرار ہے تو ہمین کیا عذر ہوسکتا ہے؟ ہمین تو آپ کی خاطر داشت اور اپنی ملکہ کے حکم کو پورا کرنا ہے" یہ کہہ کے سبھون نے پیٹھین جھکا دین۔ اور کہا "آیئے بیٹھئے"

یہ بیسون آدمی اُن کے شانون پر سوار ہوئے۔ اور اُنھین قصر شاہی کی طرف لے چلے۔ لیکن قصر کے پاس پہونچ کے بجائے اس کے کہ پھاٹک کے اندر داخل ہون انھین محل کے پچھواڑے لے گئے۔ اور وہان ایک غار مین جو اسی غرض کے لیے رات ہی کو ملکہ کے حکم سے کھود رکھا گیا تھا پھینک دیا۔ پھر اوپر سے مٹی ڈال کے اُنھین زندہ دفن کر دیا۔

اب ملکہ اولغا کو اون لوگون سے انتقام لینے کا موقع ملگیا تھا۔ ان سفیرون کا کام تمام کرتے ہی ڈریولیان لوگون کے پاس اپنے چند ہوشیار افسر بھیجے جنھون نے اُن لوگون کے سردار سے کہا "ہماری ملکہ کو آپ سے شادی کرنا خوشی سے منظور ہے۔ آپ کے سفیر جو گئے ہین قدر و منزلت سے وہان مہمان رکھے گئے ہین۔ اور ملکہ محترمہ چاہتی ہین کہ آپ اپنے تمام معزز سردارون کو بھیجے تاکہ وہ انھین دھوم دھام اور تزک و احتشام سے یہان لے آئین۔ کیونکہ بغیر کرو فر اور اعلی درجے کے جلوس کے وہ اپنے شہر سے باہر قدم نہین نکال سکتین۔" ڈریولیان لوگون کا سردار تو ہوس ملک گیری اور اولغا کے عشق مین از خود رفتہ ہو ہی رہا تھا۔ فوراً اپنے کل معزز سرداران فوج کو حکم دیدیا کہ جاؤ ملکہ اولغا کو نہایت ہی قدر و منزلت اور شاہانہ شان و شوکت سے لے آؤ۔ یہ لوگ ان روسی سفیرون کے ساتھ نوغراد مین پہونچے۔ جہان اُن کا بہت کچھ استقبال کیا گیا۔ اور اس کے بعد وہ حمام مین بھیجے گئے تاکہ غسل کر کے ملکہ اولغا کی خدمت مین باریاب ہون۔ جیسے ہی حمام مین داخل ہوئے اُس کے دروازے باہر سے بند کر دیئے گئے۔ اور آگ تیز کر دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی لمحون مین سب کے سب حمام کے اندر گھٹ گھٹ کے مر گئے۔

یون بڑی سہولت کے ساتھ ان لوگون کو نذر اجل کر کے اولغا نے خود روانہ ہونے کی تیاریان کر دین۔ اور ایک قاصد کو آگے بھیجا جس نے تیزی کے ساتھ

جا کے ڈریولیان کے سردار کو مژدہ سُنایا کہ "ملکہ اولغا روانہ ہو چکین۔ آج ہی کل مین پہنچا چاہتی ہین۔ وہ پہلے اپنے شوہر کی قبر پر ماتم و نوحہ خوانی کرین گی۔ پھر آپ سب صاحبون کو ایک دعوت دین گی۔ جس کے بعد شادی کے رسوم عمل مین آئین گے۔"

یہ خوش خبری سنتے ہی سردار ڈریولیان کی یہ حالت ہوئی کہ جامے مین پھولا نہ سماتا تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ساری قوم کو لے کے استقبال کے لیے شہر کے باہر آیا۔ بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ ملکہ اولغا سے ملا۔ لیکن خلاف توقع اُس کے ہمراہ اپنے ایک سردار کو بھی نہ دیکھ کے پوچھا "میرے سردار کہان ہین؟" جواب ملا کہ "وہ پورے لشکر روس کے ساتھ پیچھے پیچھے آ رہے ہین۔" اس جواب پر وہ مطمئن ہو گیا۔ اور اولغا نے اپنی قرارداد کے مطابق پہلے اپنے شوہر اغور کی قبر پر نوحہ خوانی کی۔ ماتم کیا جی بھر کے روئی۔ اور اپنی قیام گاہ مین آ کے دعوت کا سامان کیا۔ یہ دعوت نہایت ہی پُر تکلف اور شاندار تھی۔ تمام ڈریولیان لوگ حسب مرتبہ قدر و منزلت سے بٹھائے گئے۔ دسترخوان چُنا گیا۔ سب نے لذیذ غذائین تناول کین۔ سیر ہو کے کھایا۔ اور شراب کے دور چلنے شروع ہوئے۔ عمدہ قیمتی اور تیز شرابین مہیا کی گئی تھین۔ جن کے زیادہ تیز کرنے کے لیے کیا عجب کہ اُن مین اور بھی مختلف منشی اجزا ملا دیے گئے ہون۔ کیونکہ دو ہی چار جام مین جتنے تھے مدہوش و از خود رفتہ تھے اور شور مچا ہوا تھا کہ ؎

دور چلے دور چلے ساقیا ۔۔۔ اور چلے اور چلے ساقیا

عین اسی حالت مین کہ کسی کو سر و پا کا ہوش نہ تھا۔ اور ملکہ اولغا لوگون کی از خود رفتگیون کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ناگہان روسی سپاہی نیزے اور تلوارین لیے ہوئے ان لوگون پر جھک پڑے۔ ڈریولیان لوگون کی یہ حالت ہوئی کہ بھاگنا چاہتے تھے مگر بھاگنے کے قدم نہ تھے۔ اٹھ اٹھ کے گرتے تھے اور قتل ہوتے تھے جن

چند لوگون کا نشہ ہرن ہو گیا تھا وہ تو اپنے سردار کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے باقی پانچہزار آدمی اُسی جگہ کاٹ کے ڈال دیئے گئے۔

اِس طریقہ سے اولغا نے ڈریولیان لوگون کی قوت بالکل توڑ دی اور انھین حیران و پریشان اور ترسان و لرزان چھوڑ کے اپنے شہر مین واپس آئی۔ ایک برس گزر گیا۔ اور ڈریولیان لوگون کو سوا خاموش پڑے رہنے کے سر اٹھانے کی جرأت نہین ہوئی۔ اولغا کے سینے مین ابھی تک انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ دوسرے برس اپنے ننھے بچے کو ساتھ لے کے سپاہ روس کی سپہ سالاری کرتی ہوئی وہ لغا ڈریولیان پر چڑھ آئی۔ ڈریولیان کو مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔ اپنے قلعہ مین جا کے بیٹھ رہے۔ اور پھاٹک بند کر لیئے۔ ملکہ اولغا نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور بڑی بہادری سے اپنے لشکر کو لڑاتی اور قلعے پر دھاوے اور حملے کرتی رہی۔ مگر قلعہ نہایت ہی مضبوط تھا۔ ہزار کوشش کی کچھ بھی زور نہ چل سکا۔ اور ڈریولیان قسم کھا گئے تھے کہ چاہے بھوکے پیاسے مر جائین مگر قلعے کا دروازہ نہ کھولین گے۔ خلاصہ یہ کہ محاصرے کو ایک مدت گذر گئی اور فوج روس کے بنائے کچھ نہ بنی۔

اب ملکہ اولغا نئی تدبیرون مین مصروف ہوئی جو عورتون ہی کے لیئے خاص ہین۔ اور جن سے اکثر عورتون نے بڑے بڑون پر فتح پائی ہے۔ اُس نے قلعے والون کے پاس ایک سفیر کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ کیا ارادہ ہے؟ اب کیا تم نے دل مین یہی ٹھان لی ہے کہ قلعے مین پڑے سڑا کرو؟ او بفاقے کر کر کے مر جاؤ؟ مانا کہ تمھارا قلعہ مضبوط ہے مگر رسد کا کیا انتظام کرو گے؟ اور یہ بھی سہی۔ مگر کب تک؟ مین نے بھی قسم کھائی ہے کہ بے فتح کیئے نہ جاؤن گی۔ ہان اگر تم صلح پر آمادہ ہو تو مین نہایت ہی آسان شرطون پر تمھارا قصور معاف کرنے کو تیار ہون۔

اور ایسا اخراج قبول کرلون گی جو محض برائے نام ہوگا۔ اور جس کا تم پر بار نہ پڑے گا۔ فقط اتنا چاہتی ہون کہ تم مین سے ہر شخص اپنے گھر سے تین کبوتر اور تین گرگریان (خانگی چڑیان) پکڑ کے میرے پاس بھیجدے۔ جن سے تمہاری اطاعت کا اظہار ہو جائے گا۔ اور مین اِس معمولی اور بے آزار خراج کو لیکے چلی جاؤن گی" ڈریولیانی لوگون کے سردارون نے یہ پیام سُن کے کہا "یہ کون سی مشکل بات ہے؟ اگر ملکہ ایسی نہایت آسان شرط پر صلح کرنے کو آمادہ ہین تو ہم خوشی سے اُن کی اطاعت قبول کرتے ہین۔ اور عنقریب ہر گھر سے کبوتر اور چڑیان پکڑوا کے نذر کر دینگے۔ وہی تین دن کے اندر کبوتر اور چڑیان ملکہ اولغا کے ملاحظے مین پیش کردی گئین۔

ملکہ نے اِس عجیب و غریب خراج کے وصول ہوتے ہی حکم دیا کہ جتنے کبوتر اور چڑیان ہین اُتنے ہی گچھے اور گیند تیار کرکے تیل مین ڈبو دئے جائین اور پھر اُن کبوترون اور چڑیون کی دمون مین تارون وغیرہ کے ذریعے سے باندہ دئے جائین۔ سپاہیون نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور شام ہی وہ گچھے اور گیند مشعلون کی طرح روشن کر دئے گئے اور ملکہ کے حکم سے وہ تمام کبوتر اور چڑیان چھوڑ دی گئین۔ جن کے اُڑتے ہی آسمان پر ایک عجیب قسم کی آتش بازی کا تماشا نظر آیا۔ اور معلوم ہوا کہ لشکر روس سے ہزارہا ہوائیان چھوٹ رہی ہین۔ اور آسمان پر آگ سی لگی ہوئی ہے۔ جس تماشے کے دیکھنے کے لیے ڈریولیان لوگ اپنے کوٹھون اور قلعے کے برجون پر چڑھ آئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب وہ کبوتر اور چڑیان اپنے گھرون اور آشیانون کی تلاش مین قلعے کیطرف آنے اور اُترنے لگین تو جہان بیٹھین اور جس گھر مین آئین اُس مین آگ لگادی۔ ڈریولیان بہوت و بدحواس کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ قلعے کے ہر کونے اور آبادی کے ہر گھر سے شعلے بلند ہونے لگے۔ عورتین اور بچے بلبلا بلبلا کے گھرون سے باہر نکل آئے۔ اور آخر آگ یہان تک بڑھی کہ قلعے کے اندر کسی کو پناہ نہ مل سکتی تھی اور

سوا جل کے مرجانے کے کوئی مفر نہ تھا۔ گھبرا کے قلعے کے پھاٹک کھول کے باہر نکلے اور ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔

یہ دیکھ کے ملکہ اولغا نے فوراً حملہ کر دیا۔ روسی سپاہی ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ جو جدھر جاتا مارا جاتا تھا۔ اس طرح ہزارہا ڈریولیان لوگ مارے گئے اور ان کی پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی۔ اولغا نے ان کا خوب اچھی طرح قلع قمع کرنے کے بعد جب دیکھا کہ اب قلعے مین جو کچھ تھا جل چکا تو اُس تباہ شدہ قلعے کو اپنے قبضہ مین کیا۔ اور اس سرکش گروہ مین ذرا بھی قوت نہین باقی رکھی کہ کبھی سر اُٹھا سکے۔

اس کے بعد وہ غانم وسالم شہر کیف مین ہوتی ہوئی اپنے شہر نوغراد مین پہونچی اور سپاہیون کو انعام و اکرام تقسیم کیا۔ اولغا نے اُن لوگون سے اگرچہ نہایت ہی بیرحمی سفاکی اور مکاری کے ساتھ انتقام لیا۔ مگر اس کے بعد پھر کسی امر مین اُس سے کسی قسم کی سنگدلی اور بے رحمی نہین ظاہر ہوئی۔ دارالسلطنت مین واپس آنے کے بعد اُس نے بڑی عقلمندی اور عدالت گستری سے حکومت کی۔ اور تمام رعایا کے دل اپنے ہاتھ مین لے لیئے۔

اب اُس کی زندگی کا دوسرا رخ نمودار ہوا۔ کیونکہ وہ بہادر اور مدبر ہونے کے علاوہ دین کی بڑی پابند اور نہایت ہی عابد و زاہد بھی تھی۔ دین عیسوی سارے یورپ مین پھیل چکا تھا۔ اپنی بت پرستی کو ملکہ اولغا اپنی قوم کی قدیم جہالت و بے عقلی کا نتیجہ خیال کرتی تھی۔ اور قوم روس محسوس کر رہی تھی کہ متمدن بننے کے بعد اُسے کسی اعلےٰ درجہ کے متمدن مذہب کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاہم ابھی اس کو تھوڑا زمانہ باقی تھا کہ قوم روس مذہب عیسوی کو اختیار کرے۔ مگر ملکہ اولغا کو اپنی قدیم بت پرستی کے عیوب نظر آ گئے تھے۔ اور ملت مسیحیہ کے قبول کرنے کے لیئے بیتاب تھی۔ مگر اُس کے خیال مین یہ مناسب نہ تھا کہ مین جو قوم کی حکمران اور فرمانروا ہون پُرانے مذہب کو چھوڑ دون۔ اور قوم اپنی قدیم حالت پر برقرار رہے اس لیئے ۹۵۵ھ مین جب سلطنت

کو اُس نے خوب مضبوط اور دشمنون اور خطرون سے صاف کر دیا تھا۔ عنان حکومت اپنے بیٹے کے ہاتھ مین دیدی۔ اور خود تخت شاہی سے اُتر کے گوشۂ عافیت مین بیٹھ گئی۔

اب اُس کا بیٹا تو اپنے قومی مذہب کا پابند رہا مگر وہ خود آمادہ ہوئی کہ دین مسیحی اختیار کرکے باقی زندگی ریاضت و نفس کشی مین صرف کر دے۔ چنانچہ سلطنت کو بیٹے کے سپرد کرتے ہی اُس نے قسطنطنیہ کا سفر کیا جو کہ اُن دِنون مسیحی فرقون مین کلیسائے یونان والون کا مرکز تھا۔ وہان کے کنیسۂ سینٹ صوفیا کی عظمت و شوکت زورون پر تھی۔ اور اسی شان و شوکت نے اولغا کو اس مذہب کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ یہان کے مقتدائے اعظم (پیٹریارک) نے اُسے بپتسما دے کے اُس کا مسیحی نام "ہلین" قرار دیا۔ اور اُسے نہایت ہی عزت کے ساتھ تاجدار روم بورفیروجینی طوس الملقب بہ مورخ کے دربار مین پیش کیا۔

قسطنطنیہ سے واپس جاکے وہ گوشۂ عزلت مین بیٹھ گئی۔ اور عبادت و ریاضت مین اس قدر مصروف ہوئی کہ عیسائیون نے اُسے "سینٹ دولیہ" کا لقب دیا۔ اس زمانے مین اُس نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ اپنے بیٹے فرمانروائے روس کو دین عیسوی کا پیرو بنا لے۔ مگر اس مین کامیابی نہین ہوئی۔ اور بیٹے نے اپنے قدیم مذہب سے دست بردار ہونا نہین گوارا کیا۔

آخر اسی عبادت و ریاضت اور رہبانیت و نفس کُشی مین اُس نے ۹۶۸ء مین دنیا کو خیرباد کیا۔ اور مسیحیون کے اصول کے مطابق دفن ہوئی +

کیتھرائن ملکۂ روس (اوّل)

مملکت روس مین اس نام کی دو ملکہ گزری ہین۔ مگر حُسن کی کرشمہ سازیون کا سب سے زیادہ مکمل نمونہ پہلی کیتھرائن ہے جس کے دلچسپ حالات لکھنے کے لیئے ہم نے قلم کو اُٹھایا ہے۔

جن لوگون نے نورجہان بیگم کے حالات پڑھے ہین وہ تعجب کرتے ہین کہ کس غربت و مصیبت اور فلاکت و مسکنت کی حالت مین پیدا ہوئی اور محض اپنے حسن و جمال کی قوت سے کس اعلےٰ عروج اور کس شان و شوکت اور عظمت و جبروت کے درجہ کو پہونچگئی۔ لیکن مقابلہ کر کے دیکھئے تو کیتھرائن کے حالات نورجہان سے زیادہ حیرت انگیز نظر آتے ہین۔ جو گمنامی مین پیدا ہوئی۔ ایک معمولی سپاہی کے ساتھ نکاح ہوا۔ لونڈیون کی طرح گرفتار کر کے اپنے وطن سے لائی گئی۔ اور آخر اپنی خوش جمالی کی قوت سے پٹرس اعظم شہنشاہ روس کی ملکہ ہی نہین اُس کے جان و مال کی مالک ہوگئی۔ ان دونون مشرقی و مغربی شہنشاہ بیگمون مین یہ فرق بھی نظر آتا ہے کہ نورجہان بیگم باوجود اعلیٰ اقتدارات اور اپنے نام کا سکّہ تک جاری کرا دینے کے نہایت ہی پاک دامن و عصمت شعار تھی اور ہر حال مین اُس کا دامن بے عصمتی کے دھبون سے پاک رہا۔ بہ خلاف اس کے کیتھرائن اپنے دامن کو بدکاری و بے عصمتی کی نجاست سے نہ بچا سکی بلکہ عروج کا آغاز ہی بدکاری سے ہُوا۔

یورپ کے انتہائی شمال مین اور قطب شمالی سے قریب ایک جزیرہ نما ہے جو ممالک سویڈن

اور ناروے پر حاوی ہے۔ یہ جزیرہ نما نقشہ مین ایسا نظر آتا ہے کہ گویا بر اعظم کے درخت سے بید مجنون کی سی ایک شاخ لٹک کے بائین طرف جھک پڑی ہے۔ اسی سرزمین مین ایک چھوٹا صوبہ لیوونیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہی جو سوئیڈن کی قلمرو مین شامل ہے۔ سلطنت سوئیڈن کی فوج کا ایک ادنیٰ درجہ کا افسر "جان راب" نامی لیوونیا مین رہتا تھا جس کے گھر مین آج سے دو صدی پیشتر ۱۶۸۲ء مین ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جو اُس وقت عزیزون اور ہم وطنون کو نہایت ہی منحوس و سبز قدم نظر آئی۔ ہنوز ماں کے پیٹ ہی مین تھی کہ باپ دنیا سے رخصت ہوگیا۔ غریب ماں نہایت ہی افلاس و فلاکت کی حالت مین تھی نہ کوئی خبرگیران تھا اور نہ کوئی پرسان حال۔ تاہم فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کر کے تین سال تک دودھ پلایا۔ مگر بمشکل رضاعت کی مدت بھی پوری کرنے نپائی تھی کہ مصائب زمانہ کو نہ برداشت کرسکی اور ایڑیان رگڑ رگڑ کے مر گئی۔

اب اس تین برس کی ننھی سی جان کا کوئی والی و وارث نہ تھا۔ گاؤن کے ایک شخص کو ترس آگیا۔ اپنے گھر لے گیا۔ اور چند سال رکھ کے پالا۔ اس کے چند روز بعد ایک پراٹسٹنٹ پادری نے اُسے شہر "مرین برگ" مین لیجا کے رکھا اور اپنے لڑکون کی خدمت پر مامور کیا۔ اب یہ لڑکی ذرا ہوشیار ہو چکی تھی۔ پادری صاحب کے لڑکون کی خدمت بڑی سرگرمی اور شوق سے بجالاتی۔ اور جہان تک بنتا انھین آرام پہونچاتی۔ پادری صاحب کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ یہ لڑکی پاس بیٹھ کے اُن کو سبق یاد کرنے کا شوق دلاتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُن سے سیکھ کے خود بھی لکھتی پڑھتی۔ اور علم و فضل مین ترقی کرتی۔ یہ لڑکی جیسی حسینہ و جمیلہ تھی ویسی ہی ذہین و طباع۔ پادری صاحب کے لڑکون نے تو خیر کچھ نہ کچھ ترقی کی ہی ہوگی۔ مگر اس نوخیز اور ذہین لڑکی نے چپکے چپکے ہی لکھ پڑھ کے علم و فضل مین جو مرتبہ حاصل کرلیا

بہت غیر معمولی تھا۔

اب اِس حسین و پری جمال دوشیزہ کا عہد شباب تھا ع جوانی کی راتین مرادون کے دن۔ جوانی کی اداؤن نے حسن کی آب و تاب کو چمکا دیا اور شباب نے اُس کی نظر فتان کے تیرون پلکون کے خنجرون اور ابرؤن کی تلوارون پر باڑھ رکھدی سویڈن کی کسی سپاہی کی اُس پر نظر پڑی اور نظر پڑتے ہی گھائل ہو گیا۔ اگرچہ اُس کے حسن کا آفتاب حسینان عالم کے چراغ گل کئے دیتا تھا۔ مگر غربت و فلاکت کے باعث خود اُسے اپنی اور اپنے اس زاہد فریب حسن کی قدر نہ تھی۔ اُسی پہلے قدردان حسن کے ساتھ نسبت ٹھہر گئی اور سنہ ۱۷۰۱ء مین نکاح ہو گیا۔

شادی کو مشکل سے پورا سال گزرا ہو گا کہ سلطنت روس نے سویڈن پر چڑھائی کر کے شہر مرین مرگ پر قبضہ کر لیا۔ اس موقع پر بھی یہی نظر آیا کہ مصیبت اور بُری قسمت نے ابھی تک اُس غریب لڑکی کا ساتھ نہین چھوڑا۔ کیونکہ اُن کا شوہر وطن کی حمایت مین مارا گیا۔ اور روسی جنرل باور زبردستی پکڑ کے اُسے اپنے ساتھ رُوس مین لے آیا۔

یہی حسین لڑکی کیتھرائن تھی جو ایسی تباہیون اور بدقسمتیون کے ساتھ گرفتار ہو کے ملک روس مین آئی ہے۔ لیکن اُس کے یہان آنے کی شان اگرچہ نہایت ہی بیچارگی و بے حرمتی اور بے کسی و بے بسی کی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بدقسمتی کو وہ اپنے وطن ہی مین چھوڑتی آئی۔ کیونکہ اسی وقت سے نصیبہ نے یاوری شروع کی۔ اور اب اُسے پستی سے بلندی اور ذلت سے عزت کی طرف عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ اِس گرفتاری و اسیری سے پیشتر اُس کی زندگی ایسی گمنامی کی حالت مین گزری تھی کہ اُس وقت کے جو کچھ حالات ابھی بیان کیئے گئے ہین افسانہ سے زیادہ وقعت نہین رکھتے۔ مختلف راوی مختلف

حالات بیان کرتے ہین اور اس زمانہ کے مورخون کو اُن کا بہت کم اعتبار ہے۔ تاہم جو کچھ واقعات ہم نے بیان کیئے ہین یہی سب مین زیادہ معتبر تصور کیئے جاتے ہین۔

الغرض جنرل بادر نے کیتھرائن کو لا کے اپنے گھر مین رکھا۔ چونکہ جنرل بادر سے اور اُس عہد کے روسی رئیس اعظم لارڈ مینچی کوف سے دوستانہ تعلقات تھے لہذا کیتھرائن کی رسائی لیڈی مینچی کوف کے گھر مین ہوئی۔ یہ معزز خاتون ستم زدہ کیتھرائن کے حال پر مہربانی کرتی تھی۔ اور اُسے اپنے اوپر مہربان دیکھ کے کیتھرائن کبھی کبھی اُس کے وہان چلی جاتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن اُس پر لارڈ مینچی کوف کی نظر پڑ گئی۔ اور پہلی ہی نظر مین یہ عالم ہوا کہ ع صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ۔ مگر یہ لارڈ صاحب ابھی اپنی آرزوئین دل ہی مین چھپائے ہوئے تھے کہ ایک دن اُن کے گھر مین شہنشاہ پٹرس اعظم آیا۔ اُس نے جو کیتھرائن کی بانکی چتونین دیکھیں تو بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا۔ پاس بُلا کے کچھ پوچھا گچھا۔ جواب مین اُس کی میٹھی میٹھی باتون اور سُریلی آواز نے اور زیادہ سحر آفرینی کی۔ اور شہنشاہ زخمی دل کے ساتھ اپنے ایوان شہریاری مین گیا۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی صورت ہر وقت نظر کے سامنے پھرتی رہتی۔ آخر دل کے ہاتھون مجبور ہو کے شہنشاہ پٹرس نے کیتھرائن سے راہ و رسم پیدا کیا۔ تعلقات بڑھائے۔ اور اب یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی شوخ نگاہین اور چلبلی ادائین روز بروز زیادہ اثر کرتی جاتی تھین۔

پٹرس چند ہی روز پہلے اپنی پہلی بی بی کو اختلاف مذاق اور باہمی نااتفاقی کی وجہ سے طلاق دے چکا تھا۔ اور اس کا دل بیشتر ہی سے کسی ایسی حسینہ کو ڈھونڈھ رہا تھا جسے ہمدم و ہم تار بنا کے اپنے درد و دکھ مین شریک کرے۔

لیکن ایک ایسی ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت کو یک بیک اپنا شریک سلطنت بنانے کی جرأت نہ ہوسکی۔ خفیہ طور پر کیتھرائن سے ناجائز تعلقات پیدا کرلیے۔ کیتھرائن نے شہنشاہ کا دل اپنے ہاتھ مین لینے کے بعد روز بروز ایسی جان ستان اداؤن اور دلربائی کے ناز و انداز سے کام لیا کہ چند ہی روز مین بادشاہ اُس کا درم ناخریدہ غلام تھا۔ آخر پٹرس کو اس مین بھی چین نہ پڑا کہ اپنے دل کی مالک معشوقہ سے مخفی تعلقات رکھے اور ظاہر مین نہ مل سکے۔ پوشیدہ طور پر رومی گرجہ مین لیجاکے اور پادریون سے سازکر کے اُس کے ساتھ بالکل مخفی طور پر نکاح پڑھوالیا۔ اور "کیتھرائن الکزنیا" اُس کا لقب قرار دیا۔ خفیہ طور پر تمام امرا مین اس نکاح کی بابت سرگوشیان ہو رہی تھین۔ جن کا اثر یہ تھا کہ مخالفت کا ہنگامہ وبے ہی دبے سرد پڑ گیا۔ اور سب لوگ اس خبر سے مانوس ہو گئے۔ کہ شہنشاہ کی بی بی ایک ادنیٰ درجہ کی مجہول الحال عورت ہے۔ لیکن شہنشاہ کے دل کو ابھی تک چین نہ تھا وہ اس بات کو بھی گوارا نہ کرسکتا تھا کہ مین تخت سلطنت پر بیٹھ کے دربار کرون اور میرے پہلو مین شہنشاہ بیگم کی حیثیت سے کیتھرائن نہ بیٹھی ہو۔ آخر جب کسی طرح صبر نہ آیا تو ۱۷۱۲ء مین اپنے اس نکاح کا اعلان کر دیا۔ اسوقت کیتھرائن کی عمر پورے ۳۰ سال کی تھی جبکہ وہ نہ ایک الھڑ عروس چاردہ سالہ تھی اور نہ ایسی سن رسیدہ کہ حسن وجمال کا انحطاط شروع ہوگیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اُس زمانہ مین وہ ایک ایسی معشوقہ شیرین ادا تھی جو دلربائی و دلبری کے فن مین پورا کمال رکھتی ہو۔ اب کیا تھا۔ جلوت وخلوت مین ہر جگہ کیتھرائن شہنشاہ کے ہمراہ تھی۔ تمام مہمات سلطنت مین مشورہ دیتی تھی اور ملک پر جیسی حکومت کیتھرائن کر رہی تھی خود پٹرس بھی نہ کرسکتا تھا۔

اظہار نکاح کی محرک یہ بات ہوئی کہ ۱۷۱۱ء مین دولت عثمانیہ اور سلطنت روس مین لڑائی چھڑ گئی۔ فوج کشی کی ضرورت سے پٹرس کو میدان جنگ مین

جانا ضروری تھا۔ مگر پیاری کیتھرائن کو چھوڑ کے جانا اُس کے امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ بغیر اُس کے ایک دم کے لیئے بھی چین نہ آسکتا تھا۔ اور بہت کچھ غور و فکر کے بعد جب اُسے یقین ہو گیا کہ کیتھرائن کے فراق کو مین کسی طرح برداشت نہ کر سکونگا تو اپنے اُس کے تعلقات آشکارا کر دئے۔ اور بے تکلف نکاح کا اعلان کر دیا گیا۔ امرائے ملک کو اُس وقت اپنے ملک اور اپنی آزادی بچانے کی فکرین تھین۔ کسی نے اُس نکاح کو سُن کے جس کی سُن گن پہلے ہی پا چکے تھے ناراضی نہین ظاہر کی اور پٹرس اعظم کیتھرائن کو ایک عالی مرتبہ شہنشاہ بیگم کی شان سے ہمراہ لے کے جوش و خروش کے ساتھ میدان جنگ کیطرف روانہ ہوا۔

اِس سفر نے کیتھرائن کو پٹرس کی نظر مین اور زیادہ عزیز بنا دیا۔ اپنے طرز عمل سے اُس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا کہ وہ فقط ایک ناز آفرین دلربا مہ جبین معشوقہ نہین بلکہ ایک انیس و ہمدرد بی بی۔ بلند حوصلہ و اولوالعزم ملکہ اور صاحب الرائے مشیر و مدبر بھی ہے۔ وہ ہر معاملہ مین شہنشاہ کو اچھی اور صائب رائے سے مشورہ دیتی تھی۔ افکارہ آلام مین اُس کی دلداری کرتی۔ بیماری مین اعلیٰ درجہ کی تیماردار بن جاتی۔ میدان جنگ مین اُس کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے رہتی۔ اور خطرونمین کبھی اُس کے پاس سے جدا نہ ہوتی۔ یہی نہین نیکی اور بھلائی کے کامون پر بادشاہ کو آمادہ کر کے اُس سے ایسے کام کراتی۔ کہ فوج اور رعایا کے دلون پر اس کی محبت کا نقش روز بروز زیادہ گہرا پڑتا جاتا۔ سپاہیون کے ساتھ وہ نہایت ہی لطف و محبت سے پیش آتی۔ اور خود جا کے غریب سپاہیون کی خدمت کرتی۔ اور تسلی و تشفی کے ساتھ اُن کے حوصلہ بڑھاتی۔

مگر اس لڑائی مین ترک روز بروز غالب ہی آتے جاتے تھے۔ عثمانی عساکر بڑہتے چلے آتے تھے۔ اور روک تھام کی کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی۔ ترکی لشکرون نے شہنشاہ

پٹرس کو نہایت عاجز کر دیا اور اُسے شکست و ناکامی کا بالکل یقین ہو گیا۔ ایسی نازک حالت مین وہ ملول و حزین متفکر و پریشان اپنے خیمہ مین تن تنہا جا کے بیٹھ رہا اور روسیون کو حکم دے دیا کہ خبردار کوئی شخص چاہے کوئی ہو میرے خیمہ کے اندر قدم نہ رکھنے پائے کیتھرائن نے اُس کی یہ حالت سُنی تو بیتابی کے ساتھ دوڑی گئی۔ سپاہیون نے منع کیا مگر اُس نے پروانہ کی اور بے تکلف خیمہ کے اندر گھسی چلی گئی۔ شہنشاہ اُس کی صورت دیکھ کے خوش ہوا۔ گویا یہ پیاری محبت بھری صورت دیکھتے ہی دل کو تسلی ہو گئی۔ اور بولا "خوب آئین! اس وقت تمہاری ہی ضرورت تھی۔ تمہاری رائے اکثر صائب ہوا کرتی ہے۔ اب بتاؤ کہ اس معاملہ مین کیا کرون؟" کیتھرائن نے غور کر کے کہا "میرے نزدیک تو یہ مناسب ہے کہ آپ ترکون سے صلح کر لیں اور حکم دے دین کہ اُن کے جن جن شہرون پر روسیون نے قبضہ کیا ہو چھوڑ دیئے جائین۔ رہا یہ امر کہ آپ سمجھتے ہین اب ترک صلح پر راضی نہ ہون گے۔ اس کی مین ذمہ دار ہون۔ اور وعدہ کرتی ہون کہ آپ کا اشارہ پاتے ہی محمد پاشا سپہ سالار عثمانی کو راضی کر لون گی۔" اس کی یہ تجویز سُن کے پٹرس خوش ہوا۔ اور اُسے صلح کی تحریک کرنے کی اجازت دی۔ کیتھرائن نے شہنشاہ کا اشارہ پاتے ہی ایک معتبر ہوشیار اور عقلمند روسی سردار کو بہت سے زر و جواہر اور قیمتی تحفون اور ہدیون کے ساتھ محمد پاشا کے پاس روانہ کیا۔ یہ سفارت شہنشاہ کی مرضی کے موافق کامیاب ہوئی۔ شرائط صلح طے ہو گئے۔ اور دونون طرف کے لشکر واپس روانہ ہوئے۔ بعض متاخر مورخین کا بیان ہے کہ اس صلح مین کیتھرائن کو دخل نہ تھا خیر اُسے دخل ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ خود پٹرس اعظم کو اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ترکی سپاہیون کی دست بُرد سے مجھے اور میرے لشکر کو ملکہ ہی نے اپنے حسن کارگزاری سے نجات دلائی۔ چنانچہ اسی زمانہ مین کیتھرائن

کے احسانات کے ادائے شکریہ کے طور پر پیٹرس اعظم نے معزز و کارگزار خاتون کی عزت افزائی کے لیئے ایک زنانہ اعزازی تمغہ اور خطابات ایجاد کیا جو "سینٹ کیتھرائن" کے لقب سے آج تک مروّج ہے۔

اِس صلح کے تین سال بعد کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کی ولادت پر زار روس پیٹرس نے بڑی خوشیان منائین۔ بی بی کی یادتازی رکھنے کے لیئے اُس کا نام کیتھرائن رکھا اور جب تک زندہ رہا ہر سال ایک قومی عید کی حیثیت سے اُس کی سالگرہ منایا گیا۔ یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ اِس شاہزادی کے پیدا ہونے سے چند روز پہلے سویڈن کے بیڑون پر روسیون کو نمایان فتح حاصل ہوئی تھی اور وہان کا فرمان روا گرفتار کرکے سینٹ پیٹرس برگ مین لایا گیا تھا۔ چنانچہ فتحیاب افسرون اور پابزنجیر قیدیون کا داخلہ عین اُسی دن ہوا۔ جس روز شاہزادی کی ولادت پر خوشیان منائی جارہی تھین۔ لہذا اس عید مین اور دھوم دھام اور شان وشوکت پیدا ہوگئی۔

پیٹرس اعظم نے اِس سے پہلے خفیہ طور پر ممالک یورپ کا ایک سفر کیا تھا جس مین اُس نے عالم کی نظر سے مخفی رہ کے وہان کی ترقیون اور تاجرانہ اُولوالعزمیون کو خوب غائر نگاہ سے دیکھا تھا اس سفر نے دل مین شوق پیدا کر رکھا تھا کہ یورپ کا ایک سفر علانیہ طور پر اور شاہانہ شان وشوکت سے بھی کرے۔ اور وہان کے انتظامات سلطنت کو دیکھے۔ چنانچہ اس آرزو کے پورا کرنے کا اب موقع ملا۔ اور ملکہ کیتھرائن کو ساتھ لے کے نہایت ہی کروفر اور شوکت وحشمت سے روانہ ہوا۔

اثنائے سفر مین کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صرف ایک ہی دن زندہ رہنے کے لیئے دنیا مین آیا تھا۔ وضع حمل کی ضرورت سے ملکہ دو چار روز کے لیئے ایک مقام پر ٹھہر گئی۔ اور زار روس آگے بڑھ گیا۔ مگر کیتھرائن کو صاحب

تاج و سریر شوہر کی مفارقت اِس قدر گران تھی کہ زچگی سے فراغت ہوتے ہی بغیر اس کے کہ اپنی کمزوری و معذوری کا کچھ بھی خیال کرے۔ چل کھڑی ہوئی۔ اور جلد جلد منزلین طے کر کے اُس سے جا ملی۔

اب پطرس اعظم کو دنیا مین ملکہ کیتھرائن سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی محبت ہی نہین اپنے آرام اور اپنی زندگی اُس کی زندگی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ بدنصیبی سے خدا نے اُسے کوئی وارث تاج و تخت بیٹا نہین دیا تھا جس کے دم سے آیندہ کی امیدین وابستہ ہوتین۔ ان مجموعی باتون نے دل پر اثر کر کے اُسے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جان سے زیادہ پیاری بی بی کو باضابطہ طور پر تاج شہنشاہی پہنائے اور اُس کو اپنا وارث سلطنت قرار دے۔ چنانچہ اُس نے ایک نیا عالی شان گرجا تعمیر کرایا جس کو اپنی شہنشاہ بیگم کے نام سے نامزد کیا۔ اُسی کنیسہ مین ۱۷۲۴ء مین کیتھرائن کو بڑے جلوس اور نہایت تزک و احتشام سے لے جا کے تاج شہنشاہی پہنایا۔ ملکہ کے جلوس مین خود شہنشاہ ایک فوجی افسر کی طرح پا پیادہ گرجے تک گیا وہان اپنے ہی ہاتھ سے اُسے تاج قیصری پہنایا۔ اور ملکہ کی تاج پوشی کے بعد اپنی طرف سے ایک اعلان پڑھ کے سُنایا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"از جانب شہنشاہ اعظم مالک دولت روس بنام جملہ مقتدایان دین و والیان ممالک و سرداران فوج و رعایائے ممالک محروسۂ روس جو لوگ دیانت و امانت کی صفت سے متصف ہین۔ تم سب جانتے ہو کہ تمام ممالک مسیحی مین قدیم الایام سے رواج چلا آتا ہے۔ کہ سلاطین اپنی شریک زندگی ملکاؤن کو تاج شاہی پہناتے ہین۔ جس طرح یہ دستور آج جاری ہے۔ اُسی طرح ازمنۂ ماضیہ مین بھی مسیحی المذہب مشرقی شہنشاہان روم مین بھی جاری تھا۔ قیصر بازلند نے اپنی ملکہ زبونیہ کو قیصر جسٹی نین نے اپنی ملکہ لوئی سینا کو۔ قیصر ہرقل نے اپنی بی بی مرتینہ کو۔

اور قیصر لیون فلسفی نے اپنی بی بی ماریہ کو اور دیگر قیاصرۂ روم نے اپنی شہنشاہ بیگمون کو تاج شہریاری پہنائے جن کی فہرست بتانے کی ضرورت نہین - اس کے ساتھ اس بات سے بھی سب لوگ بخوبی واقف ہین کہ اس پچھلی لڑائی مین جو مسلسل ۱۲ سال تک جاری رہی ہم نے ملک مین امن و امان قائم رکھنے کے لیئے سخت سے سخت مصیبتون کا سامنا کیا اور بڑی دشواریون سے لڑتے رہے بفضلہ تعالیٰ ان لڑائیون کا خاتمہ پوری کامیابی پر ہوا اور جیسی باوقعت صلح اس موقع پر حاصل ہوئی ہے - اس سے پہلے کبھی سلطنت روس کو نہین نصیب ہوئی تھی - اور نہ ہماری قوم کو کبھی ایسا فخر حاصل ہوا تھا جیسا کہ فی الحال اس موقع پر حاصل ہوا - ان مہمون مین ہماری بی بی ملکہ کیتھرائن نے نہایت خلوص دلی اور مستعدی و دانائی سے ہماری مدد کی - اور بارہا نازک موقعون پر اُس نے ہمارے لیئے اپنی زندگی خطرون مین ڈالدی - خصوصاً اُس نازک موقع پر جبکہ دریائے پرت کے کنارے عساکر عثمانیہ کے مقابل ہماری فوج کی حالت نہایت ابتر ہوگئی تھی - اور ہمارے سپاہیون کو بہت اضطراب تھا - اُس موقع پر ہمارے پاس صرف بائیس ہزار سپاہی رہ گئے تھے - اور عثمانی لشکر کی تعداد دو لاکھ ستر ہزار تھی - ان مواقع پر اُس سے بڑی بھاری حمیت اور اعلیٰ درجہ کی شجاعت ظاہر ہوئی - جس سے ہمارے تمام سپاہی واقف ہین - اس کے ان خدمات کا لحاظ کرکے اور نیز اُن اقتدارات کی بنا پر جو ہمیں خدا کی عنایت سے حاصل ہین - اُس کی تاج پوشی کا رسم شہر ماسکو مین اس سال کے موسم سرما مین ادا کیا جاتا ہے - جس کا اعلان ہمارے اور ہماری ملکہ کے بہی خواہ دوستون مین اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا"

لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ درجۂ کمال تک پہونچنے اور کیتھرائن کے وارث

تاج و تخت قرار پا جانے کے بعد یکایک پٹرس اعظم کو اُس کی جانب بدگمانی پیدا ہوئی اور دونوں کی باہمی محبت نفرت و دہشت سے بدل گئی۔ جس کا ظہور یون ہوا۔ کہ اسی تاجپوشی کے برس یعنی ۱۷۲۴ء کے آخر مین پٹرس کو یقین ہو گیا کہ اُس کی ملکہ کو ایک شخص سے ناجائز تعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کی عظمت و سطوت کو حد سے زیادہ بڑھ جاتے دیکھکے بعض امرائے روس کو حسد معلوم ہوا۔ اور اونکی سازشون نے شہنشاہ بیگم کو اپنے شوہر زار کی نظر مین متہم کر دیا۔ وہ شخص جس کی نسبت خیال تھا کہ ملکہ کا منظور نظر ہے۔ اُسے تو پٹرس نے قتل کرا ڈالا۔ مگر ملکہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس لیے کہ اسے اُس بلند درجہ سے گرانا جس پر وہ پہونچ چکی تھی آسان نہ تھا۔ شاید زار روس اس پر بھی آمادہ ہو جاتا کیونکہ اُس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کسی مین جرأت نہ تھی۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۷۲۵ء کی ابتدا ہی مین وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

پٹرس اعظم کی موت کی نسبت لوگون مین بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہین کہ ملکہ کیتھرائن ہی نے اُسے زہر دے کے مار ڈالا۔ اس کا کوئی ثبوت نہین ہے اور نہ کوئی باوقعت شہادت موجود ہے کہ ملکہ کو الزام دیا جا سکے۔ لیکن اس مین شک نہین کہ ایسا خیال کرنے کے قرائن موجود تھے۔ چونکہ اب زار اپنی اس ملکہ سے نہایت ناراض تھا۔ لہذا ممکن نہین کہ اُس نے آزار پہونچانے کی فکر مین نہ کر رہا ہو۔ اور کیا عجب کہ اگر زندہ رہتا تو اپنے شہنشاہی اقتدارات سے جسطرح پہلے بی بی کو طلاق دی تھی اُسے بھی دے دیتا۔ اور کیتھرائن کو جو کچھ عزتین حاصل ہو گئیں تھیں۔ آناً فاناً مین خاک مین ملجاتین۔ مگر باوجود ایسے قرائن کے ہمین بغیر کسی کافی ثبوت کے کیتھرائن کو متہم کرنے کا حق نہین حاصل ہے۔

پٹرس کے مرنے کے بعد کیتھرائن نے اُس کی موت کو کچھ زمانہ تک مخفی رکھا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ اپنے مقاصد کے مطابق تدابیر انجام دے لینے

اور اپنے طرفداروں کی پارٹی تیار کر لینے کے بعد شہنشاہ کی وفات کو عوام پر ظاہر کرے۔ اس مقصد مین وہ پوری طرح کامیاب ہوئی۔ پٹرس اعظم کے مرنے کی خبر مشہور ہوتے ہی تخت نشینی کے متعلق لوگون مین اختلاف پڑا۔ مگر لارڈ مینچی کوف اور دیگر امرائے ملک اعلیٰ عہدہ داران سلطنت آرچ بشپ بلوسکو وزیر جنگ اور بہت سے صاحب اثر لوگون کی ایک زبردست جماعت نے بالاتفاق کہا کہ "پٹرس اعظم اپنی ملکہ کیتھرائن کے لیئے تخت نشینی کی وصیت کر گیا ہے۔ اور صاف الفاظ مین بتا گیا ہے کہ اُس کی جانشینی کے لیئے ملکہ سے زیادہ کوئی اہل نہین ہے"۔ اس جماعت مین اتنے اتنے بڑے لوگ شامل تھے کہ تمام مخالفون کے حوصلے پست ہو گئے اور کسی کو علم مخالفت بلند کرنے کی جرآت نہ ہوئی۔ سب نے ملکہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا اور اس طریقہ سے لیوونیا کی وہی بدنصیب لڑکی جو اپنی ولادت کے وقت ہر طرح اور ہر بات مین بدقسمت نظر آتی تھی اور انتہا درجہ کی مفلوک الحال تھی۔ ۱۷۲۵ء مین سلطنت روس کے تخت شاہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی اور دنیا کا ایک بڑا بھاری حصہ اُس کے زیر فرمان تھا۔

عنان فرمانروائی ہاتھ مین لیتے ہی اُس نے نظم و نسق سلطنت کی طرف توجہ کی۔ اور اُس کے عہد کے اہم واقعات مین سے یہ امور ہین کہ مجلس اعیان (ہاؤس آف لارڈ) کو اُس نے توڑ دیا۔ جس کی مملکت روس مین بیحد ضرورت تھی۔ کیونکہ روس مین امرا کا اثر بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور غریبون کی فریاد بہت کم سُنی جاتی تھی۔ مذہبی لوگون کا اثر اس سے پہلے حکومت پر غالب تھا۔ اس مین بھی اُس نے مناسب اصلاحین کین۔ مقتدایان دین کے خطاب و القاب بیکار کر دئے۔ اور اُن کی حکومت دائرہ کتب مقدسہ ہی تک محدود کر دی۔

پادریون کا زور کم کرنے کے ساتھ اُس نے مجلس تعلیمات کو تقویت دی۔ اور

کوشش کی کہ ملک مین آزادانہ تعلیم اور علم وفضل کو ترقی ہو۔ اُس نے اپنے مشیرون کی ایک مخفی مجلس شورےٰ مقرر کی تھی جو اُسی کی ذات تک محدود تھی۔ اور رعایا پر اُس کے ارکان کا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن افسوس کہ اُس کی زندگی نے بہت جلد بے وفائی کی۔ اور اپنے شوہر کے بعد کچھ کم تین ہی سال حکومت کرنے پائی تھی کہ باد فنا کے جھونکون نے ۱۷۶۲ء مین اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جب کہ اُس کی عمر ۴۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔

اس روسی سمیرامیس کی زندگی کے کارنامون کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ جیسی صاحب حسن وجمال تھی ویسی ہی عاقل وہوشیار بھی تھی۔ اپنے حسن کی قوت سے اُس نے ایک زبردست ترین شہنشاہی کو اپنا غلام ہی نہین بنا لیا تھا بلکہ اپنی ہمدردی ومحبت سے رعایا کے ہزارون دل بھی اپنے ہاتھ مین لیلیئے تھے۔ لیکن مورخین زندگی کے آخری ایام مین اُسے اچھا نہین تسلیم کرتے۔ وہ کہتے ہین کہ اُس کا رجحان کیادی ومکاری کی طرف زیادہ تھا۔ ہم اس بارہ مین کوئی فیصلہ کرنے کے لیئے تیار نہین ہین۔ لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا تھا کہ وہ ایک عجیب وغریب عورت تھی جو بلند پردازی ومقصد دری مین نام کر گئی۔ اور انسانی ترقیون کا ایک حیرت انگیز نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر گئی +

میڈم ڈی اسٹائل

اِس خاتون کا پورا نام "این جرمن ڈی اسٹائل" تھا۔ "این" دراصل عبرانی نام ہے جس کا تلفظ اُس زبان میں توحنہ تھا مگر فرنگستان کے مغربی تصرفات نے اسے بگاڑ کے "این" بنا دیا ہے۔ یہ خاتون ملک فرانس کی ایک معزز اور صاحب اثر عالمہ و فاضلہ اور مصنفہ گران پایہ تھی۔ اُس کا باپ "نیکر" شاہ فرانس لوئی شانزدہم کے دربار میں وزیر خزانہ کی معزز خدمت پر سرفراز تھا۔ شہر پیرس میں ۱۷۶۶ء میں وہ پیدا ہوئی۔ باپ کی امارت اور خوش مذاقی سے اُسے نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانے اور بہت ہی نکھرا شائستہ مذاق حاصل کرنے کا موقع مل گیا جسکی بدولت تعلیم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے قابلیت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کیا۔ کئی ڈراما اور ناول تصنیف کیئے جو ملک میں قدر کے ہاتھوں سے لیئے اور دلچسپی کے ساتھ پڑھے گئے۔

آخر اُس کے عنفوان شباب۔ حسن و جمال اور اُس کے ساتھ اُس کے علمی مذاق نے سوئٹزرلینڈ کے سفیر متعینہ دربار فرانس "بیرن ڈی اسٹائل ہولسین" کو اُس کے جمال و کمال کا ایسا دیوانہ بنا دیا کہ باوجود بہت سن رسیدہ اور معمر ہونے کے اُس نے خوشامد درآمد کر کے اور اطاعت و وفاکیشی کے لمبے چوڑے وعدے کر کے آخر کار "این" کا سادہ اور بھولا دل جیت ہی لیا۔ اور شادی ہو گئی۔ جس میں دولھا جس قدر معمر تھا اُسی قدر دولھن کمسن اور بچہ تھی۔

شادی کے بعد ۱۷۸۶ء میں جبکہ "این" کی عمر بارہ ہی برس کی ہونی چاہیئے

اُس کی کتاب "روسون کی تحریرون اور اُس کے خصوصیات پر چند خطوط،، شائع ہوئی۔ جس نے فرانس کی پبلک پر بے انتہا اثر ڈالا۔ یہان تک کہ اسی کتاب کی وجہ سے وہ فرانس کی ایک مقبول عام مصنفہ بن گئی۔

اِس کے بعد جب حکومت فرانس مین انقلاب ہوا۔ اور آزادی کی دلدادہ رعایا نے اپنے تاجدار اور حکمران کے مخالف ہوکے سرتابی و بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو دیگر امرا و عمدہ داران سلطنت کیطرح اس شائستہ خاتون کے سفیر کی بی بی تھی جس سے آزادی پسند اور مدعی جمہوریت فرانسیسیون سے دوستانہ تعلقات تھے اِس لیئے اُسے پیرس مین رہنے کی اجازت دیگئی۔ اِس انقلاب مین وہ ابتداءً آزادی کے ... کی دل سے ہمدرد تھی۔ اور اس انقلاب و بغاوت کو نہایت پسند کرتی تھی۔ لیکن جب اُس نے فرانس کے شاہی خاندان کی تباہی و بربادی دیکھی اور یہ نظر آیا کہ شاہزادون اور اُن کے اعزا اقارب کے ساتھ کیسا بہمیت کا سلوک کیا جاتا ہے۔ تو اُس کے دل مین خوف خدا پیدا ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ مدعیان آزادی کی بے اعتدالیون اور دست درازیون کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ اب شاہی خاندان کی ہمدردی کا خیال اُس کے دل مین اِس قدر جوش زن تھا کہ نہایت جرأت سے کام لے کے اپنی کتاب "ملکہ کے مقدمہ پر نظر،، کمال آزادی اور بیباکی کے ساتھ چھپوا کے شائع کردی۔ جس مین ملکہ میری انٹوانٹ کی جانبداری کی تھی۔ اور اُس کی بے گناہیون کا ثبوت دیا تھا۔ اِس کی اشاعت سے لوگ اس قدر برافروختہ ہوئے۔ اور اُس طوفان بے تمیزی کے دَور مین اُسے اپنے متعلق ایسے خطرے اور اندیشے معلوم ہوئے کہ سوا جلاوطنی اختیار کرنے کے بچاؤ کی اور کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ فرانس کو چھوڑ کے باہر چلی گئی۔

اس کے بعد جب "ڈائرکٹری،، (مجلس حکومت) قائم ہوگئی۔ اور فرانس کا بدامنی کا

زمانہ ختم ہوا تو وہ پھر پیرس مین آئی۔ اب اُسے پالٹکس سے بڑا شوق تھا۔ پوری پوری اسٹیٹسمین بنی ہوئی تھی۔ حکومت و تمدن کے حلقون مین اسکا بے حد اثر تھا۔ اور مجلس حکومت کے ارکان مین جیسے خیالات یا جو پالیسی چاہتی پھیلا دیتی۔ اپنی دانائی و ذہانت سے وہ نپولین کے اصلی مقاصد و اغراض کو پہلے ہی سے سمجھ گئی تھی اور ملک مین اُسے سب سے زیادہ خطرناک شخص خیال کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے نپولین بونا پارٹ اپنی اولوالعزمی بلند حوصلگی کے راستہ مین اُسے ہمیشہ مزاحم پاتا۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیئے وہ جتنی باتین کرتا اور جو تدبیرین سونچتا ان کو وہ سخت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی اور لوگون کو مخالفت پر آمادہ کر دیتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کامیاب سپہ سالار فرانس نپولین بونا پارٹ جیسے ہی کونسل اول یعنی مدار المہام سلطنت مقرر ہوا۔ عہدہ کا چارج ہاتھ مین لیتے ہی اُس نے سب سے پہلے جو احکام جاری کئے اُن مین ایک یہ بھی تھا کہ "میڈیم ڈی اسٹائل" (این) شہر پیرس سے خارج البلد کر دیجائے"۔ اس حکم مین نپولین نے اس خاتون کی نسبت کمال تہذیب سے یہ الفاظ لکھے تھے "اس حوصلہ مند اور جادو بیان خاتون کے لیئے ساری دنیا کھلی پڑی ہے۔ صرف ایک دارالسلطنت فرانس کو مین اپنے واسطے رکھے لیتا ہون"۔ نپولین کے یہ الفاظ بتا رہے ہین کہ اس خاتون کی فصاحت و بلاغت کا وہ کس قدر قائل تھا۔ اور اس کے اثر سے کس قدر ڈرتا تھا۔

اس حکم کے بعد اس کا پیرس مین ٹھہرنا غیر ممکن تھا۔ چنانچہ دوبارہ وطن کو خیرباد کہہ کے اُس نے سوئٹزرلینڈ اور اطالیہ کا سفر شروع کیا۔ مختلف شہرون اور علاقون مین گئی وہان کے دلفریب مناظر دیکھے۔ وہان کی دلچسپیون سے لطف اٹھایا۔ اور وہان کے عادات و اطوار سے واقف ہوئی جن چیزون کا

ثبوت اُس کے مشہور ناولون "ڈیلفین" اور "کورین" سے ملتا ہے۔

اس کے بعد ۱۸۱۰ء مین یکایک اس کی مشہور و معروف کتاب "جرمن" پیرس مین شائع ہوئی۔ جہان خود اُسے آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کتاب مین اس نے جرمن والون کے اطوار و عادات۔ علم و فضل۔ اور اُن کے پولیٹکل ارادون کی مکمل تصویر دکھائی ہے۔ حکومت فرانس کو یہ کتاب اپنے مقاصد و اغراض کے بالکل خلاف نظر آئی۔ اشاعت کے ساتھ ہی نپولین کے وزیر پولیس نے اُس کی دس ہزار جلدین پکڑ لین۔ میڈم ڈی اسٹائل اُن دنون شہر "کوپٹ" مین تھی۔ جو جنیوا کی جھیل کے کنارے ہے۔ پیرس سے نکلنے کے بعد اسی مقام کو اس نے اپنا مستقر قرار دیا تھا۔ اپنی کتابون کے پکڑے جانے کا حال سُنتے ہی اُس نے زور و شور سے اعتراض کیا کہ کیا یہ کارروائی بالکل خلاف ضابطہ ہے۔ اس کا جواب وزیر پولیس نے یہ دیا کہ "آپ کی یہ کتاب کوئی فرانس کی قومی تصنیف نہین ہے۔ اور اسی لیئے مین نے اس کی اشاعت رد کر دی ہے۔ سابق مین آپ کا جو طرز عمل رہا اُس کا نتیجہ آپ کی جلاوطنی ہے۔ مین خیال کرتا ہون کہ فرانس کی آب و ہوا آپ کے مزاج کے موافق نہین۔ اس لیئے کہ ہم لوگ ابھی اتنے ذلیل نہین ہوئے کہ جن قومون کی آپ مدح خوان ہین۔ اُن مین سے اپنے لیئے نظیرین تلاش کرین"

اب چونکہ فرانس کی پولیس نے سختی کے ساتھ اس کے حرکات و سکنات کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ اس لیئے اُس نے مملکت فرانس کو چھوڑ دیا۔ اور ان کی ریشہ دوانیون کے حلقہ سے بھاگ کے ملک روس مین پہونچی۔ اور وہان سے جا کے انگلستان مین آئی۔

اس کے بعد اُس کی جو کتاب شائع ہوئی اُس کا نام "دہ سالہ جلاوطنی" ہے اس مین نہایت ہی جوش کے ساتھ نپولین اور اس کی حکومت کی مخالفت کی ہے۔

اور اُسے دہمکیان دی ہین۔ پھر ۱۸۱۴ء مین نپولین کی علیحدگی کے بعد وہ پیرس مین واپس آئی۔ اور جب شہنشاہ مذکور "البا" سے واپس آیا تب بھی اسے پیرس مین رہنے کی اجازت رہی۔ اس کے بعد جب مجلس "بوربون" قائم ہوئی تو وہ فرانس چھوڑ کے سوئٹزرلینڈ مین چلی گئی۔ اور یہی زمانہ ہے جب سے اُس نے پالٹکس مین دخل دینا چھوڑ دیا۔

سوئٹزرلینڈ مین عزلت گزین ہونے کے چند روز بعد اُس کے شوہر "ہیرن ڈی اسٹائل" نے سفر آخرت کیا۔ اور اُس نے مخفی طور پر "مسیورو کا" نام ایک شخص کے ساتھ عقد کر لیا۔ اور اسی طرح سوئٹزرلینڈ کے گوشۂ عافیت مین عزلت گزین رہی۔ اس عزلت گزینی کا زمانہ اس نے اپنی مشہور کتاب "انقلاب فرانس پر نظر" کی تصنیف و تدوین مین صرف کیا۔ مگر وہ اس کی زندگی مین نہین شائع ہو سکی۔ اس آخری تصنیف مین اس نے فرانس کی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے زمانہ کی تصویر بڑی چابکدستی سے دکھائی ہے۔ اور اس دور کے جن جن لوگون سے اُسے سابقہ پڑا تھا اُن کے اوضاع و اطوار کا مرقع بنا کے ناظرین کی نظر کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

مذکورۂ بالا کتابون کے علاوہ یہ کتابین بھی اُس کی تصنیف ہین "جذبات کا اثر" "خودکشی" "خیال آفرینی" یہ تینون کتابین دراصل عالمانہ مضامین ہین۔ جو ان سبجکٹون پر قلمبند کیے گئے ہین۔

الغرض میڈم ڈی اسٹائل اپنے عہد کی نہایت ہی قابل مصنفہ اور مدبرہ تھی۔ جس کی کتابین ہمیشہ زندہ رہین گی۔

آخر اُسی سوئٹزرلینڈ کی خلوت گزینی مین ۱۸۱۷ء مین اُس نے دنیائے فانی کو رخصت کیا۔ اور اُن خوش نصیبون مین جا ملی۔ جنھون نے اُس ناموری کی زندگی کے شوق مین اِس دنیوی زندگی کو چھوڑ دیا ہے ؂

اُمِّ ابان

اکثر لوگون کا خیال ہے کہ عورتون مین شجاعت نہین ہوتی۔ اس مین شک نہین کہ مرد قدرۃً عورت سے قوی اور زبردست ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اپنے گھر اور اپنی قوم کی حفاظت کرنا قدرت نے مرد ہی کے سپرد کیا ہے۔ مگر اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ عورت مین شجاعت ہوتی ہی نہین۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قدیم الایام مین کوہ قاف کی عورتین پوری سپہ گر تھین۔ اور جس طرح بہادر مرد میدان جنگ مین بہادری کے جوہر دکھاتے ہین وہ بھی دکھاتی تھین۔ اب ہم ایک عربیہ خاتون کے مختصر حالات پیش کرتے ہین۔ جو عروج اسلام کے ابتدائی دور مین تھی۔ اور ایسی بہادر اور نبرد آزما تھی کہ لڑائی کے میدان مین کسی سے پیچھے نہین رہی۔ وہ یہی خاتون ہے جس کا نام ہم نے زیب عنوان کیا ہے۔

جس وقت مسند خلافت نے حضرت عمر فاروق کے قدم سے رونق پائی ہے اُس وقت اُمِّ ابان اُس لشکر اسلام مین موجود تھین جو بلاد شام مین فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ رہا تھا۔ وہ ابھی بالکل نو عمر تھین۔ اور اس زمانہ مین ہم انھین اس سن و سال مین پاتے ہین کہ شادی کو چند گنتی کے دن گزرے ہین۔ عروسی کے دن جو خوشبو کپڑون مین لگائی گئی تھی۔ ابھی تک اپنی لپٹین دے رہی ہے۔ اور جس مہندی سے دُلھن بننے کے وقت انھون نے اپنے ہاتھ رنگے تھے اُس کا رنگ ابھی تک باقی ہے۔ اگرچہ حضرت رسالت کو وفات پائے دو ڈھائی برس

گزرے ہین مگر اس کا پتہ نہین چلتا کہ اس نوعمر پاک دامن خاتون کو کبھی بارگاہ نبوت مین حاضر ہونے اور صحابیت کا فخر حاصل کرنے کا بھی موقع ملا ہے یا نہین مگر ہان اُن کی ابتدائی عمر کی نسبت اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ بہادر و شجاع باپ اور جانباز قبیلہ والون کی تربیت مین اسلحۂ جنگ اور آلات گیرودار کے استعمال کرنے مین اچھی مہارات حاصل کر لی تھی۔ فنون جنگ نے اس شجاعت مین جان ڈال دی۔ جو اُن کے خمیر مین تھی۔ اور دین اسلام نے عفت و پرہیز گاری کو بڑھا دیا جو خدا پرستی کا لازمہ ہین۔

لشکر اسلام شام کے قدیم اور مشہور شہر دمشق کیطرف بڑھا۔ اور اُس مین یہ دو چار روز کے بیاہے ہوئے میان بی بی بھی ہین۔ دمشق کے محاصرے کے شروع ہوتے ہی تقدیر نے جو ہمیشہ اچھے لوگون کے لیئے ذریعۂ آزمائش ہوتی رہی ہے یہ کرشمہ دکھایا کہ کسی رومی کے زہر آلود تیر نے اُم ابان کے نوجوان شوہر کو جام شہادت پلادیا۔ اور وہ قبل اس کے کہ عروسی کی مہندی کا رنگ چھٹنے پائے بیوہ ہوگئین جاہلیت مین عورتین اس نازک موقعہ پر بین کرتی منہ پیٹتی اور قیامت سر پا اُٹھالیا کرتی تھین۔ مگر یہ دین کی مضبوطی اور تعلیمات نبوت کی برکت تھی کہ اُم ابان نے نہایت ہی استقلال و ثابت قدمی سے کام لیا۔ اور سوا اس کے کہ مشیت آلٰہی کو صبر و شکر کے ساتھ قبول کرین۔ شکایت کا ایک جملہ بھی اُس نوجوان خاتون عرب کی زبان سے نہ نکلا۔

اس دلخراش و جانکاہ موقع پر اُم ابان نے جو کارروائی کی یہ تھی کہ مرحوم و شہید شوہر کی لاش کے پاس کھڑے ہو کے عجب شکر و صبر کے لہجے مین کہا "پیارے شوہر! تم مبارک ہو۔ اور خدا نے تمھین آغوش رحمت مین لے لیا۔ تم اُسی خدا کے پاس گئے جس نے ہمین تمھین ملایا تھا۔ اور اب جدا کر دیا۔ اب

اب مین تمھاری موت کا انتقام لونگی۔ اور اس کوشش مین اپنی جان لڑا دون گی۔ کہ جہان تم ہو وہین مین بھی آپہونچون۔ اس لیئے کہ مجھے تمھارے ساتھ عشق ہے بس اب اس کے بعد میرے جسم مین کسی اور شخص کا ہاتھ نہ لگے گا۔ کیونکہ اب مین نے اپنے آپ کو خدا کی خدمتین بجالانے کے لیئے وقف کر دیا ہے"۔ یہ کہہ کے بغیر اس کے کہ کوئی آنسو کا قطرہ اُس نوجوان بیوہ کے خوبصورت چہرے پر چمکتا نظر آئے اور بغیر اس کے کہ اُس کے پرحسرت سینے سے ایک بار بھی آہ کی آواز نکلے اُس نے شوہر کی لاش کو خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ اور رسوم اسلام کے مطابق دفن کر دیا۔

ان کامون سے فراغت پاتے ہی اُم ابان نے جنگی لباس زیب بدن کیا ہتھیار لگائے۔ اور دشمنون کے مقابلے کو تیار ہوگئین۔

اس زمانے مین دمشق کی حکومت ٹامس نام ایک بہادر شہسوار روم کے ہاتھ مین تھی۔ جسے عرب مورخین **توما** کے نام سے یاد کرتے۔ اور ہرقلوس قیصر روم کا داماد بتاتے ہین۔ **ٹامس** نہایت بہادر اور شجاع شخص تھا۔ اور میدان جنگ مین اس استقلال سے لڑ رہا تھا کہ مسلمانون کے حوصلے پست ہوئے جاتے تھے۔ اسی خونریز میدان مین ام ابان ہتھیار باندھے ہوئے کودین۔ جس جگہ سب سے زیادہ سخت لڑائی ہو رہی تھی گھستی پلتی ہوئی پہونچین۔ اور کمان کو ہاتھ مین لے کے دشمنون پر تیر برسانے لگین۔ اُن کا پہلا تیر رومیون کے علمبردار کے ہاتھ پر پڑا۔ اور صلیبی علم مسیحیون کے اعتقاد کے موافق گر کے ٹھنڈا ہو گیا۔ عیسائی جھنڈا اٹھانے کو بڑے جوش کے ساتھ بڑھے۔ مسلمانون نے روکا۔ اور اب پہلے سے سخت لڑائی ہو رہی تھی کہ امّ ابان کا ایک اور تیر خاص ٹامس کی آنکھ پر پڑا۔ اور پیوست ہو گیا جس کے ساتھ ہی اُس نے آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا۔

اور بدحواس بھاگا۔ اور آناً فاناً میدان سب دشمنون سے صاف تھا۔ رومی بھاگ کے شہر مین ہو رہے۔ اور بڑی بڑی کوششین کی گئین کہ تیر ٹامس کی آنکھ سے نکالا جائے مگر کسی طرح نہ نکل سکا۔ آخر مجبوراً گانسی آنکھ کے اندر چھوڑ دی گئی۔ اور لکڑی کاٹ لی گئی۔

اس کے بعد ایک رات کی لڑائی مین اُم ابان جدھر دیکھتین کہ سخت لڑائی ہو رہی ہے جا پہونچتین۔ ایک ایک سے پوچھتین کہ میرے شوہر کا قاتل کون ہے۔ اور اُن تیرون سے جو قضائے مبرم کا پیام لیجاتے تھے دشمنون کو مار مار کے گرا دیتین۔

یہ ہے عورت کی شجاعت۔ اور یہ ہے عورت کا جوش ایمانی مگر ہان اُم ابان مین وہ انوکھی اور عجیب وغریب شرافت نہ تھی جو ہمارے ہندوستانی مسلمانون کی گھر والیون مین ہے ÷

نوّار زوجۂ فرزدق

یہ آخر عہد صحابہ کی ایک شریف اور صاحب جمال وکمال خاتون اور اعین بن صعصعہ مجاشعی کی بیٹی تھی جیسی شریف النسب تھی ویسی ہی خوش سلیقہ اور صاحب خلق و مروت تھی اور ویسی ہی فصیحہ و بلیغہ بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ شرفائے عرب مین اُس کا وقار تھا۔ اور سب اُسے اُس عہد کی اعلیٰ ترین خاتونون مین شمار کرتے تھے۔ فرزدق شاعر نے دھوکہ دے کے اُس سے نکاح کر لیا اور یہ ایسی مصیبت تھی جس کے عذاب سے اِس پاکدامن عورت کو زندگی بھر چھٹکارا نہ نصیب ہوا۔

فرزدق کے جال مین پھنسنے کی صورت یہ ہوئی کہ بنی عبداللہ بن دارم کا ایک شریف وخوشرو نوجوان فرزدق کی تولیت مین تھا۔ اُس نے نوار کے حسن وجمال اور اُس کی خوبیون کا شہرہ سُنا تو اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور چونکہ وہ نوار کے چچا کا بیٹا بھی تھا اِس لیئے اُسے یہ پیام بہت زیادہ پسند آیا۔ نوار نے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا کہ "فلان نوجوان جو آپ کی تولیت مین ہے۔ میرے ساتھ عقد نکاح کرنے کا آرزومند ہے اور مجھے بھی یہ عقد پسند ہے۔ لہذا آپ ہم دونون کے دلون کی آرزو پوری کردین۔ تو بڑی عنایت ہو" فرزدق نے کہلا بھیجا "مین تمہاری خوشی پوری کرونگا۔ مگر پہلے علی رؤس الاشہاد اس بات کا صاف صاف اقرار کرلو کہ فرزدق جس کسی کے ساتھ تمہارا عقد کرے گا۔ اُس کے عقد مین بے عذر چلی جاؤگی۔ نوار نے کہلا بھیجا "مجھے منظور ہے" اور بہت سے معزز لوگون کے سامنے اس بات کا اقرار کرلیا۔ اب فرزدق نے کہلا بھیجا کہ "اچھا اپنے قبیلہ والون یعنی بنی دارم کو جمع کرو۔ اور اُن کے سامنے اقرار کرو کہ تم اپنے عقد کا اختیار مجھے دیتی ہو" نوار نے تمام شرفائے قبیلہ کو اپنے وہان جمع کیا۔ اور اُن کے سامنے حسب وعدہ اقرار بھی کرلیا۔ جب ان سب باتون کی تکمیل ہو چکی تو فرزدق نے کھڑے ہو کے خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کیا پہلے خدا کی حمد وثنا کی۔ اُس کے بعد کہا "آپ سب صاحب واقف ہین کہ نوار نے مجھے اپنے عقد کا اختیار دیا ہے۔ لہذا مین آپ سب صاحبون کو گواہ کرکے کہتا ہون کہ مین نے نوار کا عقد نکاح ایک سو سیاہ آنکھون والی سرخ رنگ اونٹنیون کے مہر پر اپنے ساتھ کیا" یہ الفاظ سُنتے ہی صحبت پر ایک سناٹا چھا گیا اور نوار بڑے زور وشور سے کوسنے دینے لگی۔ میان فرزدق تو مطمئن تھے۔ کہ اب نوار میرے پھندے سے چھوٹ کے کہان جاتی ہے۔ مگر نوار نہایت ہی پریشان تھی کہ کیا کرے۔ اور کیونکر اس آفت سے پیچھا چھوٹے۔ ایک ایک کے پاس جاتی مگر لوگ کہتے

"اس بات کے سچے گواہ لاؤ کہ فرزدق نے تمہین فریب دیا"، لیکن گواہی کے لیے جس کسی سے کہتی وہ ٹالتا۔ کیونکہ فرزدق اتنا بڑا ہجوگو شاعر تھا کہ زمانہ اس سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اور لوگ ڈرتے تھے کہ ہم سے ذرا بھی بگڑا تو ہمین بدنام و رسوا کر دیگا۔

الغرض گواہ ملتا نہ تھا۔ اور بغیر گواہ کے کوئی اُسے فرزدق کی زوجیت سے آزادی نہ دیتا تھا۔ آخر اُکتا کے نوار نے ارادہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر کے پاس جا کے فریاد کرے۔ جو ان دنون مکہ معظمہ مین دعوائے خلافت کر رہے تھے اور سارے عرب اور عراق پر قابض و حکمران تھے۔ مگر خرابی یہ تھی کہ فرزدق کے ڈر کے مارے کوئی اُس غریب کو اپنے ساتھ مکہ معظمہ تک لیجانے کی بھی جرأت نہ کرتا تھا اتفاقاً بصرہ مین جہان نوار اور فرزدق تھے بنی عدی بن عبد مناۃ کے چند نوجوان آئے جو "بنی ام نسیر" کے لقب سے مشہور تھے۔ اور نوار سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔ نوار نے اُن سے ہمدردی کی درخواست کی اور وہ ترس کھا کے اُسے اپنے ساتھ لے کے مکہ معظمہ کیطرف روانہ ہوئے۔ یہ سنتے ہی فرزدق نے اہل بصرہ سے مدد چاہی۔ لوگون نے اُسے اونٹ دئے۔ سامان سفر مہیا کر دیا۔ اور آخر تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ یہ مدد ملتے ہی فرزدق نے بھی نوار کے پیچھے پیچھے مکہ کی راہ لی۔ اور جو لوگ نوار کو لیئے جاتے تھے اُن کی ہجو مین اشعار کہے مکہ پہونچ کے فرزدق کو معلوم ہوا کہ نوار خاص عبداللہ بن زبیر کے گھر مین ٹھہری ہے۔ اور اُن کی بی بی خولہ بنت منظور فزاریہ کی مہمان ہے۔ یہ چونکہ اُس عہد کا مشہور مقبول سیف زبان و آتش بیان شاعر تھا نام سنتے ہی اہل مکہ نے ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور نوار کی چوٹ پر وہ خاص عبداللہ بن زبیر کے بیٹون کے پاس ٹھہرا۔ اور اُن کی مدح مین اشعار کہہ کے آخر انھین اپنی سفارش پر مجبور کر دیا۔

اب عبداللہ بن زبیر عجیب الجھن مین پڑے ہوئے تھے۔ نہ کوئی رائے قائم

اگر ترغیبتی تھی اور نہ کچھ فیصلہ کرتے۔ بیٹے آکے فرزدق کی سی کہتے اور وہ ظاہر مین ہان ہون کر دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اپنی بی بی خولہ کے پاس جاتے تو وہ نوار کی سی کہتین۔ اور فوراً اُن کی رائے اسی طرف ڈہل جاتی۔ آخر کھل گیا کہ ان کی رائے نوار کی طرفداری مین ہے۔ اس پر بگڑکے فرزدق نے یہ دو شعر کہے جو اُس کی زبان سے نکلتے ہی سارے مکہ بلکہ ساری دنیائے اسلام مین پھیل گئے ؎

اما بنوہ فلم تقبل شفاعتہم ۔۔۔ وشفعت بنت منظور بن زیانا

لیکن اُن کے بیٹون کی سفارش تو نہیں مانی گئی۔ لیکن ہان منظور بن زیان کی بیٹی کی سفارش کارگر ہو گئی ؎

لیس الشفیع الذی یاتیک مؤتزراً ۔۔۔ مثل الشفیع الذی یاتیک عریانا

جو سفارش کرنے والا تمہارے پاس پاتجامہ پہنے ہوئے آئے اس سفارش کرنے والی کے برابر نہین ہو سکتا جو تمہارے پاس برہنہ ہو کے آئے۔

یہ اشعار ابن زبیر کے کانون تک پہونچے تو انہون نے نوار کو بلایا اور کہا ”دو صورتین ہین ان مین سے تمہین جو منظور ہو اُس پر عمل کیا جائے۔ تم کو فرزدق سے طلاق دلوانے کے بعد یا تو مین اُسے قتل کر ڈالون کہ پھر کبھی ہماری ہجو نہ کہے۔ اور یا دشمنان اسلام کے ملک مین جلاوطن کر کے بھیج دون۔ جہان وہ خود ہی مار ڈالا جائے گا“ عورت کو ہزار ستاؤ۔ لاکھ اُس کا دل دکھاؤ۔ اُس کے ساتھ مکر وفریب کرو۔ اُسے دغا دو مگر پھر بھی اُس کا دل نرم ہوتا ہے۔ اور اُسے ترس آ ہی جاتا ہے نوار کو یہ ہرگز گوارا نہ ہوا کہ فرزدق میرے باعث جان سے مارا جائے۔ جواب دیا کہ ”ان مین سے تو کوئی صورت مجھے نہین منظور ہے۔“ ابن زبیر نے کہا ”اگر اُس کے حال پر ترس بھی آتا ہے تو پھر وہ تمہارا ابن عم ہے۔ اور تم پر فریفتہ بھی ہے۔ کیون نہین منظور کر لیتین کہ تمہارے ساتھ اُس کا نکاح دوبارہ کر کے اس رنجش کو

مٹا دون" نوار بولی "ہان مجھے اپنی زندگی خراب کرنا منظور ہے۔ اور یہ نہین منظور کہ وہ غریب بے گناہ جان سے جائے" اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے فرزدق کو بلوایا۔ اور کہا "نوار کے ساتھ جس مہر پر تم نے نکاح کیا ہے اُسے لا کے حاضر کرو ورنہ مین تمھارا نکاح باطل کر دون گا" فرزدق نے کہا "مین یہان غریب الوطنی مین ہون بغیر گھر گئے اعلیٰ درجہ کے سو اونٹ کہان سے لاؤنگا؟ ابن زبیر نے کہا "جس طرح بنے لاؤ۔ اور اگر نوار کی محبت ہے تو دو ہی گے" آخر فرزدق نے جھنجھلا کے کہا "آپ اس لیئے مجھ پر دور ڈالتے ہین کہ زبردستی نوار کو مجھ سے چھین کے اپنی بی بی بنا لین۔ ابن زبیر بھی نہایت مغلوب الغضب تھے بولے "تم کو اور تمھاری قوم بھر کو اہل عرب نے اپنی برادری سے نکالدیا تھا۔ تمھاری ہستی ہی کیا ہے" اس کے بعد اُسے اپنی صحبت سے اُٹھوا دیا۔ اور جب وہ جا چکا تو حاضرین سے کہا "فرزدق بنی تمیم سے ہے۔ اور ان لوگون نے ظہور اسلام سے ڈیڑھ سو برس پہلے خانہ کعبہ پر یورش کر کے اُسے لوٹ لیا تھا۔ اُن کی یہ بے اعتدالی دیکھی تو تمام اہل عرب نے اتفاق کر کے اُن کی ایسی بے وقعتی کی جیسی کسی کی نہین ہوئی تھی اور انھین ارض تہامہ سے نکالدیا۔ یہ کہہ کے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا "نوار کا مہر لا کے حاضر کرو ورنہ بہت بُری طرح سے تمھین قتل کرونگا" فرزدق نے چند اور شعر کہے جن مین اپنی قوم کی تعریف کی۔ اور اُن الزامون کی عذر خواہی کی جو ابن زبیر نے اُس پر لگائے تھے۔ ان اشعار کو سُن کے ابن زبیر بظاہر خاموش ہو رہے مگر دل مین لیئے رہے۔ اتفاقاً ایک دن وہ نماز کے لیئے گھر سے نکلے تو راستہ مین فرزدق کو دیکھا دیکھتے ہی لپک کے ٹینٹوا لیا۔ اور کہا "میرے حکم کی جس طرح بنے تعمیل کرو"

اب فرزدق نہایت پریشان تھا۔ ساری شاعری اور ہجو گوئی بھول گیا۔ اور

کوئی تدبیر بنائے نہ بنتی تھی کہ کسی نے کہا کہ تم "سلم بن زیاد کے پاس چلے جاؤ۔ جو قیدخانہ مین گرفتار ہے۔ کیونکہ ابن زبیر اُس سے کچھ رقم طلب کرتے ہین اور وہ نہین دیتا" فرزوق سنتے ہی سلم کے پاس دوڑ اگیا اور اپنی مصیبت بیان کی۔ سلم نے پوچھا "کتنے مین مہر ادا ہو جائے گا" کہا "چار ہزار دینار مین" سلم نے فوراً چار ہزار دینار کی رقم نوار کے مہر کے لیئے ادا اِس کے علاوہ دو ہزار دینار اُس کے سفر خرچ کے لیئے کل چھ ہزار دلوا دیئے۔ یہ رقم پانے کے بعد فرزوق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ فوراً عبداللہ بن زبیر کے پاس آ کے وہ رقم سامنے بہا دی۔ اور کہا "لے لائیے میری جورو کو" انھون نے نوار کا ہاتھ اُس کے ہاتھ مین دیا اور وہ رقم بھی واپس کی۔ فرزوق نے نوار اور اُس کے مہر کی رقم کو لے کے مکہ سے بصرہ کی راہ لی۔ اور جوش مسرت مین کہا "جب ہم دونون بصرہ سے چلے ہین ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور آج مکہ سے چلے ہین تو ایکدوسرے کے دوست ہین" پھر نوار کیطرف متوجہ ہو کے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اپنے ابن عم کے پاس آؤ۔ اور اُس شخص کی سی نہ بن جاؤ جو گھوڑے کو چھوڑ کے گدھے کو اختیار کرے"

اِس کامیابی کے بعد فرزوق اُسے لے کے بصرہ مین آیا۔ مگر اس نکاح اور تعلق مین کسی قسم کا لطف نہ تھا۔ کیونکہ میان بی بی مین الفت و محبت ضروری ہے اور یہان مارے باندھے کا سودا تھا۔ نوار کی زندگی تلخ تھی۔ اور کسی بات مین لطف نہ آتا۔ فرزوق کی یہ حالت تھی کہ پورا پورا شاعر اور رندمشرب تھا۔ وہ اپنے دلی جذبات کے آگے نہ سوسائٹی کی پروا کرتا نہ قوم کی۔ نہ سلطنت سے ڈرتا تھا نہ دین سے۔ نہ کسی دوست کے بس مین تھا۔ اور نہ کسی عورت کے۔ ایسے کے ساتھ نباہنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ لوگون کی ہجوین کہتا ہمعصر شاعرون

پر حملہ کرتا۔ اور لوگ اُسے قتل کی دہمکیان دیتے۔ ان سب باتون کو نوار آنکھون ہی آنکھون مین دیکھتی اور دل مین کڑہ کے رہ جاتی۔ اس کے ساتھ وہ متقی و پرہیزگار تھی۔ فرزدق رند مشرب تھا۔ جسے شاعری کی دُھن مین نہ دین کی پرواہ رہتی نہ دنیا کی۔ نوار کے دل مین بارہا خیال آتا کہ فرزدق نے مجھے زبردستی پھانس لیا ہے۔ میرا اس کا عقد جائز طور پر اور سچے ایجاب و قبول سے نہین ہوا۔ اس لیئے مین اس پر حرام ہون۔ پھر یہ خیال آتا کہ شرع فرزدق کے موافق فیصلہ کر چکی ہے۔ الغرض عجب کشمکش و پیچ مین تھی۔ کبھی اُس سے ملنا ترک کر دیتی اور کبھی مجبور ہو کے ملنے لگتی۔ علاوہ دیگر اسباب اختلاف کے یہ بھی تھا کہ فرزدق بد وضعی کے ساتھ نہایت ہی بدصورت بھی تھا۔ اُس کا اصلی نام ہمام تھا۔ مگر بچپن ہی مین آپ کا چہرہ ایسا واقع ہوا تھا کہ باپ نے اُس پر فرزدق کی پھبتی کہی اور یہی اُس کا لقب پڑ گیا۔ فرزدق عربی مین سوکھی روٹی کے ٹکڑون کو کہتے ہین۔ چنانچہ ایکبار ایک شخص نے بنانے کے لیئے فرزدق سے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے؟" بولا "فرزدق" اُس نے قہقہہ لگا کے کہا "فرزدق کیا۔ یہ تو سوکھی روٹی کے ٹکڑون کو کہتے ہین" فرزدق بھلا کب دبنے والا تھا۔ بولا "الحمدللہ کہ خدا نے مجھے تمھاری جورون کے پیٹ مین پہونچا دیا"

ایک دن ایک صحبت مین بنی خرام کے چند لوگ جمع تھے جن مین حضرت عثمان ذی النورین کا غلام عنبسہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً فرزدق کا ادھر سے گزر ہوا عنبسہ نے مذاقاً پکار کے پوچھا "اے ابو فراس (یہ فرزدق کی کینت ہے) عالم آخرت مین کب جاؤ گے؟" فرزدق نے پوچھا "کیون؟ تمھارا وہان کوئی کام ہے؟" جواب دیا "ہان تمھارے ہاتھ مین اپنے والد مرحوم کے پاس ایک خط بھیجون گا" فرزدق نے برجستہ کہا "اور تو پھر رہا تو یہ یا اصطفانوس دکی مجوسی

عیسائی) کی معرفت بھیجو۔ کیونکہ تمہارے باوا دوزخ مین جہان ہین وہان میرا گزر نہ ہوگا"
محض نوار کے ستانے کے لیئے فرزوق نے چند روز بعد جہیمہ نام ایک اور عورت
کے ساتھ نکاح کرلیا۔ پھر اسی ضد مین ایک اور عورت سے نکاح کیا جس کا نام
حدرا ء بنت زیق شیبانیہ تھا۔ اس پر نوار اس قدر جھنجھلائی کہ آپے سے باہر
ہوکے لپٹ پڑی۔ اور فرزوق کی ڈاڑھی نوچ ڈالی۔ آپ نے گھر سے باہر نکل
کے دو شعر کہے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ "نوار میری ڈاڑہی نوچنے لگی اور جعدہ
خشخاش کی ڈاڑھی نوچتی ہے۔ دونون جب بگڑتی ہین شیرنیان بن جاتی ہین۔ اور
راضی ہون تو بڑے مزے کی زندگی گزرتی ہے"۔ خشخاش اُس زمانہ مین ایک
شخص تھا جس کی بی بی کا نام جعدہ تھا۔ یہ شعر جب مشہور ہوئے اور جعدہ کے
کان تک پہونچے تو وہ نوار کے پاس دوڑی آئی۔ اور کہا "مین نے تمہارے میان
کا کیا بگاڑا تھا جو انھون نے تمہارے ساتھ مجھے بھی لے ڈالا؟" نوار نے کیا
جواب دیتی کہا "مین نے بھی صبر کیا اور تم بھی صبر کرو"۔

حدراء کا مہر فرزدق نے حجاج سے مانگ کے ادا کرنا چاہا۔ جس کی تعداد ایکسو
اونٹ تھی۔ یہ اونٹ لے کے جب گھر مین آیا تو نوار نے کہا "ایک بدویہ نصرانیہ
کالی کلوٹی دُبلی حقیر اور مچھر کی سی ٹانگون والی عورت کا مہر اور سَو اونٹ!" مگر فرزوق
مہر کے یہ اونٹ لے کے حدراء کے گھر گیا تو وہ مر چکی تھی۔

فرزوق کا مدمقابل اُن دنون جریر شاعر تھا جو اُس کی خوب خبر لیا کرتا۔ اور
فرزوق بھی دنیا مین اگر کسی سے ڈرتا تھا تو اُسی سے۔ آج تک عربی کے زبان دانون
اور سخن فہمون مین اختلاف پڑا ہوا ہے کہ ان دونون شاعرون مین کون افضل تھا
کوئی فرزوق کو زیادہ پسند کرتا ہے اور کوئی جریر کو۔ اسمین شک نہین کہ فرزوق کے
کلام کو ترجیح دینے والے زیادہ ہین۔ لیکن اس مین بھی شبہ نہین کہ جریر نے جس جس

طرح فرزدق کی مٹی خراب کی ہے کوئی نہ کر سکتا تھا۔ خود فرزدق اِس کا لوہا مانے ہوئے تھا۔ اور اپنے شرمناک واقعات کو چھپاتا اور ساتھیون سے کہتا "بھئی اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ جریر کو خبر ہوگئی تو میری مٹی پلید کر ڈالے گا"

عبداللہ بن عطیہ فرزدق اور جریر دونون کے اشعار کا راوی تھا۔ وہی اُس کے کلام کو محفوظ رکھتا اور مدوّن و مرتب کرتا۔ ایک دن فرزدق نے اُسے بلا بھیجا اور کہا "مین نے ابن مراغہ (جریر) کی شان مین ایک شعر کہا ہے اگر اس نے اُس کا جواب دے دیا تو نوار پر طلاق ہے" وہ شعر یہ تھا ؎

فانی انا الموت الذی ہو نازلٌ ۔۔۔ بنفسک فانظر کیف انت تحاولہٗ[۱]

پھر کہا "تم خود جاکے یہ شعر جریر کو سناؤ اور کہو اب کیا کہتے ہو؟" عبداللہ سفر کرکے یمامہ مین گیا۔ جہان جریر رہتا تھا۔ اُسے اس حال مین پایا کہ دروازہ کے سامنے بیٹھا بالو سے کھیل رہا تھا۔ فرزدق کا یہ شعر سنا کے اُس کا پیام پہونچا دیا۔ سنتے ہی جریر نے بالو پر لوٹنا سر پر خاک ڈالنا اور سارے بدن پر بالو ملنا شروع کیا۔ مغرب کے وقت تک اسی شغلہ مین رہا۔ اور یکایک جوش کے ساتھ بولا "مین نے نوار کو طلاق دلوا دی" اور یہ شعر پڑھا ؎

انا الدہر یفنی الموت والدہر خالد ۔۔۔ فجئنی بمثل الدہر شیئًا یطاولہٗ[۲]

عبداللہ نے واپس آکے جب یہ شعر فرزدق کو سنایا تو دم بخود رہ گیا اور بولا "تو اب اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرنا"

اُس کی اِس کمزوری سے نوار نے بھی فائدہ اٹھایا۔ فرزدق نے اُس کے چھیڑنے اور ستانے کے لیے حدراء کی تعریف مین اشعار کہے اور اُن مین نوار کی تحقیر کی۔ نوار نے

---

[۲] مین زمانہ ہون جو موت کو مٹا کے برقرار رہتا ہے۔ بھلا زمانہ کی سی کوئی چیز تو مجھے بتا جس کی زندگی کی مدت طولانی نہ ہو۔

[۱] مین موت ہون جو تجھ پر نازل ہوئی ہے۔ سنبھل دیکھون تو اُس کا کیسے سامنا کرتا ہے۔

کہا "اب تم یون نہ مانو گے۔ اچھا دیکھنا اِس کا کیسا مزہ چکھاتی ہون" پھر آدمی بھیج کے جریر کو اُس کے وطن سے بلا بھیجا۔ اور اِس سے فرزدق کی بیہودگیون کی شکایت کی۔ اور کہا کہ وہ میری ہجو مین شعر کہتا ہے۔ جریر نے کہا بی بی تم اپنا دل نہ کڑھاؤ مین اُس سے سمجھ لونگا چنانچہ اُس نے فرزدق کی خوب خبر لی۔ اور فرزدق نے بھی اُس کا جواب دیا۔

اسی طرح نوار نے اپنا دکھ جا کے بنی قیس بن عاصم مین بیان کیا اور وہ لوگ اُس کے ساتھ ہمدردی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ فرزدق کو اِس کی خبر ہوئی تو اُن لوگون کی ہجو مین دو شعر کہے۔ یہ شعر سُن کے اُن لوگون کو بڑا طیش آیا۔ اور اُنھون نے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا "اگر اس کے بعد تیسرا شعر تم نے کہا تو خدا کی قسم ہم تمھین مار ڈالین گے" یہ ایسی زبردست دہمکی تھی کہ پھر فرزدق کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

چند روز بعد فرزدق نے رہیمہ بنت غنی نمریہ سے عقد کیا۔ مگر دو ہی چار روز بعد اُس سے بگڑ گئی۔ اور ایسی بگڑی کہ طلاق کی نوبت آئی۔ اور فرزدق نے اپنے پرانے حربہ سے کام لیا یعنی اُس کی ہجو کہی۔ بنی نہشل کی ایک چھوکری سے نکاح کیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا۔ وہ حاملہ ہوئی۔ اور وضع حمل مین مر گئی۔ فرزدق نے اُس کے غم مین مرثیہ کہا۔

سب کے بعد بڑھاپے مین آپ نے ظبیّہ بنت حاتم مجاشعیہ کے ساتھ نکاح کیا۔ مگر چونکہ مہر مین دینے کے لیے کوڑی پاس نہ تھی اس لیے اُسے ایک سال تک اسی کے میکہ مین جو صحرائے عرب کے اندر تھا رہنے دیا۔ پھر عامل فارس ابان بن اسد بجلی کو لکھا تو اُس نے مہر کی رقم دلوا دی۔ اب آپ اُسے رخصت کرا کے گھر مین لائے تو آپ کے ضعف پیری کے باعث وہی نتیجہ ظاہر ہوا جو سعدی شیرازی نے گلستان مین بتایا ہے ؎

میان شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چنان	کہ سر بشحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست	ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت

گھر کی جوتی پیزار کے بعد یہ شرمناک مقدمہ جن قاضی صاحب کے اجلاس مین پیش ہوا۔ اُن کا نام نامی مہاجر تھا۔ مگر فرزدق کی ہجوؤن کا خوف اُس پر بھی اِس قدر غالب تھا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہی کہہ دیا "طبیہ" چاہے فرشتون ہی کو گواہی مین کیون نہ لائے۔ مگر مین فرزدق کے خلاف مقدمہ نہین فیصل کر سکتا!"

فرزدق کے پاس ایک اور عورت تھی جو حبشن تھی۔ جس کے بطن سے ایک لڑکی بھی ہوئی تھی جو مکیہ کہلاتی تھی۔ اس حبشن کی تعریف مین آپ نے چند شعر کہے تھے۔ جن مین منجملہ دیگر محاسن کے اُس کی خوشبو کی بھی تعریف کی تھی۔ وہ اشعار سُن کے نوار بولی "ہان اسی کی سی خوشبو تم مین بھی آتی ہے"!

فرزدق کا اصلی حربہ اُس کی ہجوگوئی تھی جس سے اُمرا اعیانِ سلطنت شرفائے زمانہ اور اُس کے معاصر شعرا تک ڈرتے تھے۔ اسی قدر نہین بعض اوقات وہ اپنی رند مشربی اور آوارہ مزاجی مین بھی اسی حربہ سے کام لیا کرتا تھا چنانچہ آپ ایک خوبصورت شریف خاتون عرب پر فریفتہ ہوگئے۔ اور اُسے دھمکی دی کہ مجھ سے راضی ہوجاؤ۔ ورنہ ہجو کہہ کے سارے زمانہ مین بدنام کردون گا۔ جب کئی بار اُسے اسی طرح کی دھمکی دی تو وہ مجبوراً نوار کے پاس آئی اور کہا "خدا کے لیئے اپنے میان کو روکو۔ وہ میری آبرو لینے کے درپے ہین۔ اور مین کوئی بدکار عورت نہین ہون" نوار نے کہا "فرزدق کے سیدھا کرنے کی یہ تدبیر نہین ہے۔ تم اُس سے وعدہ کرلو۔ اور جس دن کا وعدہ ہو مجھے بلا بھیجو۔ پھر دیکھو کیسی دلگی ہوتی ہے" اُس خاتون نے یہی کیا۔ وعدہ کی شب کو آپ خوش خوش پہونچے۔ اُس نے کہا "مین تم کو خلوت کے کمرہ مین لیئے تو چلتی ہون۔ مگر وہان چراغ نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ میرا کوئی عزیز آجائے" آپ نے جوشِ محبت مین منظور کرلیا۔ کمرہ مین گئے۔ اندھیرے مین وہ خاتون تو چل دی۔ اور اُس کی جگہ نوار آ کے بیٹھ گئی۔ لطفِ صحبت اُٹھانے کے بعد یہ بھی

بھی اطمینان سے نہین بیٹھنے پائے تھے کہ نوار نے ایک دوہتڑ مارا۔ اور چلائی کہ "موئے شہدے یہ تیری یہ حرکتین ہین!" آواز پہچانتے ہی آپ نے فی البدیہہ کہا "آخاہ! یہ تم تھین! انا اطیبک حراما وارداک حلالاً" کیا بتاؤن کہ حرام مین تم کیسی اچھی ہو اور حلال مین کیسی بُری تھین!"

مگر باوجود ان سب باتون کے جانتا تھا کہ میری اصلی بی بی اور مجھ پر حق رکھنے والی نوار ہی ہے۔ چنانچہ ایک بار فرزدق کہین باہر تھا۔ مکیّہ کی ماں حبشن نے اُسے نوار کی شکایت لکھی کہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہین کرتین۔ اُدھر نوار نے بھی اُسے اِس حبشن کی شکایت لکھ بھیجی۔ اِس کے جواب مین فرزدق نے تین شعر لکھ کے اُس حبشن کے پاس بھیجے۔ جن مین مکیّہ کی ماں کو ڈانٹا اور لکھا تھا کہ "نوار کو کوئی معمولی عورت نہ سمجھنا۔ وہ شریف ہے اور بڑے باپ کی بیٹی ہے"۔

مگر باوجود اس کے نوار کے دل مین فرزدق کی جانب سے روز بروز نفرت بڑہتی ہی جاتی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اس کو ناجائز شوہر نہین خیال کرتی تھی جب اور کسی طرح زور نہ چلا تو اُس نے فرزدق کی خوشامد درآمد شروع کی۔ ہر بات مین اُس کی خوشی پر چلتی۔ کوئی فعل اُس کی مرضی کے خلاف نہ کرتی۔ یہان تک کہ بہزار خرابی اُسے طلاق دینے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن اب بھی فرزدق نے اُس سے اتنی شرطین کرالین کہ (۱) طلاق کے بعد بھی تمہارے گھر سے نہ جاؤن گی (۲) تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑون گی۔ (۳) کسی اور شخص کے ساتھ نکاح نہ کرون گی (۴) اور میرے مال و اسباب اور میری جائداد پر تم جو تصرف چاہو کرو۔ تمھین اختیار ہوگا۔ مین تمہارا ہاتھ کبھی بھی نہ پکڑون گی۔ تب اُسے لے کے اُس زمانہ کے امام دین حسن بصری کے سامنے گیا اور کہا "اے ابو سعید (یہ حسن بصری کی کنیت ہے) آپ گواہ رہیئے کہ مین نے نوار کو طلاق دی" حسن بصری نے سُن کے کہا "ہان مین

گواہ ہون؟" اِس طلاق کے وقت گواہون کی حیثیت سے راوی اشعار فرزدق ابوشفقل اور ایک دوسرا رادی فرزدق کے ساتھ تھے۔ خود نوار بھی موجود تھی جس کے ہمراہ بہت سے لوگ گئے تھے۔ مگر فرزدق کی ہیبت سے سامنے نہین آتے تھے بلکہ ستونون کی آڑ مین چھپے رہے۔ واپسی کے وقت فرزدق نے ابوشفقل سے کہا "بھئی مین تو اپنے کیئے پر پچھتا رہا ہون۔ جی نہین چاہتا کہ نوار کو طلاق دے کے آزاد کر دون" ابوشفقل نے کہا "ایسا ہے تو خدا کی قسم تم اپنی جان دیا چاہتے ہو۔ جانتے بھی ہو کہ کس کو اپنے طلاق کا گواہ بنا چکے ہو؟ اگر حسن بصری نے اشارہ بھی کر دیا تو مسلمان تمھین سنگسار کر کے مار ڈالین گے۔ تاہم فرزدق نے اِس افسوس مین چند شعر کہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے نوار سے سچی محبت تھی۔ اُن مین کا ایک شعر یہ ہے ؎

وکانت جنتی فخرجت منہا ۔۔۔ کآدم حین اخرجہ الضرار

اور وہ (نوار) میری جنت تھی، جس سے مین ویسے ہی نکلا جس طرح حضرت آدم کو جھوٹ اور نفاق نے نکالا تھا۔ اور نوار کا یہ طلاق لینا بھی محض دینداری کے خیال سے تھا، اور کسی وجہ سے نہ۔ اپنے دل مین وہ اپنے لیئے فرزدق کی صحبت کو حرام و ناجائز خیال کرتی تھی۔ بس اسی سے بچنے کے لیئے اُس نے بہزار دشواری آزادی حاصل کر لی۔ ورنہ جو شرطین وہ فرزدق سے کر چکی تھی۔ اُن کی وجہ سے طلاق کے بعد اُسے کسی قسم کی آزادی نہین حاصل تھی۔ نہ اُسے اپنے روپیہ پیسہ پر تصرف کرنے سے روک سکتی تھی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کیسی پارسا و پاک طینت اور نیک بی بی تھی۔

مرنے سے پہلے اُس نے فرزدق کو وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز حسن بصری آ کے پڑھائین۔ فرزدق نے انھین اس وصیت کی خبر کی تو فرمایا "اگر نوار نے مجھ سے پہلے سفر آخرت کیا تو مین ضرور اُس کی نماز جنازہ پڑھاؤنگا۔" اتفاقاً

یہی ہوا کہ نوار رہگرائے عالم جاودانی ہوئی اور حسن بصری زندہ موجود تھے۔ فرزدق نے جا کے اطلاع کی تو وہ فوراً چلے آئے۔ یہان پہونچ کے دیکھا تو بہت سے لوگ بھیڑ لگائے کھڑے تھے۔ پوچھا یہ کیون کھڑے ہوئے ہین۔ فرزدق نے کہا "سب سے اچھے شخص اور سب سے بُرے شخص کے انتظار مین تھے" اُس کی مُراد تو اچھے سے حسن بصری اور بُرے سے خود اپنی ذات تھی۔ مگر حسن بصری نے دونون جملون کو اپنے ہی سے متعلق کیا اور کہا "نہ مین سب سے اچھا ہی ہون اور نہ سب سے بُرا ہی ہون" اس کے بعد نماز پڑھا کے نوار کو دفن کر دیا۔ اور قبر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "اس خوابگاہ کے لیئے کیا سرمایہ جمع کیا ہے؟" فرزدق نے کہا "ستر برس کا یہ عقیدہ کہ لا الہ الا اللہ" اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ فرزدق بھی دل سے سچا شیدائے توحید تھا اور توحید ہی کو ذریعۂ نجات جانتا تھا۔ اور اسی لیئے اُن دونون میان بی بیون کی نسبت کہتے ہین کہ "اللھم اغفر لھما"۔

جون آف آرک

(فرانس کی مظلوم حامیۂ وطن)

یون تو ہر ملک اور ہر قوم مین صدہا نامور عورتین گذری ہین جنھون نے اپنے حسن و جمال کی قوت سے زمانہ کو مسخر کر لیا۔ اور بڑے بڑے کارہائے نمایان دکھا دیئے۔ مگر جون آف آرک کی شان و وضع کی عورت چراغ لے کے ڈھونڈیئے تو بھی ساری دنیا مین نظر نہ آئے گی۔ اس کی سرگزشت جیسی دلچسپ اور حیرت خیز ہے۔ ویسی ہی جگر خراش اور خون رُلانے والی بھی ہے۔

پندرہوین عیسوی صدی کے آغاز مین مملکت فرانس کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی تھی۔ شاہ چارلس ششم بالکل فاتر العقل اور مجنون تھا۔ نہ اُس کے سنبھالے نظام مملکت سنبھلتا تھا۔ اور نہ بیرونی حملہ آورون کی روک تھام ہو سکتی تھی۔ اُس کا اکلوتا بیٹا ڈوفین نالائق خوشامدیون مین گھرا ہوا تھا۔ اور اُس پر طرہ یہ کہ لوگون کو اُس کی نسبت باپ کے حلالی بیٹے ہونے مین شبہ تھا۔ کیونکہ ایک معاہدے کی رو سے سارے حقوق شاہی انگلستان کے بادشاہ ہنری پنجم کو دے دیئے گئے۔ اور وہ جائز وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ ادھر ڈوفین یعنی چارلس ہفتم کے بنی اعمام اور بھائیون نے اپنے جتھے باندھ کے ارادہ کیا کہ خود ہی ملک کے مالک بن جائین۔ خصوصاً ڈیوک آف برگنڈی جو انگریزون سے ملا ہوا تھا سلطنت کی ہوس کے ساتھ بعض خاندانی نزاعون کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ مگر امرا کے سوا عام رعایا چارلس ششم کے بیٹے ڈوفین ہی کیطرف دار تھی۔ اور اُسی کو حقیقی وارث سلطنت تصور کرتی تھی۔ ان سب امور کا نتیجہ یہ تھا کہ فرانس کے امرا اور شاہزادون مین جھگڑے چھڑے ہوئے تھے دوسری طرف سے انگریزون کے لشکر نے فرانس کی فوجون کو شکستین دین۔ اور یکے بعد دیگرے شہرون پر قبضہ کرتے چلے جاتے تھے۔ آخر کار انگریزون نے شہر اورلیان کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ اور سلطنت کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا

ایسے نازک وقت مین ان تمام دشواریون کے دور کرنے اور فرانس کو تباہی سے بچانے کے لیئے خدا نے یہ عجیب و غریب لڑکی جون آف آرک پیدا کی جو ساری دنیا مین آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

یہ ایک فرانس کی نوعمر و نوخیز حسین و نازنین گلفام و سیم تن دوشیزہ لڑکی تھی۔ زلفین مشرقی حسینون کی طرح سیاہ تاب اور مشکین تھین۔ اور آنکھین بھی بجائے نیلگون اور میلو فری ہونے کے جادو نگاہ مہ وشان مشرق کی طرح خوب کالی اور نہایت چمکدار تھین

اُس کے بے مثل حسن وجمال سے دلبری کا پورا کمال نمایان تھا۔ اور اُس کی دلدوز نگھین اپنی دلربائی کی قوت سے سارے عالم کے مسخر کرنے کا دعوی رکھتی تھین۔

ملک فرانس مین دریائے لورین کے کنارے ڈومری نام ایک چھوٹا سا گاؤن ہے۔ اُس مین جیک آف آرک نام ایک کسان رہتا تھا۔ جو اپنی بی بی ازابو کے ساتھ بستی کے دوسرے لوگون کے دیکھتے کسی قدر معزز وممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اُس کے پاس تھوڑا سا غریبانہ سرمایہ تھا۔ مویشیون کے دو ایک گلہ تھے۔ اور اس کے ساتھ خدا نے تین بیٹے دیئے تھے۔ اور دو بیٹیان۔ انھین دو بیٹیون مین سے ایک جون آف آرک تھی جسے لوگ چھوٹی بہن بتلاتے ہین۔ اور بعض بڑی۔

جون آف آرک ۶ جنوری ۱۴۱۲ء کو پیدا ہوئی تھی۔ جب ننھی بچی تھی اکثر باپ کی بکریان چرانے کو گاؤن کے اطراف وجوانب مین چلی جاتی۔ اُس کی مان ازابو نے کسی خانقاہ مین تعلیم پائی تھی۔ جس کی وجہ سے اُس پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ اور وہی تعلیم اُس نے اپنی بیٹیون کو بھی دی۔ سینا۔ پرونا۔ کاڑھنا۔ چرخہ کا تنا سکھانے کے ساتھ ساتھ اُس نے انھین دعا وعبادت۔ زہد وتقوی۔ اور پاکدامنی وعفت شعاری کی اعلی تعلیم دی۔ خصوصاً ابتدائے شب کو بیٹیان اُس کے پاس اپنا سینا پرونا لیکے بیٹھتین تو وہ انھین مسیحی ولیون اور شہیدون اور بزرگان دین کی داستانین سنایا کرتی۔

یہ باتین دوسری بہن پر تو معمولی اثر کرتی رہین مگر جون کے دل پر فطری استعداد کے باعث عجیب قسم کا اثر ہوا۔ پانچ ہی برس کی تھی کہ ان واقعات کی فکر مین اُس پر ایک استغراق اور مراقبہ کا سا عالم طاری ہو جاتا۔ اور کبھی کبھی اُن بزرگون کی صورتین متشکل ہوکے اُس کے خیال کی آنکھون کے سامنے آکے کھڑی ہو جاتین۔ اور چند ہی روز مین اسے بار بار نظر آنے لگا۔ کہ عالم خیال مین فرشتہ اور روحین آکے اُس سے ملتی اور باتین کرتی ہین۔ مگر اُن کیفیتون کو اُس نے اپنے پُراسرار سینہ مین مخفی رکھا

اور ماں باپ یا کسی پر بھی کوئی بات نہ ظاہر ہونے دی۔
اب وہ تیرہ برس کی نوخیز وسرو قامت دوشیزہ تھی۔ ایک دن گاؤن کے گرجے کے قریب اپنے گلہ کی نگہبانی کرتی۔ اور ہاتھ مین کوئی کپڑا اپنے کاڑھ رہی تھی کہ ناگہان آنکھوں کے سامنے ایک نور چمکا۔ پھر ایک نورانی پیکر آسمان سے اُترتا نظر آیا جس نے قریب آکے کہا "جون! اچھی لڑکی بن جا"۔ اس واقعہ سے وہ سہم گئی اور نہایت حیران وپریشان اور بدحواس وہیبت زدہ تھی۔ مگر ان روحانی پھیرون کا سلسلہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔ بار بار ایسی ہی چیزین نظر آتین جن کے ذریعہ سے اُسے ہدایت کیجانے لگی۔ کہ "اُٹھ اللہ نے جس کام کے لیئے تجھے پیدا کیا ہے اُسے پورا کر۔ جا۔ اور بادشاہ فرانس کی مدد کر! کیونکہ تو ہی ملک کی پشت وپناہی کرے گی"۔ یہ باتین سُن کے وہ اور زیادہ سہم گئی۔ بعض اوقات کانپتی تھرتھراتی اور اپنی بے بسی پر رونے لگتی۔ اور چشم فتان سے آنسو پونچھ کے کہتی "مجھ سی غریب ناتوان ونا کارہ لڑکی کیا کر سکتی ہے؟ مین نہ گھوڑے پر سوار ہونا جانتی ہون۔ نہ تلوار چلانا جانتی ہون۔ پھر فرانس کی کیا خاک مدد کرون گی؟"۔
اب اُس مین ضبط کا یارہ نہ تھا۔ دلی جذبات کے ظاہر کرنے کے لیئے بیتاب تھی مگر کسی سے کچھ کہتے بھی نہ بنتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔ اور اپنے ایک عزیز ہم سن لڑکے سے جس کا نام جرارڈ تھا۔ اور ایک ایسے گاؤن کا رہنے والا تھا جہان کے لوگ شاہ فرانس کے خلاف اور ڈیوک آف برگنڈی کے طرفدار تھے۔ اُس نے دبی زبان مین کہا "اگر تم برگنڈی کے طرفدار نہ ہوتے تو مین تم سے ایک بات کہتی"۔ جرارڈ دل ہی دل مین جون کے رخ زیبا کا فریفتہ ہو رہا تھا یہ کلمات سُن کے خوش ہوا اور سمجھا کہ "غالباً میری طرح یہ بھی میری طرف مائل ہے۔ شادی کا تذکرہ چھیڑے گی"۔ مگر وہ ہزار پوچھتا رہا جون نے کچھ نہ بتایا۔ اور لب تک آئی ہوئی بات کو

کھپڑ دبا دیا۔

وہ نورانی صورتین جو اُس کے پاس آیا کرتین اُنھون نے اُسے یہ بھی بتا یا تھا کہ مقام دوکولرکے کپتان کے ذریعہ سے تو بادشاہ فرانس چارلس ہفتم سے مِل۔ اسی چکر مین تھی کہ اس کپتان سے کیونکر ملون کہ اتفاقاً ڈریورنڈ لکزارٹ نام اُس کا ایک رشتہ دار اُس کے والدین سے ملنے کو آیا جو مقام دوکولرکے قریب ہی رہتا تھا۔ جون نے تنہائی مین موقع پاکے اُس سے التجا کی کہ چند روز کے لیئے آپ مجھے اپنے ساتھ لیتے چلیئے۔ اور ابا جان سے یہ بہانہ کر دیجیئے کہ چچی اماں (آپ کی بی بی) نے مجھے بلایا ہے۔ ڈیورنڈ نے جون کی یہ خواہش پوری کر دی۔ اور اُسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ وہان پہونچ کے ایک دن جون نے جی کڑا کرکے ڈیورنڈ سے کہا "آپ دوکولرکے کپتان کے پاس میرا اتنا پیغام پہونچا دیتے کہ مجھے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس پہونچا دین۔ اسلیئے کہ مین اُن کی مدد کرنے اور انگریزون کو فرانس سے مار کے نکال دینے کی اہم خدمت پر مامور ہوئی ہون۔" ڈیورنڈ یہ باتین سُن کے حیرت زدہ ہوگیا۔ پھر اُس کی حالت اور کیفیت دریافت کی۔ اور گو یہ باتین اُسے نہایت لغو نظر آتی تھین۔ مگر اُس کا پیغام لے کے کپتان کے پاس چلا گیا۔ کپتان نے سنتے ہی ایک قہقہہ لگایا اور کہا "تمھاری عقل جاتی رہی ہے۔ اُس چھوکری کے دو دھولین لگاؤ۔ اور اُس کے گھر بھیجدو۔ انگریزون کا مقابلہ اور ایک کنواری لڑکی! بھلا کوئی سمجھ مین آنے کے قابل بات ہے؟" ڈیورنڈ نادم ہوکے واپس آیا۔ اور کپتان کا جواب صاف صاف جون سے بیان کر دیا۔

اب جون بظاہر تو خاموش ہو رہی۔ مگر دل کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ ناکام و نامراد باپ کے گھر مین واپس آئی۔ اب اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ باپ کو بھی خبر ہوگئی اور اُس کے دل مین خیال گزرا کہ معلوم ہوتا ہے جون کے دل مین آوارگی کے خیالات پیدا

ہوئے ہین۔ اور بد کار و بد اخلاق فوجی سپاہیون مین جاکے رہنا چاہتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی مارے غیرت کے پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اور یہ حالت تھی کہ کبھی خودکشی پر آمادہ ہوجاتا۔ اور کبھی بیٹی کی جان لینے پر۔ مگر جون نے ان باتون کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ کیونکہ اُسے حمایت وطن کی دُھن بندھی ہوئی تھی۔ اور روحانی قوت نے اُس مین ہمت۔ حوصلہ۔ جرأت۔ شجاعت۔ سپہگری۔ شہسواری۔ ملک گیری۔ اور علم و فضل کے تمام کمالات پیدا کر دئے تھے۔ آخر دو ایسے نوعمر ساتھی بھی مل گئے جو اُس کے طرفدار اور حامی و مددگار بنے۔ اور انھین ساتھ لے کے ۲۳۔ فروری ۱۴۲۹ء کو جب کہ اُس کی عمر ہنوز ۱۶۔ یا۔ ۱۷ برس کی تھی وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اہل وطن نے روکا کہ راستہ دشوار اور آجکل ملک مین انگریزی لشکرون کے پھیلے ہونے کے باعث خطرناک ہو رہا ہے۔ مگر اُس نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ "مین ایسے خطرون کی برداشت کرنے ہی کے لیئے پیدا ہوئی ہون" سفر پر قدم رکھتے وقت مردانے کپڑے پہن لیئے۔ ہتھیار لگائے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئی۔ اور وطن کو خیرباد کہہ دی۔

چارلس ہفتم ان دنون شہر شینون مین تھا۔ جہان اُس کے گرد فضول مصاحبون صدہا عورتون اور بہت سے تباہ کرنے والے ناعاقبت اندیش افسرون کا ہجوم تھا۔ راستہ مین طرح طرح کے خطرے دیکھ کے جون راتون کو سفر کرتی۔ اور دن کو کسی پناہ کی جگہ ٹھہر جاتی۔ گیارہ دن کی دشت نوردی کے بعد یہ سفر ختم ہوا۔ اور وہ شینون کے قریب فیربوا نام ایک گاؤن مین ٹھہر گئی۔ یہان سے اُس نے بادشاہ چارلس کو اپنے آنے کی خبر کی۔ اور کہلا بھیجا کہ "مین آپ کے تخت کو بچاؤن گی۔ شہر اورلیان پر سے انگریزون کا محاصرہ اُٹھاؤنگی۔ اور مقام رائمز مین آپ کو تاج شاہی پہناؤنگی" جس سے وہ محروم کر دیا گیا تھا۔

جون کے قاصد نے بادشاہ کی باریابی حاصل کرکے جیسے ہی یہ پیغام پہونچایٔ بادشاہ کو غصہ سا آگیا کہ ایک کم سن چھوکری۔ اور میری امداد کا دعویٰ۔ پھر ایک زہر خند کے ساتھ بولا "اچھا مین اس بارے مین وزیرون سے مشورہ کرلون تو جواب دون" وزیرون اور مشیرون کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا گیا تو ایک گروہ نے اس درخواست کا مضحکہ اڑایا۔ اور ایک گروہ کی رائے قرار پائی کہ اُسے اپنی تدبیرین عمل مین لانے کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ اس مین کوئی مضائقہ نہین نظر آتا۔ تین دن تک ان لوگون مین کمیٹیان ہوتی رہین۔ اور کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خود بادشاہ موافق و مخالف گروہون کے بین بین مین تھا۔ آخر اُس کے دل مین آئی کہ اچھا کوئی امر طے کرنے سے پہلے مین اُس سے مل کے اُسے آزما تو لون۔ فوراً قاصد واپس گئے کہ جون کو لے آئین۔ اور اُن کے جانے کے بعد اُس عجیب و غریب حسینہ لڑکی سے ملنے کے لیئے اُس نے دربار مرتب کیا تو اپنی جگہ اپنے کسی افسر کو اپنے کپڑے پہنا کے صدر مین بٹھا دیا۔ اور خود نہایت ہی عام وضع کے کپڑے پہن کے درباریون مین مل گیا۔ جون آئی۔ حاضرین دربار کی صفین چیرتی ہوئی صدر مین آئی۔ صدر نشین کو دیکھا۔ پھر تمام حاضرین کے چہرون پر ایک اجمالی نظر ڈالی۔ اور لپک کے خود چارلس ہفتم کے سامنے پہونچی۔ ادب سے سر جھکا دیا۔ اور بولی "بردبار بادشاہ کی عمر دراز" چارلس نے کہا "مین بادشاہ نہین بادشاہ وہ صدر مین بیٹھے ہین۔" جون نے ادب سے عرض کیا "بادشاہ تو آپ ہی ہین۔ اور مین ایک غریب لڑکی ہون۔ جو روح القدس کی جانب سے اس خدمت پر مامور ہوئی ہون کہ آپ کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کردون"

جون کی سادگی۔ خوبصورتی۔ اور اُسکی باتون نے چارلس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ امرائے دربار سے الگ تخلیہ مین جا کے اُس سے ملا۔ اس موقع پر جون

نے ایسی باتین بتا دین جو چارلس کے خیال مین اُس کے سوا دنیا بھر مین کسی کو نہین معلوم تھین۔ اِس ملاقات کے بعد بادشاہ دربار مین برآمد ہوا۔ اور تمام وزرا، و امرا سے کہا "مجھے تو اس پاکدل لڑکی کی سچائی کا پورا یقین ہوگیا تاہم تم سب لوگون کے اطمینان کے لیئے مین اِس کا اور امتحان کرتا ہون" یہ کہہ کے اُس نے شہر کے بڑے بڑے مقتدایان دین اسقفون۔ عالمون۔ اور مختلف علوم کے باکمالون کو جمع کر کے جون کو اُن کے سامنے پیش کیا۔ کہ جس مسئلہ کو چاہین اُس سے پوچھین۔ عالمون نے مشکل سے مشکل مسئلہ چھیڑے اور سب کے لیے صحیح و برجستہ جواب جون نے ایسے فصیح و بلیغ الفاظ اور دلکش لب و لہجہ مین دیئے کہ سب اُس کے علم و فضل کے سامنے عاجز آگئے۔ اور سارا دربار عش عش کر گیا۔

اب کسی کو اعتراض کی گنجایش نہین باقی تھی۔ اور چارلس تو اُس کا عقیدت کیش مرید ہی بن گیا تھا۔ فوراً اپنا شاہی گارد اُس کے حوالے کر دیا اور کہا "آپ کا جب جی چاہے فوج کشی کے لیے روانہ ہو جایئے" اور جون اُس کی افسر بن کے فوراً روانہ ہوگئی۔ اب جون کی عجیب شان تھی۔ ایک ہاتھ مین نیزہ تھا۔ اور دوسرے ہاتھ مین شاہی علم۔ زرہ بکتر سے آراستہ۔ آبدار خود پہنے اور زلف مشکین کو پیٹھ اور شانون پر بکھرائے گھوڑے پر سوار فوج کے آگے آگے جا رہی تھی۔ سپاہیون کے دلون مین شاید خیال گزرا ہو کہ یہ گھوڑے تک پر کبھی سوار نہین ہوئی دشمنون سے کیا مقابلہ کرے گی۔ مگر اُس نے تھوڑی ہی دیر مین چابک سواری کے لیسے کمالات دکھا دیئے کہ کل ہمراہی سوار مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔

شہر اورلیان کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ انگریز بہت ہی سختی سے محاصرہ کیئے ہوئے تھے۔ شہر والون مین ذرا بھی دم نہین باقی رہا تھا۔ اور جو فرانسیسی لشکر انگریزون سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اُس کے حوصلے پست تھے۔ اور کچھ بنائے نہ بنتی

تھی۔ اور سلطنت مین اتنی قوت نہین باقی رہی تھی۔ کہ محصورین کی کمک کرسکے۔ ایسی حالت مین جون آف آرک شاہی گارد کو لیئے ہوئے جوش و خروش سے پہونچی۔ یہان پہونچ کے لڑائی کا آغاز اُس نے اِس طور سے کیا کہ اپنی فوج مین سے تمام زانیہ عورتون کو نکلوا دیا۔ سپاہیون کو زنا کاری سے توبہ کرا کے اُن کے دل پاک وصاف کیئے۔ پھر اُن کے دلون مین امید و رجا کے شمعین روشن کین۔ اور سب سے کہا "بس خدا ہی پر بھروسا رکھنا"۔ اِس کے بعد اُس نے ایسی سختی سے حملہ کیا کہ پہلے ہی دن کی لڑائی مین اہل شہر کی اُمیدین مضبوط ہوگئین۔ انگریزون مین گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اور لڑائی کا رنگ بدل گیا۔

لیکن سچ یہ ہے کہ اُن دنون فرانس والے نہایت ہی نالائق ہو رہے تھے۔ اور اس قابل نہ تھے کہ خدا اُن کی دستگیری کے لیئے جون آف آرک کے ایسے فرشتہ رحمت کو بھیجتا۔ انگریزون مین تو یہ خیال مشہور رہا کہ یہ عورت کوئی جادوگرنی ہے جس سے وہ ہیبت کھانے لگے۔ مگر فرانسیسی افسرون نے ناشکری کا پہلا اٹھا یہ کیا کہ ایک عورت کی ماتحتی اور اُس کے مشورون پر عمل کرنے کو حقارت و ذلت سمجھے۔ اور خود بادشاہ کے شاکی ہوئے کہ ایک گنوار چھوکری کو ہم پر سردار مقرر کیا ہے۔ اور ابتدا ہی سے اُن کی وضع یہ رہی کہ جون کی مخالفت کرتے۔ اُس کے احکام کے خلاف کارروائیان کرتے۔ اُس کی تذلیل و تحقیر کے لیئے سازشین کرتے۔ اور محض اُس کی عداوت کے خیال سے لڑائی کا رنگ بدلنے اور قومی سلطنت کے ذلیل کرانے مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتے۔ جون ان سب باتون کو دیکھتی اور سمجھتی تھی۔ مگر حمایت وطن مین اُس کے قدم کو ذرا بھی لغزش نہ ہوتی۔

بہرحال جون نے انگریزون سے مقابلہ شروع کیا تو اُن کے حواس جاتے رہے۔ اور آغاز جنگ ہی مین اُنھین اپنی کامیابی مشتبہ نظر آنے لگی۔ سب کو یقین ہوگیا کہ یہ

اگر جادوگرنی نہین تو کوئی فرشتہ ہے۔ جو دشمنون کی مدد کے لیئے آسمان سے اتر آیا ہے
اب جون نے خود حملہ کا قصد کیا۔ سفید براق کپڑے زیب بدن کیئے۔ کالی کالی
زلفین پیٹھ پر پھیلائین۔ نقرۂ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ ایک ہاتھ مین نیزا اور ایک مین
علم لیا۔ اور شاہی گارد کو لے کے بزن بول دیا۔ یہ ایسا زبردست حملہ تھا کہ انگریزون
کے قدم اُکھڑ گئے۔ اور پریشان و بدحواس بھاگے۔ اِس کے بعد اور لیان مین اُس
نے انگریزون کو تابڑ توڑ شکستین دین۔ یہان تک کہ انگریزون نے بہت نقصان
اُٹھا کے محاصرہ چھوڑ دیا۔ اور واپس گئے۔

اُس کی اِس کامیابی پر فرانسیسی افسران فوج کے دلون مین آتش حسد اور
بھڑکی خصوص اِس لیئے کہ اُن کی مخالفت کے بھی جون کی فتحمندی مین فرق نہ آنے
دیا۔ جون فتح حاصل کر کے شہر "بلوا" مین گئی کہ بادشاہ کو مژدۂ فتح سنائے۔
اب اُس کی اِس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ عام اہل فرانس اُس کے نام پر فریفتہ اور
اُس کی زیارت کے مشتاق تھے۔ جدھر سے اُس کا گزر ہوتا ہزارہا خلقت کا
انبوہ اُس کی صورت زیبا دیکھنے کے لیئے جمع ہو جاتا۔ جوش و خروش سے
اُس کی تعظیم کے لیئے جھکتے۔ اُس کے قدم چومتے۔ جو خاک اُس کے پاؤن سے
چھو جاتی اُسے چومتے اور متبرک خیال کرتے۔ شہر بلوا والون نے بڑی ہی گرمجوشی
سے اُس کا استقبال کیا۔ اور بادشاہ نے مژدہ فتح سُننے کے بعد اظہار شکرگزاری کے
لیئے اسے اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔ مگر جون نے قطعاً انکار کیا۔ اور کہا "یہ وقت
کوشش اور جان کھپانے کا ہے نہ مزے اُڑانے اور دعوتین کھانے کا۔"
روح القدس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ میرے سفر آخرت کرنے کا وقت قریب
آگیا ہے۔ اور دو سال سے زیادہ زندگی نہین باقی ہے۔ اِس لیئے فوراً شہر رائن
مین چلیئے تاکہ مین آپ کو اپنے ہاتھ سے تاج شاہی پہنا دون۔ اُس کے بعد خدا

جو چاہے کرے" اس طریقہ سے اُس نے چارلس ہفتم کو مجبور کر دیا کہ بہت جلد اُس کے ساتھ شہر رائمز کیطرف کوچ کرے۔

آخر چارلس ہفتم کو ساتھ لے کے وہ بڑے کروفر سے اور عجیب شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئی۔ بادشاہ کے آگے آگے سفید کپڑے پہنے۔ زلفین بکھرائے۔ سفید گھوڑے پر سوار۔ اور فرانس کا علم ہاتھ مین لیئے ہوئے وہ تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ انسان نہین کوئی فرشتہ ہے۔ جو مملکت فرانس کی حمایت اور شاہ چارلس کی پشت پناہی کے لیئے آسمان سے اُتر آیا ہے۔ یہ شاہی لشکر ایک قسم کی روحانی عظمت کی شان دکھاتا ہوا شہر جار جو اسکے قریب پہونچا جس پر انگلستان والون کا قبضہ تھا۔ انگریز پہلے تو اس قدر غالب آچکے تھے کہ اپنے آپ کو سارے ملک فرانس کا مالک تصور کرتے تھے۔ اور انھین اپنی فتح مین ذرا بھی شک و شبہ نہ تھا۔ مگر اب جون کی کارروائیون نے اُن کی اُس کامیابی کی رفتار مین ایک فوری انقلاب پیدا کرکے انھین پسپا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اُن کے دلون پر جون کی ہیبت بیٹھ گئی تھی۔ تاہم انگریزون کی حمیت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ شہر کو بے لڑے فرانسیسیون کے حوالہ کر دین۔ وہ مزاحمت کے لیئے تیار ہوئے۔ اور جون نے اُن پر بلا تامل جوش و خروش سے دھاوا کیا۔ اُس کی جانبازی نے فرانسیسی سپاہیون کے مردہ دلون مین نئی زندگی پیدا کی خصوصاً جب انھون نے دیکھا کہ جون آف آرک بغیر اس کے کہ ذرا بھی ہچکچائے اور اُس کے قدم کو کچھ بھی لغزش ہو جھنڈے کو ہلاتی ہوئی سیڑھی لگاکے شہر پناہ پر چڑھ گئی تو سب نے جان پر کھیل کے چارون طرف سے یورش کر دی۔

لیکن خود جون جب سیڑھی کے اوپر کے زینہ تک پہونچی اور شہر پناہ پر قدم جمانے کو تھی کہ ناگہان سیڑھی لڑھک کے نیچے آرہی۔ اور اُس کے ساتھ

ہی جون آف آرک بھی کھائی کے اندر تھی۔ گرنے مین کچھ ایسی چوٹ آئی کہ جون کو غش آگیا۔ مگر ہوش آتے ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ گرد جھاڑ کے اوپر آئی اور فوج کو للکارا کہ "بہادرو! اسی حملہ پر لڑائی ختم ہے۔ اور فتح تمھارے ہاتھ ہے" ان سحرآگین الفاظ نے سب مین کچھ ایسا بلا کا جوش پیدا کر دیا کہ سر ہتھیلیون پر لے کے بڑھے۔ اور آناً فاناً مین انگریزون کو مغلوب کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد شہر انگریزون کے قبضہ مین نہ تھا۔

اِس معرکہ کے بعد انگریزون کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور انھین کلیۃً مایوسی ہو گئی۔ چنانچہ اُن کے سپہ سالار اعظم ٹالبوٹ نے خود ہی مصلحت دیکھ کے فرانس کے تمام شہرون پر سے اپنا قبضہ اُٹھا لیا۔ اور سارے انگریزی لشکرون کو جو مختلف اطراف اور شہرون مین پھیلے ہوئے تھے۔ یکجا کر کے دارالسلطنت پیرس کا ارادہ کیا۔

دوسری طرف جون آف آرک برابر شکستین دیتی اور فتحون پر فتحین حاصل کرتی بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور اُس کے مقابل کسی جگہ انگریزون کا قدم نہ ٹکتا تھا۔ آخر وہ شہر رائن مین پہونچی۔ جہان ۱۷۔ جولائی ۱۴۲۹ء کو اُس نے بڑے ہی اہتمام اور نہایت تزک و احتشام سے شاہ چارلس کو تاج شاہی پہنایا۔ تاجپوشی کے وقت جون حسب معمول سفید لباس پہنے اور علم ہاتھ مین لیے تخت کے آگے کھڑی تھی۔ بادشاہ کو تاج مقتدائے دین نے پہنایا۔ اور اُس کی کمر مین تلوار جون نے اپنے ہاتھ سے باندھی۔ ان سب باتون کو وہ ایک عجیب خلوص اور جوش مسرت سے اپنے ایک دینی اور روحانی فرض کی طرح بجا لائی۔ اور جب تمام رسوم تاجپوشی ادا ہو چکے تو اُس پر ایک رقت کا عالم طاری ہوا۔ آنکھون مین آنسو بھر آئے۔ فوراً جھک کے چارلس کے قدمون سے لپٹ گئی۔ اپنے گرم آنسوؤن سے اُس کے قدم دھوئے اور نہایت جوش کے ساتھ بولی "اب حضور کی فتح پوری ہو گئی۔ اور مین نے جو کہا تھا کر دکھایا۔

بس اب مجھے آزاد کیجئے کہ خوش خوش اپنے گھر جاؤن۔ اپنے اسی سنسان گاؤن اور گوشۂ تنہائی مین بٹھہ کے چرخا کاتون اور باپ کی بھیڑین چراؤن جس مشغلہ مین کہ مین اِس سے پہلے مصروف تھی۔" چارلس نے یہ کلمات سُن کے کہا "بھلا اب مین اپنے اُس حامی اور اُس پشت پناہ قوم کو چھوڑ سکتا ہون۔ جس نے قوم کو ہلاکت سے بچایا ہے؟ اب ملک کی ترقی اور قوم کی بہبود تمھارے ہی دم قدم سے وابستہ ہے۔ اور مجھ سے نہ ہوگا کہ کامیابی کے بعد تمھارا دامن ہاتھ سے چھوڑ دون۔"

بادشاہ کا یہ جملہ ساری قوم کی آرزوؤن کا ترجمان تھا۔ اِس لیئے کہ اب فرانس کی ساری خلقت کو جون سے بے حد عقیدت تھی۔ اور سوا چند امرا اور فوجی افسرون کے جن لوگون کو جون کے ساتھ بغض و عناد تھا۔ سارے اہل فرانس جون ہی کی رفاقت مین اپنی فلاح سمجھتے تھے۔ اُس کے جھنڈے کے گرد انھین تمام بزرگان سلف اور ولیون کی روحین نظر آتی تھین۔ بادشاہ کے روکنے سے وہ رُک تو گئی۔ مگر اُسی گھڑی سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے مسرت و شادمانی ہمیشہ کے لیئے اُس کے دل سے رخصت ہو گئی۔ اور گویا وہ بالکل بدل گئی۔ اب اُس مین نہ وہ قومی حمیت نظر آتی تھی۔ اور نہ وہ اگلی جوانمردی و شجاعت۔ نہ وہ رویائے صادقہ تھے۔ اور نہ وہ الہام اور روحانی مکاشفات۔ اُس کی سیرت طبیعت اُس کے اوضاع و اطوار۔ اور اُس کے افعال و اقوال مین ایسا حیرت انگیز انقلاب ہو گیا کہ اُس کی باتین سُن کے اور اُس کی حالت دیکھ کے لوگون کو تعجب ہوتا تھا۔ اب بجائے اُس جوش اور اولوالعزمی کے وہ طرح طرح کے اوہام اور رکیک خیالات مین مبتلا اور اپنی حالت پہ آپ ہی متحیر نظر آتی۔ ہر وقت رویا کرتی۔ اور جیسے وہ ساری قوت باطنی اُس سے سلب ہو گئی تھی۔

مگر یہ مزاجی انقلاب دیکھنے پر بھی بادشاہ نے اُسے اپنے پاس سے نہ جانے

دیا۔ اور آخر اُس نے رائن کے گرجے سے اپنے اسلحہ پھر سے جسم پر آراستہ کیئے شہسوار مردون کی وضع بنائی۔ اور معرکہ آرائی کے لیئے روانہ ہوئی لیکن خرابی یہ تھی کہ اِدھر تو خود جون اس طرح بدل گئی تھی۔ اور اُدھر امرائے فرانس کے دلون مین اُس کا بغض اور بڑھ گیا تھا۔ اس لیئے کہ بادشاہ کو جون پر مہربان اور ہر بات مین اُس کا مطیع فرمان دیکھ کے وہ آتش حسد سے جلے مرتے تھے۔ وہ اُس پر طعن و تشنیع کرتے۔ روز اُس پر جھوٹے اتہام لگاتے۔ اُس کے کارنامون کو برائی کے لباس مین دکھاتے۔ اُسے بدنام کرتے۔ اور لشکریون کو اُس کی طرف سے بدظن کر کرکے نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ کرتے۔ یہان تک کہ اُس کے دامن پر بدکاری کے دھبے لگانے مین بھی محسن کش امرائے فرانس نے دریغ نہ کیا۔ جون کا معمول تھا کہ اب سوا شریف و پاکدامن خاتونون اور پاکدامن ننون کے اور کسی کی صحبت مین نہ بیٹھتی۔ کسی مرد سے خلا ملا نہ رکھتی۔ معزز اور آبرودار عورتون مین اپنی راتین بسر کیا کرتی۔ اور کسی کو اُس پر الزام لگانے کا کوئی موقع نہ مل سکتا۔ مگر اس پر بھی بدطینت اور ناسپاس امرائے فرانس نے اُس کے بدنام کرنے مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ وہ نہایت سختی کے ساتھ اُن کے الزامون کی تردید کرتی۔ مگر سچ یہ ہے کہ فرانس والون نے اپنی افترا بندیون اور ناحق شناسیون سے اُس کے بے لوث اور پاک و صاف دل کو بڑے بڑے چرکے دیئے۔ اور جون کی نیک نفسی اس مزاجی انقلاب کے بعد بھی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اُس نے اپنے ہاتھ سے کسی کو آزار پہونچانا نہین گوارا کیا۔ بادشاہ اور لشکری سب اُس کے ساتھ تھے۔ اور اُس کے اختیار مین تھا کہ جس افسر کو چاہتی قتل کی سزا دلواتی۔ یا ایک معمولی اشارے سے مروا ڈالتی۔ مگر اُس سے یہ نہ ہو سکا کہ چاہے کیسا ہی دشمن اور اتہام لگانے والا ہو اُس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔

اس بارے مین سخت سے سخت غصہ کے موقع پر بھی اُس کی تسلیم و رضا مین فرق نہین آیا
اب جون نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ خاص پیریس پر حملہ کرکے انگریزون
کو شکست دے۔ اور فرانس کے دارالسلطنت کو اپنے قبضہ مین لائے۔ اسی
ھدایت کے مطابق چارلس لشکر لے کے چلا۔ اور جون ہمراہ رکاب ہوئی۔ تابڑ توڑ
کوچ کرکے شاہی لشکر پیریس کے گرد اترا۔ راستہ مین بھی کئی فتحین ہوئین۔ اکثر
شہرون نے خود ہی سر اطاعت جھکا دیا۔ آخر شاہ چارلس کے اشارے سے اُس
نے مقام سینٹ اونورے پر دھاوا کیا۔ جہان کہ دشمنون کا پڑاؤ تھا۔ اگرچہ جون
نے کبھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے نہین قتل کیا۔ اور نہ کسی پر تلوار نیزے یا کسی
حربہ سے وار کیا۔ مگر حملہ آوری مین ہمیشہ سپاہیون سے آگے رہتی اور سب سے
پہلے حریف کے قلعہ پر جا پہونچتی تھی۔ اسی میدان مین وہ کئی بار زخمی ہو کے گری
اور غش آگیا۔ اور ہر بار معمول تھا کہ جب غش سے سکون ہوتا اور ہوش و حواس
بجا ہوتے تو بادشاہ سے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگتی۔ مگر چارلس نے کسی
طرح منظور نہ کیا۔ اور آخر مین کہا "تمھارے اعلیٰ خدمات کے صلہ مین تمھارے
گاؤن کی مالگذاری معاف کر دی جائے گی۔ اور کوئی بہت اعلیٰ درجہ کی معزز
خدمت تمھارے سپرد کی جائے گی" گو کہ ان وعدون کا اُس پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا
تھا۔ مگر بادشاہ کے اصرار سے مجبوراً اُسے شاہی رفاقت اور درباداری کی
زندگی اختیار کرنا ہی پڑی۔

اس کے بعد بہت سے واقعہ پیش آئے۔ جن مین اگرچہ کامیابی ہوئی۔ مگر
امرائے فرانس کی فتنہ پردازیان اور جون کے بدنام کرنے کی کاروائیان بدستور
جاری تھین۔ بلکہ روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھین۔ یہانتک کہ ایک مرتبہ بادشاہ
چارلس نے اُس کے ذمہ یہ خدمت کی کہ فوج لے کے جائے اور انگریزون کو شہر

کومپین سے مار کے نکال دے۔ یہ شاہی حکم پاتے ہی وہ مسلح ہو کے روانہ ہوئی۔ اور شہر پر پہونچ کے جوش وخروش سے حملہ کی تیاریاں کرنے لگی۔ اس موقع پر فرانسیسی افسرون کی ناپاک سازشون کا یہ اثر نمایان ہوا کہ اُس نے فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ اور یورش کرنے کے لیئے بڑھی تو فوج والون نے بجائے اس کے کہ اُس کے حکم پر عمل کرین انحراف کیا۔ اسی قدر نہین بلکہ وہ جون کی نسبت اہانت واتہام کے الفاظ زبان پر لائے۔ جون نے اپنی توہین کا تو کچھ خیال نہین کیا مگر انھین حملہ کے لیئے ابھارا اور خود دشمنون کی طرف بڑھی۔ اب وہ تنہا دشمنون کی طرف بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور گویا تن تنہا قلعہ پر قبضہ کر لینے کی آرزومند تھی۔ مگر ہمراہیون نے کسی طرح ساتھ نہ دیا۔ بلکہ شکست کھا کے بھاگے۔ ناگہان فرانسیسیون ہی کے ایک گروہ نے جو انگریزون کا طرفدار تھا اُسے گھیر لیا۔ اور گھوڑے سے کھینچ کے گرفتار کر لیا۔ اور کمال ناشکری واحسان فراموشی سے انگریزون کے حوالہ کر دیا۔ جو کہ جون کے خون کے پیاسے اور اُسے بڑی بھاری خطرناک جادوگرنی تصور کرتے تھے۔ جون کی گرفتاری کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگ اُس کی زیارت کو آنے لگے۔ عوام مین تو ہمدردی کا جوش تھا۔ اور غربا اُس کی اسیری پر آہ وزاری کر رہے تھے۔ مگر امرائے فرانس کی یہ حالت تھی کہ گویا جون کے سب سے بڑے جانی دشمن وہی تھے۔ انھون نے فوراً انگریزون سے صلح کر لی۔ بلکہ اپنی عجیب وغریب بے نفس محسنہ کو اُن کے حوالہ کرکے اُن کے مطیع فرمان بن گئے۔

اب علانیہ دھڑلّے سے جون کی ہر بات پر اعتراض ہو رہا تھا۔ اُس کی ہر ایک کارروائی پر نکتہ چینیان ہو رہی تھین۔ اور اُس کے طرح طرح کے نام رکھے اور اُسے ہر قسم کے الزام دیئے جاتے تھے۔ اور وہ نہایت استقلال وجوانمردی

سے بغیر اس کے کہ تیوریون پر ذرا بھی میل آئے یا کسی قسم کی فکر بھی چہرہ سے ظاہر ہو اپنے قید خانہ مین خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اور تو اور قوم فرانس کی دنائت و ذلت کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو گا کہ خود شاہ چارلس جسے اُس نے بادشاہ بنایا اب کمال ناشکری کے ساتھ اُس کا دشمن تھا۔ اور دیگر امرا کی طرح وہ بھی جون کے نام کی توہین کرتا۔ اور اُسے طرح طرح کے عیب لگاتا تھا۔ پیرس والے جون کے سب سے زیادہ خلاف تھے۔ اور انگریزون کو بار بار اُبھارتے تھے کہ جون زندہ نہ چھوڑی جائے۔ اور اُسے نہایت ہی سخت سزا دیجائے۔ چنانچہ وہ اسیرون کی طرح فرانس کے قلعے جان دی لکس برگ مین رکھی گئی۔ انگریزی عدالت کے سامنے اُس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور شاہ انگلستان ہنری نے اِس مقدمہ کی سماعت کے لیئے دو جج مقرر کیئے۔ اِس مقدمہ کے دوران مین وہ ۱۶ مرتبہ اجلاس کے سامنے لاکے پیش کی گئی۔ اور ہر بار اُس سے عجیب استقلال ظاہر ہوتا تھا۔ اور تمام الزامات کا وہ ایسا معقول جواب دیتی کہ کسی کو جواب دیتے نہ بن پڑتی۔ آخر جب اور کوئی الزام نہ عاید کیا جا سکا تو صرف اس بنا پر کہ وہ جادوگرنی ہے اُسے حبس دوام کی سزا دے دیگئی۔ اور صرف روٹی اور پانی اُس کی غذا مقرر ہوئی۔

اِسی سلسلہ مین اُس سے قسم کھلاکے عہد لیا گیا کہ اب کبھی مردانے کپڑے نہ پہنون گی۔ اور یہ حلف لینے کے دو چار روز بعد یہ چالاکی کی گئی کہ جب وہ سونے کے کپڑے پہن کے سو رہی تو کسی نے چپکے سے جاکے۔ اُس کے کپڑے غائب کر دئیے۔ اور اُن کی جگہ ایک مردانہ جوڑا رکھ دیا گیا۔ صبح کو جاگنے کے بعد جب اُس نے خوابگاہ کے کمرے سے نکلنا چاہا تو مردانہ کپڑون کے سوا اور کوئی لباس نہ ملا۔ مجبوراً اُنھین کپڑون کو پہن کے خوابگاہ سے نکلی۔ ساتھ ہی چارون طرف سے لوگون نے زغہ کیا کہ تم نے اپنی قسم اور اپنے عہد کے خلاف کیا اور اُسی لباس

مین اُسے حاکم کے سامنے پکڑ لے گئے۔ اور اِس بات کی شہادتین پیش کین کہ اِس نے پھر مردانے کپڑے پہنے۔ اور حضور کے ملاحظے کے لیے ہم اُسے مع اُس لباس کے لے آئے ہین۔ مجسٹریٹ نے باضابطہ کارروائی کر کے غریب جون پر دروغ حلفی کا جرم عائد کیا۔ اور اُس کی سزا یہ تجویز کی کہ زندہ آگ مین جلا دی جائے۔ جو کہ اُن دنون عموماً جادوگرنیون اور ڈائنون کی مروج سزا تھی۔ جون نے نہایت ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے یہ حکم سُنا اور اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "تمھارے اِس حکم کی اپیل اُس خدائے عالم و دانا کے عرش اعلیٰ کے سامنے پیش کرون گی؟"۔

اِس قدر جلد قتل کی سزا کی زیادہ وجہ یہ بھی تھی کہ اگرچہ فرانس والون نے گرفتار کر کے اُسے انگریزون کے حوالہ کر دیا تھا۔ مگر برابر اصرار کر رہے تھے کہ اُسے جلد قتل کی سزا دیجائے۔ انگریزون کو اگرچہ جون کی کوششون سے بے حد نقصان پہونچگیا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر جون آف آرک نہ اُٹھ کھڑی ہوئی ہوتی۔ تو انھون نے پورا ملک فرانس فتح کر کے چارلس کو ہمیشہ کے لیئے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہوتا۔ تاہم انگریز شاید بذات خود اُسے اس بے رحمی کی سزا نہ دیتے۔ مگر فرانس والون کی ناشکری احسان فراموشی اور نالائقی و بے حمیتی نے انگریزون کو مجبور کر کے اُن کے ہاتھ سے ایک ایسا یادگار زمانہ ظلم کرا دیا جو خود اپنے طور پر اُن سے نہ ہو سکتا تھا۔

اب اس سزا کی تعمیل کا اہتمام ہونے لگا۔ فرنچ امرا سنگدل اور بے رحم تماشائیون کی طرح جمع ہوئے۔ فرانس کی بے بس رعایا اپنی بدبختی پر روتی اور آنسو بہاتی ہوئی جمع ہوئی۔ ایک بڑی بھاری چتا بنائی گئی اور اُس پر جون لا کے کھڑی کر دی گئی۔ کہتے ہین کہ موت کی اِس نازک گھڑی مین اُس کے ہاتھ

سے صبر و تحمل کی باگ نکل گئی۔ خوبصورت اور نازک چہرے پر بجائے متانت و استقلال کے حسرت برس رہی تھی۔ اور بار بار لبون سے آہ نکل جاتی تھی۔ پھر جب چتا مین آگ لگا دی گئی۔ اور شعلہ اُس کے قریب پہونچے اور اُس کے بدن پر تڑپ رہے ہو گئے اور اُس کے پنڈے مین چرکے دینے لگے تو وہ ایسی درد بھری آواز مین چیخی اور اُس حضرت رب العزت کی درگاہ مین فریاد کرتی تھی کہ پتھر کا کلیجہ موم ہوا جاتا تھا۔ عام تماشائی زار و قطار رو رہے تھے۔ مگر نہ اثر ہوتا تھا تو بے رحم امرائے فرانس کے دلون پر۔

یہ ایسا حسرت ناک اور جگر پاش پاش کرنے والا منظر تھا کہ دشمنون کی آنکھون سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ خود کارڈنل بونور (نائب پوپ) جو تعمیل حکم کرانے کے لیئے آیا تھا۔ اُس کے دل پر بھی خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایسی پیاری صورت کے دم بھر مین مٹا دینے کا اِس قدر اثر ہوا کہ اس منظر کو نہ دیکھ سکا اور اُدھر سے منھ پھیر لیا۔ اور اُس کی آنکھون سے ایک سیلاب جاری تھا۔ جس چتا پر باندھ کے جون جلائی گئی وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کسی مین کسی قسم کا ہمدردی کا جوش بھی پیدا ہوتا تو وہ اُس کی کچھ مدد نہ کر سکتا۔ آخر دم بھر مین شعلون نے اُس کی سینہ شگاف چیخین موقوف کرکے اُسے ہمیشہ کے لیئے خاموش کیا۔ پھر اُسے جلا کے خاک کر دیا۔ اور جلنے کے بعد اُس کی خاک دریائے سین کے اوپر ہوا مین اڑا دی گئی۔ تاکہ اُس کے جسم کا ذرہ بھی کسی کے ہاتھ نہ آسکے۔ لیکن اُس عہد کے سنگدل بے عقلون نے اُس کی فانی تصویر تو مٹا دی مگر اُس کے روشن نام کا مٹنا ناامکان سے باہر تھا۔

بے گناہی کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوتی ہی ہے۔ اور ظالمون کو اپنا ظلم ضرور محسوس ہو جاتا ہے۔ مگر اُس وقت سوا پچھتانے کے کچھ نہین کر سکتے۔ جون آف آرک کے جلائے جانے کے ۲۰ برس بعد پیرس کے بشپ (لاٹ پادری) اور نیز

رومۃ الکبریٰ کے بشپ نے آزادی سے یہ فتویٰ جاری کیا کہ جون کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا وہ غیر منصفانہ اور سراسر ظالمانہ تھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی فرانس کے ادنیٰ و اعلیٰ سب لوگ جون کے بیگناہ قتل کیئے جانے پر پچتیانے اور کف افسوس ملنے لگے۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ ہائے اُس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

جو جو زمانہ گزرتا جاتا تھا فرانس والونکو اپنے دامن پر اُس یادگار زمانہ خون ناحق کا دھبّہ زیادہ اُبھرتا نظر آتا تھا۔ اور کچھ سمجھ مین نہ آتا تھا۔ کہ اس ناحق شناسی کے بار کو اپنے سینہ پر سے کیونکر ہٹائین؟ آخر ۱۸۲۰ء مین جون کے وطن ڈومری مین اُس کی ایک سنگین مورت بناکے نصب کی گئی۔ پھر دوسری مورت خاص اُس مقام پر بناکے قائم کی گئی جہان وہ چتا پر رکھ کے جلائی گئی تھی۔ اس کے چند روز بعد ایک مورت خاص پیرس مین ایک عمدہ موقع پر کھڑی کی گئی۔ جو اُس کی سب مورتون سے زیادہ عمدہ اچھی اور مکمل تھی۔ اس کے بعد ۱۸۵۱ء مین شہر اورلیان والون نے جن کے علاقہ مین جون کا وطن ڈومری واقع تھا۔ اپنے وہان اُس کی ایک مورت بنا کے قائم کی۔ اور ہر سال ۸ مئی کو اُسکی یاد تازہ کرنے کے خیال سے ایک میلہ کرنے لگے۔ جو آجتک جاری ہے۔ اس موقع پر جلسے کیئے جاتے اور اُن مین ان ظالمون کی مذمت و ہجو مین پرجوش و پرسوز نظمین پڑھی جاتین۔ جنھون نے کمال سنگدلی سے اُس سچی حامیۂ وطن کو اس بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا۔ اس سلسلہ کے جاری ہوتے ہی اُس کی مظلومی کی تصویر دکھانے کے لیئے ڈراما تصنیف ہوتے اور وہ یورپ کے تھیئٹرون مین دکھائے گئے۔ ناول شائع ہوئے۔ اور ہر طرف سے اُس سچی پاک نفس حامیۂ وطن کی طرفداری مین آوازین بلند ہوئین۔ یہان تک کہ ساری دنیا نے تسلیم کر لیا کہ جون نہایت ہی پاک دل اور سچی شہید قوم تھی۔ اور اُس کے قتل کرنے والے بدترین ظالم و سنگدل۔

لیلائے اخیلیہؓ

ایک نامی گرامی شہسوار عرب عبداللہ بن الرحال کی بیٹی اور دور اوّلین اسلام کی ایک نہایت ہی پُر اثر اور نازک خیال شاعرہ گزری ہے۔ جو مشہور و مستند شاعر عرب توبہ بن حمیر کی پاک دامن و حور خصال معشوقہ تھی۔ مذکورہ لیلے کے اجداد مین مغویہ نام ایک شخص گزرے تھے۔ جو گھوڑون کے ایسے شوقین اور اس پایہ کے آدمی تھے کہ "اخیل" (بڑے گھوڑے باز) مشہور ہو گئے۔ اُن کا یہ لقب اُن کی نسل مین چلا۔ اور آخر لیلیٰ اس کی وارث ہوئی۔ اور لیلائے اخیلیہ کہلانے لگی۔

ابتدائی حالات مین سوا اس کے کہ جناب معاویہ کے زمانے مین اُس کا نشو و نما ہوا۔ ہمین اور کچھ نہین معلوم ہے۔ توبہ بن حمیر جس وقت اُس کے رخ زیبا پر عاشق ہوا ہے۔ اُس وقت تک اِس نازنین عرب کے اشعار کو کوئی شہرت نہین حاصل ہوئی تھی۔ بلکہ شک ہے کہ اُس زمانے تک وہ شعر کہتی بھی تھی یا نہین۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ توبہ مذکور کے عشق ہی نے لیلے کو شاعرہ بنایا۔

افسوس یہ بھی نہین معلوم کہ اِس عشق کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ مگر ہان اُس کے حالات کے راوی اتنا کہتے ہین کہ توبہ نے اُس کے جمال جہان آرا پر فریفتہ ہونے کے بعد اُس کے باپ کو پیام شادی دیا۔ عرب لوگون مین رواج تھا کہ لڑکی پر جو کوئی عشق ظاہر کرے اُس کے ساتھ اُس کی شادی ہرگز نہ کرتے تھے۔

اِس رسم نے بہت سے عشاق کو اپنی معشوقۂ نازنین کے فراق مین زندگی بھر تڑپایا ہے۔ چنانچہ مجنون عامری بھی اسی کی بدولت اپنی معشوقۂ لیلائے عامریہ کے وصال سے محروم رہا تھا۔ توبہ نے جیسے ہی شادی کی خواہش ظاہر کی لیلائے اخیلیہ کے باپ نے قبیلۂ اولع کے ایک نوجوان کے ساتھ اُس کا عقد کر دیا۔ اور اب توبہ بن حمیر کا سوا اس کے کہ شب و روز معشوقۂ نازآفرین کے فراق مین تڑپے اور کچھ زور نہ چل سکتا تھا۔ مگر تاہم اپنے دل کے ہاتھون مجبور و بیتاب ہو کے لیلا کے دیکھنے کو جاتا۔ اور لیلا کے دل مین اُس کے سچے "عشق نے کچھ ایسا لگاؤ پیدا کر دیا تھا کہ وہ بھی اُس سے آکے ضرور ملجاتی۔ جب یہ حال کھلا تو قبیلے والے بہت ہی بگڑے۔ دل ازدست دادہ لڑکی کو ڈانٹا ڈپٹا۔ اور جب اس پر بھی اُن دونون عاشق و معشوق کا ملنا نہ موقوف ہوا تو سلطنت سے فریادی ہوئے۔ اور جناب معاوؔیہ کے سامنے آکے شکایت کی یہان سے حکم دیا گیا کہ " توبہ اب کبھی لیلا سے نہ ملے۔ اور اگر اس حکم کے بعد بھی اپنی حرکتون سے باز نہ آئے تو لیلے کے قبیلے والون کو اختیار رہے کہ جب موقع ہاتھ آئے اور اُسے جہان پائین قتل کر ڈالین "

اِس حکم سے قبیلے والے جب خوش خوش گھر مین آئے تو لیلا کو فکر ہوئی اور خاصتہً اس وجہ سے کہ توبہ بن حمیر کو ابھی تک یہ حکم خلافت نہین معلوم تھا۔ اب یہ لوگ اُس کی تاک مین تھے۔ اور لیلے نے یہ کیا کہ جس روز اُسے معلوم تھا کہ توبہ آج مجھ سے ملنے کو آئے گا۔ کوئی بہانہ کر کے اپنے قبیلے کے فرودگاہ سے باہر گئی۔ اور سرراہ اس وضع سے کھڑی ہو گئی کہ نجلاف بیشتر کے چہرے پر نقاب نہ تھی۔ توبہ آیا اور لیلے کو دور ہی سے اِس وضع مین دیکھ کے کہ اپنی عادت کے خلاف آج منہ کھولے ہوئے ہے۔ اُلٹے پاؤن واپس چلا گیا۔ پھر جب امن و امان کے مقام مین پہونچ لیا تو لیلائے عشق مین ایک قصیدہ کہا جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

وکنت اذا ما جئت لیلی تبرقعت   فقد رابنی منها الغداۃ سفورھا[۵]

اس طرح خود لیلا نے اُس کی جان بچا دی۔ ورنہ اگر وہ اس حد سے ذرا بھی آگے بڑھتا تو معشوقۂ نازنین کے اعزا و اقارب بلا تامل پکڑ کے قتل کر ڈالتے۔

اب لیلائے اخیلیہ اور توبہ بن حمیر کا ملنا اور ایک دوسرے کی صحبت سے لُطف اُٹھانا موقوف ہو گیا۔ توبہ تو اپنے جوش جنون کو شاعری اور شاعرانہ جوش عشق کے ذریعے سے بہلایا کرتا۔ مگر لیلا یہان سخت آفت اور مصیبت مین مبتلا تھی۔ اول تو توبہ کے تعلقات کی وجہ سے اُس پر بدگمانی تھی ہی اُس پر یہ قیامت ہوئی کہ بنی اولع مین سے جو شوہر ملا وہ فطرۃً نہایت ہی بدگمان تھا۔ اور بات بات پر اُسے بے عصمتی اور آوارگی کا الزام دیتا۔

عرب کا معمول ہے کہ قبائل عرب کھلے میدانون اور وادیون مین اپنے خیمے ڈال کے رہا کرتے ہین۔ اور مسافر اور سیاح دن دن بھر کی بلکہ بعض اوقات چار چار پانچ پانچ دن کی دشت نوردی کے بعد کسی بدوی کا خیمہ دیکھ پاتے ہین۔ تو رات بسر کرنے کے لیئے اُس کے قریب آ کے ٹھہر جاتے ہین۔ ایسے موقعون پر صاحب خیمہ کا فرض ہوتا ہے کہ اُن کی مہمانداری کرے۔ اور جہانتک امکان مین ہو اُنھین آرام پہونچائے۔ اکثر اوقات مرد شکار یا طلب معیشت کے لیئے باہر چلے جاتے ہین۔ اور عورتین اور لڑکیان ہی سیاحون اور مسافرون کی خبر گیری کرتی ہین۔ اور یہی وہ فیاضی ہے جو سرزمین عرب مین قدیم الایام سے شرافت کا جوہر سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی معمول کے مطابق ہر ہفتہ مین عادت مستمرہ کے موافق کوئی نہ کوئی مسافر لیلا کے خیمے کے پاس بھی آ کے

---

[۵] اس شعر کے معنے یہ ہین کہ "مین جب کبھی آتا تھا۔ لیلی اپنا منہ چھپا لیا کرتی تھی۔ مگر کل جو مین نے مُنہ کھولے دیکھا تو دل مین کھٹکا پیدا ہو گیا"۔

فروکش ہوجاتا۔ اور لیلا کا شوہر بدگمان ہو کے بی بی کو مارتا پیٹتا اور سخت سزا دیتا۔ مگر وہ ہمیشہ اطاعت کرتی اور رو پیٹ کے بیٹھ رہتی۔

چنانچہ ایک معزز سیاح عرب کا بیان ہے کہ مجھے صحرا مین شام ہوگئی تھی۔ دور پر ایک خیمہ نظر آیا۔ اُس کے قریب جا کے ٹھہر گیا۔ مگر حیرت تھی کہ اُس خیمے مین اگرچہ بچے بھی تھے اور عورتین بھی تھین۔ مگر کوئی بھی میری خبرگیری کو نہ آیا۔ استے مین رات ہوگئی۔ اور ایک شخص اونٹ پر سوار قریب آیا۔ اور خیمے مین جاتے ہی نہایت برہمی کے ساتھ بی بی کو بلا کے ڈانٹنے لگا کہ "یہ کون شخص ہے؟" عورت نے عاجزی کے لہجہ مین جواب دیا "کوئی مسافر آفتاب غروب ہوتے وقت یہان آ کے ٹھہر گیا ہے" مرد نے کہا "نہین تو جھوٹی ہے تیرے ملنے والون مین سے کوئی ہے" اور اتنا کہتے ہی غریب عورت کو نہایت بے رحمی سے مارنے پیٹنے لگا۔ عورت عجیب درد کے ساتھ چلاتی تھی اور اُسے ترس نہ آتا تھا۔ آخر اُس عورت سے کہنے لگا "یہ شخص جو ٹھہرا ہوا ہے جب تک خود آ کے سفارش نہ کریگا مین تجھے نہ چھوڑون گا" اُس کی زبان سے یہ سُن کے اب عورت نے چلانا شروع کیا "اے میان مسافر! اے شتر سوار! خدا کے لیئے مجھے آ کے بچاؤ" اب یہ چیخین سُن کے مجھ مین ضبط کی تاب نہ تھی۔ جھنجھلا کے اپنا ایک حربہ اُٹھا لیا اور خیمے مین گھستے ہی ظالم مرد پر تین چار وار اس زور سے کیئے کہ عورت بیچ مین آ گئی۔ اور کہنے لگی "میان تم جاؤ۔ ہمارے جھگڑون مین دخل دینے سے تمھین کیا مطلب!" عورت کی یہ نیک نفسی دیکھ کے مین واپس چلا آیا اور کہا "اب اس ظالم شخص کے خیمے کے پاس نہ ٹھہرونگا" اُسی وقت اونٹ پر سوار ہو کے آگے چل کھڑا ہوا۔ صبح کو ایک ایسے مقام پر پہونچا جہان ابنائے بادیہ کے چند خیمے پڑے ہوئے تھے۔ مین وہان ٹھہرا۔ اور

ایک لونڈی کو پاس سے گزرتے دیکھ کے اپنے پاس بلایا۔ رات کی سرگزشت بیان کی اور پوچھا "تم جانتی ہو وہ کون شخص ہے؟" میرے اس سوال پر وہ بہت ہنسی اور کہنے لگی "کیا تم نہیں جانتے جو مجھ سے پوچھتے ہو؟" میں نے کہا "بالکل نہیں جانتا"۔ تب اس لونڈی نے بتایا کہ "وہ لیلائے اخیلیہ کا خیمہ ہے۔ بدقسمتی سے وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال واقع ہوئی ہے اور شوہر ایسا ملا ہے جو بات بات پر مارنے پیٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسی وجہ سے لوگوں نے اس کے خیمے کے پاس ٹھہرنا چھوڑ دیا۔ آپ ناواقف تھے اسی سبب سے وہاں ٹھہر گئے۔

اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ باوجودیکہ شوہر نہایت جابر و ظالم تھا مگر لیلا اس سے پوری طرح ہمدردی کرنے کو تیار تھی۔ ممکن تھا کہ شرعی آزادیوں سے نفع اٹھا کے قاضی کے سامنے خلع کی درخواست پیش کر دیتی۔ مگر اس نے کبھی اس کا خیال بھی نہ کیا۔

اس کا عاشق زار توبہ بن حمیر عرب کے عام شرفا کی طرح گران پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ایک بڑا زبردست بہادر اور سپہ گر بھی تھا۔ اس کی شہسواری اور شجاعت کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے سورما اور کثیر التعداد قبائل اس کے نام سے لرزتے تھے۔

ایک دفعہ اتفاقاً بنی عذرہ میں اس کا گزر ہوا۔ جس قبیلے کے لوگ اپنی خوبصورتی و زیبائی اور اپنے حسن و عشق کے اعتبار سے سارے عرب میں مشہور تھے۔ اس قبیلے کی مشہور معشوقۂ عرب بثینہ سامنے کھڑی تھی۔ اور حسن اتفاق سے اسے کسی قدر غور اور توجہ سے دیکھنے لگی۔ بثینہ کا عاشق زار جمیل شاعر بھی پاس کھڑا تھا۔ اپنی معشوقہ کی توجہ ایک دوسرے شخص کی طرف دیکھ کے

دل مین کچھ ایسی آتش حسد بھڑکی کہ غیرت عشق کے جوش مین آگے بڑھا۔ اور توبہ سے کہنے لگا "آپ کو شہسواری کا بڑا دعوے ہے۔ آیئے کشتی ہوتی ہے؟" توبہ نے کہا "بسم اللہ آیئے!" جمیل جب مقابلے کو آنے لگا تو اُس کی کمر بثینہ نے خود اپنے ہاتھ سے باندھی۔ اور وہ توبہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر مین جمیل نے توبہ بن حمیر کو دے مارا" اب جمیل نے کہا "کشتی مین تو آپ ہار گئے اب آیئے تیراندازی مین مقابلہ ہو" توبہ راضی ہو گیا۔ اور اِس فن مین بھی جمیل سے ہارا۔ توبہ نادم کھڑا تھا کہ جمیل نے کہا "تو آیئے اب دوڑنے مین بھی مقابلہ ہو جائے۔ شاید آپ کے دل مین کچھ ہوس باقی ہو" توبہ نے اس مین بھی مقابلہ کیا۔ اور اس مین بھی ہارا۔ اس طرح ایک گھڑی بھر مین اپنی شجاعت و شہرت کو خاک مین مِل جاتے دیکھ کے دل مین سوچا۔ اور یکایک چونک کے بولا "آخاہ! مین اب سمجھا۔ یہ ساری کارسازی ان بی صاحب (بثینہ) کی ہے۔ سنو صاحب۔ اِس مقابلے کا اعتبار نہین۔ تم محض اس وجہ سے جیتے ہو کہ یہ نیک بخت سامنے کھڑی تھین۔ جب جانون کہ ان کی نظر سے دُور ہو کے اور اُدھر اُس وادی مین چل کے مقابلہ کرو" جمیل کے دل مین جیتنے سے دعویٰ تو پیدا ہو ہی گیا تھا۔ توبہ کو ساتھ لے کے اُس وادی مین گیا۔ اور جس نے سُنا اُسے حیرت ہو گئی کہ یہان آتے ہی تینون باتون مین توبہ بن حمیر نے اُسے مار لیا۔

لیکن حضرت معاویہ ہی کے زمانے مین اس کی شجاعت و بسالت کا یہ خوفناک نتیجہ ظاہر ہوا کہ ایک نازک موقع پر بہت سے قوی اور بہادر دشمنون کے نرغے مین گھر کے عجب جوش و خروش اور بےنفسی و بےخوفی سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور دشمنون نے اُسی وادی مین جہان مارا گیا تھا۔ ایک ٹیلے پر دفن کر کے اُس کی قبر بنا دی۔ جب یہ خبر لیلائے اخیلیہ کو پہونچی تو دنیا اُس کی آنکھون مین تنگ ہو گئی۔

اور بے تکلف اور بغیر اس کے کہ کسی کا پاس و لحاظ کرے توبہ بن حمیر کے مرثیے کہنے لگی جن مین اُس معزز شہسوار عرب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی تھی۔ اور دکھاتی تھی کہ اُس سے بڑا اور زبردست اور قابل قدر کوئی شخص نہین گزرا۔ اُس کے شوہر نے جب دیکھا کہ توبہ مارا جاچکا تو وہ بھی خاموش ہو رہا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی کی اس مرثیہ گوئی کو دل پہ جبر کرکے وہ گوارا کر لیا کرتا تھا مگر جس طرح پہلے توبہ کے اشعار سارے جزیرہ نمائے عرب بلکہ اسلامی قلمرو مین مقبولیت کے ساتھ رواج پا رہے تھے۔ اُسی طرح اب لیلےٰ کے ان مرثیون کا چرچا ہوا۔ اور عرب لوگون کی ہر صحبت مین حیرت و استعجاب اور پسندیدگی و دردمندی کی نگاہون سے دیکھے جانے لگے۔ چنانچہ وہ مرثیے جناب معاویہ کے کان تک پہونچے۔ اور اُنھون نے جب دیکھا کہ یہ شاعرۂ عرب اپنے پرسوز مرثیون کے ذریعے سے اپنے شہید عشق کو انتہا درجے کا نیک نفس اور پاکباز بتا رہی ہے تو ایک مرتبہ اُسے بلوا کے پوچھا "تم تو اُس کی ایسی تعریفین کرتی ہو؟ مگر لوگ جو یہ باتین مشہور کر رہے ہین کیا سچ نہین ہین؟" اصل یہ ہے کہ توبہ کے اشعار جس کسی کے گوش گزار ہوئے تھے۔ اُسے یقین آگیا تھا کہ اُس سے لیلےٰ سے ناجائز تعلق ہے لیلےٰ نے حضرت معاویہ کا یہ سوال سُن کے جواب دیا "حضور۔ ہر وہ بات جو لوگون مین مشہور ہو سچ نہین ہوا کرتی" یہ کہہ کے توبہ کی ہزارہا خوبیان اور اُس کے عفاف واتقا کے حالات بیان کرنے لگی۔ معاویہ نے کہا "مگر لوگ تو اُسے زانی بتاتے ہین۔"

لیلےٰ نے اب اپنا ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جس مین توبہ کی خوبیان اور نیکیان بہت زور دے کے بیان کی تھین۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے متعلق اکثر لوگ اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور وہ سب کو آزادی سے جواب دیا کرتی تھی۔ توبہ کی حمایت مین اُس کی پاک دامنی کی

جرأت یہان تک بڑھ گئی تھی کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان نے جس زمانے مین کہ وہ بالکل بوڑھی اور بدصورت تھی اُس سے تعریضاً کہا "تم مین وہ کون سی ادا تھی جسے دیکھ کے توبہ عاشق ہو گیا؟" لیلے نے نہایت ہی جرأت سے اسکو برالزامی جواب دیا کہ "اور آپ مین وہ کون سی خوبی ہے جسے دیکھ کے لوگون نے آپ کو خلیفہ بنا لیا؟" اِس جملے پر عبد الملک کو اِس قدر ہنسی آئی کہ لوٹ گیا۔

اسی زمانے مین والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک دفعہ اُس سے کہا "لیلے، اب تو تمھاری جوانی گزر گئی۔ سچ سچ بتاؤ تم سے اور توبہ سے کسی قسم کا تعلق تو نہ تھا؟" اُس نے قسم کھا کے کہا کہ "وہ اپنے عشق مین ہمیشہ پاکباز تھا۔" پوچھا "اچھا کبھی اُس نے تم سے کوئی ناجائز خواہش تو نہین کی؟" بولی "کبھی نہین۔ صرف ایک مرتبہ اتنا ضرور ہوا کہ اُس نے نفس کے غلبے سے مغلوب ہو کے کچھ ارادہ کیا تھا مگر مین نے یہ دو شعر پڑھے اور وہ نادم ہو کے خاموش ہو گیا ؎

وذی حاجۃ قلنا لہ لا تبح بہا — فلیس الیہا ما حییت سبیل
لنا صاحب لا ینبغی ان نخونہ — وانت لاخری فارغ وحلیل

بس اس کے بعد پھر کبھی اُس نے ایسا قصد نہین کیا۔

ان باتون سے حجاج کا دل نہین بھرا تھا۔ پوچھا "پھر کیا ہوا؟" اُس نے کہا "توبہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو بھیجا اور کہدیا کہ ہمارے قبیلے یعنی بنی عبادہ کے فرودگاہ کے پاس کسی ٹیلے پر چڑھ کے یہ شعر پڑھ ؎

؎ ترجمہ۔ (۱) اور حاجت والے نے اپنی حاجت پیش کی تو ہم نے کہا یہ تمھارے لیئے نہین جائز ہے اور زندگی بھر اس کی کوئی راہ نہ ہوگی۔ (۲) ہمارا ایک صاحب ہے جس کی ہمین خیانت نہ کرنی چاہیئے۔ اور تم بھی دوسری عورت سے وابستہ اور اُس کے شوہر ہو ؞

عفا اللہ عنہا ہل اتبین لیلۃ ... من الدہر لا یسری الی خیالہا[۱]

اُس شخص نے اِس ہدایت کے موافق ہمارے خیمے کے سامنے ایک بلندی پر کھڑے ہو کے یہ شعر پڑھا تو مین سمجھ گئی کہ یہ تو بہ کا قاصد ہے۔ فوراً اُس کے جواب مین مین نے بھی اُسے یہ شعر سُنا دیا ؎

وعنہ عفا ربی و احسن حفظہ ... عزیز علینا حاجۃ لا تنالہا[۲]

اس پاک دامنی کا اعتراف صرف لیلےٰ ہی نے اپنے اشعار مین نہین کیا ہے۔ بلکہ خود توبہ بھی اپنے ایک شعر مین صاف طور پر اپنی معشوقہ کے دعوائے عصمت کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

علیّ دماء البدن ان کان بعلہا ... یری لی ذنبا غیر انی ازورہا[۳]

لیلائے اخیلیہ جب حجاج سے ملی ہے تو اُس نے اُسے دس ہزار درہم انعام مین دئے اور پوچھا "اگر کوئی اور آرزو ہو تو وہ بھی بیان کرو"۔ اس نے کہا میرے چچا زاد بھائی قتیبۃ بن مسلم جو ان دنون ترکستان مین ہین اُن کے دیکھنے کی تمنا ہے۔ اگر وہان تک پہونچوا دیجیے تو نہایت ممنون ہون گی قتیبۃ بن مسلم کا نام غالباً ہمارے ناظرین نے اکثر سُنا ہوگا۔ اِس لیے کہ یہ عرب کا بہت مشہور اور زبردست سپہ سالار تھا جو خراسان سے ترکستان اور وہان سے بڑھ کے کاشغر مین جا پہونچا تھا۔ اور اس ارادے مین تھا کہ فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا۔ مملکت چین مین پہونچ جائے حجاج نے لیلےٰ کی خواہش

---

[۱] خدا اُس کے گناہ معاف کرے بھلا کبھی مجھے وہ رات نصیب ہو گی جو خیال مین بھی نہین آتی ؟

[۲] اور خدا اُس کے گناہ معاف کرے۔ اور اُسے اپنی امان مین رکھے اسکی وہ حاجت کبھی برنہ آئیگی ہمین بہت عزیز ہے

[۳] مجھے کفارہ مین اونٹون کی قربانیان دینی پڑین۔ اور اگر اُس کا شوہر بجز اِس کے کہ مین اُس سے مل لیتا ہون میری اور کوئی خطا پا سکے

کے مطابق اُسے ترکستان مین بھیج دیا۔ جہان بھائی سے مل کے وہ واپس آئی اور بعض لوگ کہتے ہین کہ اسی سفر سے واپس آتے وقت شہر رے مین پہونچ کے پیوندِ زمین ہو گئی۔

لیکن یہ غلط ہے۔ اُس کی موت کا اصلی واقعہ یہ ہے کہ ترکستان سے واپس آنے کے بعد ایک مرتبہ اپنے شوہر کے ساتھ صحرائے عرب مین سفر کر رہی تھی کہ اتفاقاً اُس وادی مین گزر ہوا جہان اُس کے عاشق توبہ بن حمیر کی قبر تھی۔ شوہر سے کہنے لگی "مین توبہ کی قبر پر جاؤن گی"۔ اُس نے روکا۔ مگر لیلے نے نہ مانا اور ایسی ضد کی کہ شوہر کو اجازت دینی ہی پڑی۔ اب اُس نے اُس ٹیلے پر جس پر عاشق مرحوم کی قبر تھی اونٹ کو چڑھایا۔ اور قبر کا سامنا ہوتے ہی چلا کے کہا "السلام علیک یا توبہ"۔ اس وقت اور لوگ بھی لیلے کے ساتھ تھے۔ سلام کرنے کے بعد اُن ہمراہیون کی دیکھ کے نہایت حسرت سے کہنے لگی "لوگو! اس سے پہلے مجھ پر توبہ کا کوئی جھوٹ نہین ظاہر ہوا تھا؟" کسی نے پوچھا "وہ جھوٹ کیا ہے؟" بولی "کیا تم نے توبہ کے یہ اشعار نہین سُنے ہین؟" ؎

ولو ان لیلی الاخیلیة سلمت ۔۔۔ علی ودونی تربة وصفائح
لسلمت تسلیم البشاشة اوزقی ۔۔۔ الیہا صدی من جانب القبر صائح

اگر یہ اُس نے سچ کہا تھا تو پھر جواب کیون نہین دیتا؟"

وہ حسرت کے ساتھ یہ سوال کر رہی تھی کہ ایک بڑا اُلّو جو قبر کے کسی کونے مین چھپا بیٹھا تھا ایک دفعہ گھبرا کے اور پھڑپھڑا کے اُڑا۔ اور اپنے آشیانے

؎ اگر لیلائے اخیلیہ مجھے سلام کرے اور میری یہ حالت ہو کہ مجھ پر خاک کا ڈھیر ہو اور پتھر کی سلین ہون تو بھی مین اُسے نہایت خندہ جبینی سے سلام کا جواب دون گا۔ یا قبر کے پہلو سے کسی ہاتف کی آواز بلند ہو کے اُس کے سلام کا جواب ادا کرے گی۔

سے نکلتے ہی لیلےٰ کے اونٹ کے منہ سے اُس زور کے ساتھ ٹکرایا کہ اونٹ بھڑکا اور اِس طرح کودنے پھاندنے لگا کہ لیلےٰ محمل سے نکل کے دور جا گری۔ اور گرتے ہی روح پرواز کر گئی۔ اُس کے شوہر اور تمام ہمراہیون نے اِس واقعے کو حیرت سے دیکھا۔ اور اُسے قیامت کا انتظار کرنے کے لیئے اُسی کے عاشق صادق کے پہلو مین سُلا کے گھر کو روانہ ہوئے ؛

اُم سلمہ زوجہ سفاحؒ

یہ ایک خالص عربی معاشرت کا نمونہ تھا۔ اور اون کی بھی وہ معاشرت جو اُن کے متمدن بننے کے بعد کی ہے۔ یہ خاتون یعقوب بن ولید بن عبداللہ بن ولید بن مغیرہ مخزومی کی بیٹی تھی اور اسی شریف قبیلہ کی یادگار تھی جس کی ایک مشہور یادگار سیف اللہ خالد بن ولید تھے۔ وہ حسن و جمال کے علاوہ بڑی صاحب تمیز سلیقہ شعار اور شائستہ تھی۔ اور خدا نے اُسے مال و دولت سے بھی بہرہ ور کیا تھا۔ پہلے عبدالعزیز بن عبدالملک بن مروان کے عقد نکاح مین تھی۔ پھر ہاشم نام ایک معزز دولتمند عرب نے اُس سے نکاح کیا۔ ہاشم کے بعد ایک دن اپنے مکان مین بیٹھی ہوئی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے ایک خوبرو و خوش جمال جوان رعنا کا گزر ہوا۔ اِس جوان کی صورت دیکھتے ہی ام سلمہ دل مین فریفتہ ہو گئی۔ اور ہم صحبت خاتونان قوم سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جواب ملا کہ " ان کا نام ابو العباس سفاح ہے۔ اور عم رسول اللہ حضرت عباس کی نسل سے ہین "

ان دنون بنی امیہ کی حکومت تھی اور بنی ہاشم عام اس سے کہ فاطمی ہون یا عباسی غربت و فلاکت مین مبتلا تھے۔ عہدہ داران سلطنت اور معزز سوسائٹی مین بھی اُن کی ایسی قدر و منزلت نہ تھی کہ کوئی دولت مند عورت اُن کی طرف توجہ کرتی مگر ام سلمہ مخزومیہ ابو العباس سفاح کی صورت پر کچھ ایسی فریفتہ ہوئی کہ کسی بات کا خیال نہ کیا۔ اور اپنی ایک لونڈی کو اُن کے پاس بھیج کے خود ہی نکاح کا پیغام دیا۔ اور پیام کے ساتھ سات سو اشرفیان بھیجین کہ یہ آپ کی نذر ہین۔ لونڈی نے آکے سفاح کو یہ پیام دیا تو انھین اپنی اس خوش اقبالی پر حیرت ہوئی اور اُس سے کہا "مگر مین تو مفلس و نادار ہون" انھون نے ناداری کا شکوہ کیا تو اُس نے وہ سات سو اشرفیان پیش کر دین کہ "روپیہ کی ضرورت ہے تو ہماری بی بی نے خود ہی یہ رقم تمہاری نظر کی ہے" اب کیا تھا سفاح خوش خوش اپنے گھر آئے۔ پھر ام سلمہ کے بھائی کے پاس جا کے شادی کا پیام دیا۔ انھون نے قبول کیا۔ اور دو ہی چار روز مین پانچسو اشرفی مہر پہ نکاح ہو گیا۔ شب کو ابو العباس سفاح جب حجلۂ عروسی مین داخل ہوئے تو دیکھا کہ دلھن ایک شہ نشین پر بیٹھی ہوئی ہے جس پر مغرق و مرصع فرش ہے۔ بال بال موتی پروئے ہوئے ہین۔ اور سارے پنڈے مین کوئی جگہ نہین جہان سے جواہرات ضو نہ دے رہے ہون۔ دولت مندی کا ایک ایسا نمونہ اور ایسا آنکھون کو خیرہ کرنے والا منظر کبھی ان غریب کی نظر سے نہین گزرا تھا۔ مبہوت و ششدر کھڑے رہ گئے۔ اور کسی طرح قدم بڑھانے کی جراءت نہ ہوئی۔ تب ام سلمہ نے لونڈیون کو بلا کے شہ نشین کے نیچے مسند بچھوائی۔ اور گہنون کے سادے کپڑے زیب بر کیئے۔ مگر اب بھی امارت و حسن کا ایسا رعب تھا کہ سفاح کو ہاتھ لگانے کی جراءت نہ ہوتی تھی۔ آخر ان کا دل بڑھانے کے لیئے دلھن نے خود

ہی کہا "تم گھبراؤ نہین۔ آؤ پاس بیٹھو اور باتین کرو" غرض ام سلمہ کی دلدہی سے سفاح مین اتنی جرأت پیدا ہوئی کہ دولھا دولھن ایک دوسرے سے مانوس ہوئے۔

اس کے بعد سفاح کی یہ حالت تھی کہ نام کو شوہر تھے مگر حالت کو دیکھیے تو معلوم ہوتا تھا جیسے بی بی کے غلام بے درم ہین۔ حلف اٹھالی کہ زندگی بھر تمھارا ہی رہون گا۔ نہ کوئی اور شادی کرون گا۔ اور نہ کسی لونڈی سے کبھی سروکار رکھون گا۔ میان بی بیون مین حد سے زیادہ محبت تھی۔ ابوالعباس کوئی کام بغیر بی بی کے مشورہ کے نہ کرتے تھے۔ اور کبھی اُن کی مرضی کے خلاف نہ کرتے۔ الغرض نہایت ہی آرام وآسایش سے گزر رہی تھی۔ بی بی کی دولت نے سفاح کو بھی ایک رئیس اعظم بنا دیا تھا اور خدا نے مسرت کو اور ترقی دینے کے لیے اولاد بھی عطا فرمائی تھی۔ اسی طرح ابوالعباس کی اقبالمندی کا پہلا نمونہ اس صاحب مال وجمال بی بی ہی کی ذات سے نظر آیا۔

چند روز بعد انقلاب زمانہ نے بنی امیہ کا دفتر اُلٹ دیا۔ بنی عباس کا ستارہ اقبال چمکا۔ خلافت اسلامیہ کا تاج سفاح کے سر پر رکھا گیا۔ اور دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ وہی شخص بن گیا۔ جسے اپنی فلاکت سے دولتمند بی بی کے بنڈے مین ہاتھ لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی جو افلاس کی کمزوری سے بی بی کا درم ناخریدہ غلام بنا ہوا تھا۔ اور اُس کی صورت دیکھ کے ڈرتا اور سہما جاتا تھا۔ مگر ہاشمی شرافت کے اثر سے مالک تاج و دیہیم ہونے کے بعد بھی سفاح کے تعلقات اپنی نازنین بی بی ام سلمہ سے ویسے ہی رہے۔ اور اب بھی مجال نہ تھی کہ کوئی کام اُس کی مرضی کے خلاف کرین یا کسی اور عورت کو آنکھ اٹھا کے دیکھین۔ لیکن حکمرانی و جہان پناہی نے اب دربار اور صحبت مین بعض ایسے لوگ بھی پہونچادیے جو امرا کے دلون مین طرح طرح کی خواہشین اور ہوسین پیدا کرکے اُن کی سیہ کاری

و عیش پرستی سے خود فائدہ اٹھایا کرتے ہین۔

چنانچہ ایک بڑے زبان آور اور لسان مصاحب خالد بن صفوان نے موقع پا کے ایک دن تنہائی مین عرض کیا "امیر المومنین! مجھے حضور کی حالت دیکھ کے بڑا تعجب آتا ہے۔ اقتدارات خدا نے ایسے دیئے ہین کہ چاہے کیسا ہی حکم ہو مجال نہین کہ اس کی تعمیل مین ایک لمحہ کی بھی دیر ہو سکے۔ قلمرو اتنی بڑی ہے کہ ساری دنیا تابع فرمان ہے۔ اور باوجود سطوت و جبروت کے ایک عورت حضور پر حاکم ہے۔ اور اس کے بندۂ فرمان بنے ہوئے ہین۔ وہ بیمار ہو تو حضور بیمار ہین۔ گھڑی بھر مین نظر سے اوجھل ہو تو حضور آپے مین نہین ہین ایک اس کے بس مین ہونے کی وجہ سے حضور نے سارے لُطف اور دنیا کی تمام لذتین اپنے اوپر حرام کر لی ہین۔ حتی کہ حضور کو یہ بھی نہین معلوم ہونے پاتا کہ حسینان عالم مین خدا نے کیسی کیسی ناز آفرین دلربائین پیدا کی ہین۔ کوئی قیامت قامت ہے۔ کوئی ماہ طلعت ہے۔ کوئی گل رخسار ہے۔ کوئی چھریری اور نازنین ہے۔ کوئی سانولی اور نمکین ہے۔ کوئی مدینہ کی جادو بیان ہے جو اپنی پیاری پیاری باتون مین لبھا لیتی ہے کوئی کوفہ یا بصرے کی شیرین زبانی ہے جس کی چتونین زہر کا اثر رکھتی ہین۔ کسی کی زلفین دل کو اپنے پھندے مین پھانس لیتی ہین۔ کسی کی سرگین آنکھون کے تیر کلیجہ مین اُتر جاتے ہین"۔

اِسی طرح خالد بن صفوان دیر تک طرح طرح کے حسنون کی تصویرین سفاح کی آنکھون کے سامنے کھینچتا رہا۔ یہان تک کہ اُس کا دل ڈانوا ڈول ہو گیا اور دل مین کہنے لگا "یہ سچ تو کہتا ہے۔ اپنی اس حماقت کے باعث مین کیسی کیسی لذتون سے محروم ہون"۔ اب خالد تو آگ لگا کے چلتا بنا۔ اور دل مین خوش تھا کہ مین نے میدان مار لیا۔ اگرچہ ہی باتون مین آ کے سفاح نے کسی دوسری عورت

کی طرف توجہ کی تو پھر مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ ایک سوچ مین پڑا ہوا تھا۔ اور کوئی فیصلہ نہ کر چکتا تھا۔ اسی حالت مین تھا کہ ام سلمہ آئی اور اُسے ملول و حزین دیکھ کے سبب پوچھنے لگی۔ بار بار اُسے تسلی دیتی تھی اور کہتی تھی "آخر آپ کو کس بات کی فکر ہے؟ کسی بیرونی حریف نے سر اُٹھایا ہے؟ کسی نے بغاوت کی ہے؟ کوئی ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا؟ آخر کون سی ایسی بری خبر آئی ہے جو آپ اس قدر متفکر ہین؟" سفاح نے کہا "خبر وبر کوئی نہین آئی۔" ام سلمہ "تو پھر وہ نگوڑی کون سی بات ہے۔ جس کے لیئے دشمن یون پریشان ہو رہے ہین؟" سفاح "کچھ نہین"، ام سلمہ "کچھ تو ضرور ہے۔"

سفاح "ایک یونہیں سی بات ہے جو تم سے کہنے کی نہین۔" ام سلمہ "اور مین بے پوچھے نہ رہون گی۔"

آخر ام سلمہ نے "بتاؤ"، "ولے جلدی بتاؤ"، کی یہان تک رٹ لگائی کہ مجبوراً سفاح نے ساری سرگزشت سُنا دی۔ اور خالد نے جو کچھ کہا تھا بی بی کے سامنے دوہرایا۔ سُنتے ہی ام سلمہ کے تن بدن مین آگ لگ گئی۔ اور غصہ کے تیورون سے پوچھا "اور تم نے اُس حرام زادے کو اس کا جواب کیا دیا؟" اس پر سفاح نے آشفتہ ہو کے کہا "واہ! وہ تو مجھے نیک مشورہ دیتا ہے۔ اور تم اُسے کوستی ہو!" شوہر سے یہ جواب پا کے ام سلمہ طیش مین بھری ہوئی وہان سے اُٹھ کے اپنی محلسرا مین گئی۔ اور دس چوبدارون کو بلا کے حکم دیا کہ اسی وقت خالد بن صفوان کے مکان پر جاؤ۔ اور اُسے اتنا مارو کہ اُس کا کوئی عضو صحیح و سالم باقی نہ رہے۔

میان خالد گھر مین بیٹھے ہوئے شاہی انعام کے امیدوار تھے۔ اور وہ دیکھ رہے تھے کہ کوئی شاہی غلام خلعت اور نقد و جواہرات لیئے ہوئے آتا ہی ہوگا کہ ناگہان ڈیوڑھی پر چوبدار نمودار ہوئے۔ اور دروازہ پر پہونچ کے پوچھا "خالد بن صفوان

کہان رہتے ہین ؟" آپ بے اختیار لپک کے باہر نکل آئے۔ اور جوش مسرت سے ازخود رفتہ ہو کے کہا "ہان ہان جی مین ہی ہون۔ جو کچھ انعام لائے ہو دو" انھون نے کہا "لو" اور بے تکان پیٹنا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھی تو آپ گھبرا کے بھاگے۔ گھر مین گھس کے دروازہ بند کر لیا۔ اور زیادہ نہیں پٹنے پائے۔ مگر ڈر کے مارے گھر سے قدم نکالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انھین گھر مین بند پڑے پڑے کئی دن ہو گئے اور سفاح کے غلام روز آ آ کے پلٹ جاتے تھے۔ یہان تک کہ تیسرے چوتھے دن انھون نے پکڑ پایا۔ اور کہا "چلو امیر المومنین بلاتے ہین۔ کئی دن سے کہان بھاگے ہوئے تھے کہ ہم روز آ آ کے پلٹ جاتے ہین" مگر اب خالد کا خون خشک تھا۔ اور دل مین موت کا یقین تھا۔ مارے باندھے سفاح کے دربار مین پہونچے۔ سفاح تنہا تھا۔ مگر اُس کے پیچھے ایک کھڑکی مین ایک باریک زرنگار پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس کے اُدھر کچھ حرکت بھی محسوس ہوتی تھی خالد دل مین سمجھ گیا کہ بادشاہ کے پیچھے بادشاہ بیگم بھی موجود ہین۔ سفاح نے صورت دیکھتے ہی کہا "تین دن سے کہان تھے؟" عرض کیا "حضور غلام بیمار تھا ورنہ ضرور حاضر ہوتا" سفاح نے کہا "پچھلی صحبت مین تم نے حسین دلربا جمال عورتون کی کچھ ایسی صفتین بیان کی تھین جیسی مین نے کبھی نہین سُنی تھین۔ تمھاری اُن باتون مین مجھے بڑا مزہ آیا تھا۔ جو اس وقت تک یاد ہے۔ ذرا اُن باتون کو پھر میرے سامنے بیان کرو" خالد نے کہا "بہتر۔ مین نے عرض کیا تھا کہ جس کسی نے ایک بی بی کے ہوتے دوسری بی بی کی ضرہی اُٹھایا ــــ" سفاح نے برہم ہو کے کہا "ہائین! یہ تم نے کب کہا تھا؟" خالد "حضور خدا کی قسم یہی۔ اور عرض کیا تھا کہ تین بی بیون کا گھر بس ایک پتیلی ہے جو برابر اُبلے جاتی ہے۔ یہ سنتے ہی بگڑ کے ابوالعباس بولا "خدا کی قسم تو نے یہ نہین کہا تھا۔ اگر یہ کہا ہو تو مین قرابت رسول اللہ صلعم سے محروم ہون"

خالد:- اور حضور مین نے یہ بھی تو عرض کیا تھا کہ چار بی بیان شوہر کے لیئے صریح آفت ہین۔ اُسے بوڑھا اور پیر فانی بنا دیتی ہین۔ اور بیمار ڈال دیتی ہین۔"

سفاح (جوش اضطراب سے) خدا کی قسم مین نے یہ باتین کبھی سُنی ہی نہین نہ تجھ سے اور نہ کسی اور سے۔" خالد:- جی خداوند مین نے تو بس یہی عرض کیا تھا۔"

سفاح:- "ارے کمبخت میرے منہ پر جھوٹ بولتا ہے!" خالد (چلا کے) "تو کیا حضور میری جان لینا چاہتے ہین؟" سفاح:- "تو نے کہا تھا کہ ایسی ایسی حسین عورتین......" خالد (بات کاٹ کے) "جی ہان مین نے عرض کیا تھا کہ یہ حرم کی دوشیزہ لونڈیان ایسی سنڈیان ہین کہ عورت ہونا کیا یہ تو سوا مرد ہین اُن کے عورت ہونے مین بس ایک ہی بات کی کسر رہ گئی ہے۔" خالد کے اس فقرہ پر پردے کے پیچھے سے ایک قہقہہ کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی خالد نے کہا "اور حضور مین نے یہ نہین عرض کیا تھا کہ "بنی مخزوم قریش کا پھول ہین۔ اور آپ کے پاس تو سارے پھولون سے چنا ہوا ایک اعلیٰ درجہ کا خوشرنگ و شاداب مہکتا ہوا پھول موجود ہے اور باوجود اس کے آپ دوسری آزاد بہو بیٹیون اور لونڈیون پر نظر ڈالتے ہین؟"

میرے اس جملہ کے ختم ہوتے ہی پردہ سے آواز آئی "بے شک تم نے امیرالمومنین سے یہی کہا ہوگا۔ مگر انھون نے اس کے عوض اپنے دل سے نئی نئی باتین اپنی ہوس کے مطابق بنا لین اور انھین تمھاری جانب منسوب کر دیا۔" اب ام سلمہ تو پردہ کے پیچھے بیٹھی ہنس رہی تھی۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ خالد کو گالیان دے رہا تھا "خدا تجھے غارت کرے! خدا تجھ سے سمجھے!" اُسے برہم دیکھ کے خالد سامنے سے کھسک گیا۔ خلیفہ کے سامنے جاتے وقت تو اُسے موت کا یقین تھا۔ مگر واپسی مین ام سلمہ کی مہربانی سے زندگی کی امید پیدا ہوگئی گھر پہونچا ہی تھا کہ ام سلمہ کے خدام جو پہلے اُس کے زدوکوب کے لیئے آئے تھے حاضر ہوئے۔

اُسے بادشاہ بیگم کی مہربانی کا یقین دلایا۔ اور دس ہزار درہم نقد خلعت کی ایک کشتی۔ ایک بڑے قد وقامت کا گھوڑا اور ایک غلام ملکہ جہان کی طرف سے اُس کے حوالہ کیا۔ اور واپس گیئے۔

پھر اُس کے بعد نہ کبھی کسی کو سفاح کے بہکانے کی جرأت ہوئی اور نہ خود اُسے کسی دوسری عورت کا خیال آیا۔ زندگی بھر اپنی پرانی بی بی ام سلمہ سے نباہی۔ اور اُس کا ویسا ہی تابع فرمان بنا رہا جیسا کہ پہلے تھا ٭

عُلیّہ بنت مہدی

یہ خاتون محترم تیسرے خلیفہ بنی عباس یعنے مہدی کی بیٹی اور مشہور خلیفہ بغداد ہارون رشید کی بہن تھی۔ اس کی ماں مروان کے گھرانے کی ایک لونڈی تھی۔ جو مکنونہ کہلاتی تھی۔ اور اپنی لیاقت وشہرت اور موسیقی مین کافی دستگاہ رکھنے کی وجہ سے عالی مرتبہ خلیفہ آل عباس کے خلوت گاہ مین پہونچگئی۔ مہدی کی محبوبہ بی بی خیزران جس کے بطن سے ہارون رشید پیدا ہوا ہے کہتی ہے کہ مجھے مہدی کی اور کسی بی بی سے نہین دبنا پڑا سوا مکنونہ کے جو اُس کے دل پر بہت حاوی تھا۔ جب تک خلیفہ منصور یعنی مہدی کا باپ زندہ رہا اُس وقت تک مہدی نے اپنے اور مکنونہ کے تعلق کو چھپایا۔ یہان تک کہ اُس کے بطن سے عُلیّہ پیدا ہوئی۔ عُلیّہ چونکہ خلافت کی گود مین اور ایسی ماں کے بطن سے پیدا ہوئی تھی جو علم موسیقی مین کافی دستگاہ رکھتی تھی۔ لہذا اُس کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ ماں نے گانے بجانے

کی بھی تعلیم دی - اور ایسا با کمال بنا دیا کہ بہت کم لوگ تھے جو اُس دَور مین علم موسیقی مین اِس عباسیہ شاہزادی کا مقابلہ کر سکتے ہون -

اِس موقع پر ہمین اتنا اور بتا دینے کی ضرورت ہے کہ عُلیہ جس زمانے اور جس دَور مین تھی اُن دنون گانا اتنا معیوب نہ تھا جتنا کہ اب سمجھا جاتا ہے - اور اسی وجہ سے یہ خلفا جو بہت کچھ پابند شرع تھے کامل مغنیون کی قریب قریب ویسی ہی قدر کرتے تھے - جیسی کہ علما و فضلا اور دیگر باکمالون کی قدر کی جاتی ہی -

عُلیہ کی پیشانی پر کوئی داغ تھا جو دیکھنے مین بدنما معلوم ہوتا تھا - اُس کے چھپانے کے لیئے عُلیہ نے ایک خوشنما اور مطلا و مرصع سر بند باندھنا شروع کیا - جو بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا - اور عام عورتون مین اس قدر پسندیدہ ثابت ہوا کہ اکثرون نے اُسے وضعداری اور زینت و زیبایش مین داخل کر لیا -

یہ شاہزادی علاوہ خوش گلوئی - کمالات موسیقی نہایت ہی خوش الحانی سے تلاوت قرآن کرنے کے پڑھی لکھی اور بہت اچھی شاعرہ بھی تھی - ہم جانتے ہین کہ ایک عورت کی نسبت چاہے وہ کتنے ہی بڑے گھرانے کی ہو یہ سُن کے کہ وہ گانے مین کمال رکھتی تھی اور شاعرہ تھی - ہمارے دوستون اور ہم وطنون پر اچھا اثر نہ پڑے گا - مگر اس کے بعد یکایک یہ سُن کے وہ حیرت کر جائین گے کہ عُلیہ باوجود ان دنیاوی فنون مین کمال رکھنے اور عیش و عشرت کے سامانون پر قادر ہونے کے بہت بڑی عابدہ و زاہدہ اور اول درجے کی پارسا عفت شعار تھی - اب اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ جن چند دنون مین ہر مہینے عورتون کو نماز معاف ہوتی ہے صرف اُنھین معدودہ ایام مین اگر جی چاہتا تو گاتی - ورنہ ہرگز نہ گاتی تھی -

افسوس کہ اُس کی نظر سے ہمارے نوجوان علمائے فرنگی محل کی اِس تازہ تصنیف کے مضامین نہین گزرے تھے - ورنہ ہر وقت گانے مین کوئی مضائقہ نہ سمجھتی -

ظاہر ہو جانے کے بعد پھر وہ قرآن خوانی اور مطالعۂ کتب مین مصروف ہو جاتی، اور اب تفریح طبع کے لیئے اگر کبھی جی چاہتا تو شعر البتہ کہنے لگتی۔ مگر ہان اس سے مجبور تھی کہ بھائی خلیفہ ہارون الرشید جسے اُس سے بغیر کسی بات مین لطف ہی نہ آتا۔ بُلاتا اور زبردستی مجبور کر کے گواتا۔

اُس کی پاکبازی اور پابندی شرع کی یہ حالت تھی کہ لوگون مین تو مشہور تھا کہ علیہ اور اُس کے سگے بھائی ابراہیم ابن مہدی سے بہتر موسیقی دان بھائی بہن کسی خاندان مین نہ جمع ہوئے ہون گے (اس لیئے کہ ابراہیم بھی باوجود شاہزادگی کے اور ایک زمانے مین چند روز کے لیئے خود خلیفہ ہو جانے کے اُس عہد کا بہت بڑا مغنی تھا) اور خود علیہ کا یہ قول تھا کہ "خدا نے جو چیز حرام کی ہے اُس کے عوض کوئی نعمت حلال بھی کر دی ہے۔ پھر کسی کو ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ کہ اُس کی نافرمانی کرے اور اُس کے حدود کو توڑے"

عُلیہ کے بھائی ابراہیم کو اگرچہ کمال موسیقی کے لحاظ سے اُس وقت کے تمام موسیقی دانون پر فوقیت حاصل تھی۔ اور سوا اسحاق موصلی کے جو اُس دور کا سب سے بڑا کامل مغنی تھا۔ کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ مگر پھر بھی سب لوگون کو اعتراف تھا کہ عُلیہ کے کمالات اپنے بھائی سے بڑھے ہوئے تھے۔

اُن دنون شعرائے عرب کا معمول تھا کہ شعر کہتے تو کسی نازنین کو نام لے کے اپنا مخاطب ضرور بنا لیتے۔ اگرچہ اُن مین اکثر بلکہ عموماً پاکبازی کا مادّہ ہوتا تھا۔ مگر یہ ظاہری طرز عمل بھی شرفا کو اکثر نہایت ہی ناگوار گزرا کرتا تھا۔ علیہ نے یہ غضب کیا کہ ہارون رشید کے ایک غلام طل کو اپنی شاعری کا مخاطب بنایا۔ اور اُس کی محبت مین اپنے جوش کو اشعار کے ذریعے سے ظاہر کرنے لگی۔ رشید کو جب یہ معلوم ہوا تو نہایت ہی برہم ہوا۔ تاہم بہن کی محبت نے اس کی اجازت نہ دی۔

کہ کسی سختی کا برتاؤ کرے۔ ہان اتنا کیا کہ علیہ کو بُلا کے قسم دلا دی کہ بہن دیکھو۔ اب کبھی طل کا نام زبان پر نہ لانا۔ اب علیہ نے اُس وقت سے طل کی شان مین شعر کہنا چھوڑ دیا۔ تاہم رشید کے دل مین تھوڑی بہت بدگمانی ضرور تھی۔ ایکدن رات کو عُلیہ کے حجرے کے دروازے کے پاس چھپ کے کھڑا ہو رہا۔ علیہ اُسوقت نہایت خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہی تھی۔ اور اُس کی آواز رشید کو بے صبر کیے دیتی تھی کہ قرآن پڑھتے پڑھتے عُلیہ اُس آیت پر پہونچی "فان لم یصبہا وابل فطل" اور بجائے اِس کے کہ "طل" کا لفظ زبان سے نکالے پڑھگئی "وابل فالذی نہانا عنہ امیرالمومنین" یعنے وہ جس سے امیرالمومنین نے منع کیا ہے۔ یہ سنتے ہی رشید مین پھر کہان تاب تھی۔ دوڑ کے لپٹ گیا۔ اوس کا منہ چومنے لگا۔ اور کہا "اب مین تمہین کسی بات سے نہین منع کرتا۔ تمہارا جوجی چاہے کرو۔ اور اپنا غلام طل بھی اُسی کو دے ڈالا۔ مگر اس کے بعد پھر سوا پاکدامنی اور نیک نفسی کے عُلیہ سے کوئی ایسا فعل نہین سرزد ہوا۔ جس پر اُسے الزام دیا جاسکے۔

کچھ اسی واقعہ پر منحصر نہین۔ ہارون رشید کو اپنی بہن عُلیہ کے ساتھ اس قدر محبت تھی کہ اکثر بغیر اُس کی موجودگی کے کسی صحبت مین مزہ ہی نہ آتا۔ اُس کا عقد غالباً ہارون رشید ہی کے زمانے مین موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہوگیا تھا۔ جو نسل عباس مین نہایت ہی باوقعت رتبہ رکھنے کی وجہ سے اُس دور مین شاہزادگی کی شان رکھتا تھا۔ مگر مورخین اِس امر سے بالکل ساکت ہین کہ یہ شادی کب ہوئی اور شوہر کا عُلیہ کے ساتھ یا عُلیہ کا شوہر کے ساتھ کیا برتاؤ رہا۔ زیادہ تر عُلیہ کو ہم رشید کی صحبت مین پاتے ہین۔ اور اِس صحبت مین رشید اُس کی موجودگی کو اُس کی اِس قدر ضروری خیال کرتا تھا کہ ایک مرتبہ عُلیہ حج کعبہ کو گئی۔ واپسی کے وقت غالباً کسل راہ سے تھک کے مقام طیرتاباذ مین چندروز کے لیے فروکش

ہوگئی۔ یہ خبر رشید کو پہونچی تو خفا ہوا۔ اور علیہ نے تین چار نہایت ہی دلچسپ سادے اور نہ بھی شعر کہہ کے اپنے آقا اور تاجدار بھائی کی ناراضی دور کی۔

ایک مرتبہ رشید رے کے سفر مین بہن کو پر تکلف محل مین بٹھا کے ساتھ لے چلا۔ مرج نام ایک منزل مین شاہی سواری ٹھہری۔ اور رشید بیٹھ کے لطف صحبت اٹھانے لگا۔ علیہ نے اس موقع پر چند پر جوش شعر کہے ان مین نہایت ہی دلکش دھن قائم کی۔ اور رشید کو گا کے سنایا۔ جن مین ظاہر کیا تھا کہ وہ جیسے ایک غریب الوطن مقام مرج مین اپنی مصیبت پر رو رہا ہے۔ جن لوگون سے محبت تھی دور ہین۔ اور اُس کی یہ حالت ہے کہ وطن کی طرف سے جب سوار ان کے قافلے آتے ہین تو دوڑ دوڑ کے انھین سونگھتا ہے۔ کہ شاید ان مین بوئے وطن آجائے یا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس مضمون کے اشعار نے ایک خوش گلو۔ صاحب علم اور علم موسیقی مین کمال رکھنے والی بہن کی زبان سے ادا ہوتے ہی رشید کے دل پر کیا اثر کیا ہوگا۔ سمجھ گیا کہ بہن کا سفر مین دل نہین لگتا۔ فوراً واپسی کی اجازت دے دی۔ اور علیہ راستہ ہی سے پلٹ کے بغداد مین آگئی۔

آخر جب زمانے نے ہارون رشید سے سریر خلافت کو خالی کرایا تو علیہ کو بہت ہی صدمہ ہوا جیسی محبت بھائی کو بہن سے تھی۔ ویسی ہی بہن کو بھائی سے بھی تھی۔ رشید کے بعد علیہ کی زندہ دلی اور بذلہ سنجی مین بالکل فرق آگیا۔ اور قسم کھائی کہ اب نہ گاؤن گی۔ مگر زبیدہ کے بیٹے امین الرشید نے تخت پر بیٹھنے کے بعد خوشامد درآمد کرکے یہان تک اصرار کیا کہ آخر گواہی کے چھوڑا۔ مگر اب اس بجھے ہوئے دل کے ساتھ گانے مین وہ لطف کہان ہو سکتا تھا؟

تھوڑی ہی مدت مین زمانے نے آخر امین کا بھی ورق الٹا۔ اور مامون رشید

سریر آرائے خلافت ہوا۔ موسیقی سے مامون کو بھی بے انتہا ذوق تھا۔ اور کیونکر ممکن تھا کہ جس لائق پھوپھی کا نغمہ امین نے زبردستیان کرکے سُنا تھا وہ بھی نہ سُنتا۔ غرض علیہ کو مامون کے سامنے بھی گانا پڑا۔ مگر مامون نے غضب ہی کر دیا۔ رشید نے بہن کا گانا ہمیشہ سُنا تھا۔ مگر کبھی کوئی ایسی حرکت نہین کی تھی جس سے بہن کے دل پر بُرا اثر پڑے۔ اسی طرح امین نے بھی باوجود انتہا سے زیادہ طفلانہ مزاجیون کے پھوپھی کے حفظ مراتب مین کسی قسم کی کوتاہی نہین کی تھی۔ مامون نے یہ ستم کیا کہ پھوپھی کا نغمہ سنتے ہی وجد مین آکے اور بے خود ہوکے اُسے گلے سے لپٹا لیا۔ اور اُس کے سر اور منہ کے بوسے لینے لگا۔

یہہ ایسی سخت رسوائی تھی جس سے

عُلیّہ کو زندگی بھر سابقہ نہین پڑا تھا۔ مارے شرم کے سر جھکا لیا۔ اور دل کو یکایک ایسا صدمہ پہونچا کہ چہرہ جوش ندامت سے سُرخ ہوگیا۔ ساتھ ہی بخار چڑھ آیا۔ اور اسی بخار مین اُس پاکدامن عباسیہ شاہزادی نے اِس عالم فانی کو رخصت کیا۔ سنہ ۱۶۰ھ مین پیدا ہوئی تھی۔ اور ۲۱۰ھ مین پچاس برس کی عمر پاکے رہگزائے آخرت ہوئی۔

علیہ نے عربی موسیقی مین اپنی لیاقت سے ۷۲ دھنین بڑھا دین تھین جن سے مدت ہائے دراز تک بغداد کی صحبتین لطف اُٹھاتی رہین۔ مگر باوجود اِس کے کہ علم موسیقی مین وہ کمال رکھتی تھی۔ نہایت ہی پارسا و پاکدامن اور عابدہ و زاہدہ تھی اور ہمین یقین ہے کہ رحمت الٰہی نے اُسے اپنے جوار مین لے لیا ہوگا۔ ✦

زُبیدہ خاتون

ام جعفر امتہ العزیز زُبیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس عم رسول اللہ صلعم۔ یہ خاتون عرب کی اُن پاک نہاد خاتونون مین سے ہے جنھون نے شرافت و عزت۔ صورت و سیرت۔ دولت و حشمت اور عصمت و عفت غرض تمام صفتون اور نعمتون کو اپنی ذات مین جمع کر لیا تھا۔ بنی عباس کا زمانہ شباب گویا اسی خاتون کی اقبال مندی کا نمونہ تھا۔ اور ہارون رشید کی فتحمندیون اور اُس کی ہیبت و جبروت کا تاج اسی ملکہ کے خوبصورت سر پر تھا۔ عم رسول اللہ حضرت عباس کی اولاد سے تھی۔ دوسرے خلیفہ بنی عباس المنصور کی پوتی۔ ہارون الرشید اعظم کی والا منزلت ملکہ۔ اور مظلوم و نوعمر خلیفہ امین کی ماں تھی۔

الف لیلہ کی کہانیون نے جو خدا جانے کس مجہول زمانے مین مرتب کیگئی ہین۔ اس اسلامی ملکہ کے چال چلن کو مشتبہ اور عشرت پرستی کا نمونہ ثابت کر دیا ہے مگر مورخانہ تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن کی وقعت بے بنیاد افترا پردازیون سے زیادہ نہین ہے۔ اُس کا اصلی نام امتہ العزیز تھا۔ بچپن مین چونکہ خوبصورت گوری گوری اور موٹی تازی لڑکی تھی۔ لہٰذا دادا یعنی خلیفہ منصور اُسے اپنے دونون ہاتھون پر نچاتے اور کہتے " زُبیدہ ہے زُبیدہ " زبیدہ عربی مین اُس آلے کو کہتے ہین جس مین سے گھما گھما کے مکھن نکالا جاتا ہے۔ یہ لقب ایسا پسند آیا کہ سب اُسے زبیدہ ہی کہنے لگے۔ اور اُسی وقت سے زبیدہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ چونکہ یہ نام اسی وقت کا تصنیف تھا۔ لہٰذا ایک عربی خاتون کے لیئے سب سے پہلا نام تھا۔ مگر

اُس کی ذات سے اِس نام کو اس قدر شہرت ہوئی کہ اب صدہا گھرانون مین یہ نام رکھا جاتا ہے۔ اور عموماً پسندیدہ ہے۔

زبیدہ کی نسبت یہ تو نہین پتہ چلتا کہ کس سنہ مین پیدا ہوئی۔ مگر ہان ۱۶۵ھ ہجری مین اُس کا عقد نکاح ہارون کے ساتھ ہوا۔ جو ابھی ایک نو عمر شاہزادہ تھا۔ یہ شادی ہارون کے حق مین ایسی مبارک ثابت ہوئی کہ اُسی سال اپنے باپ خلیفۂ مہدی کے حکم سے رومیون کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ اور شہر قلعہ تک برابر فتوحات کے پھریرے اُڑاتا چلا گیا۔ آخر رومیون نے دب کے صلح کر لی۔ اور ہارون بہت کچھ دولت و حشمت لے کے واپس آیا۔ اِس کارگزاری پر مہدی ایسا خوش ہوا کہ زُبیدہ کی فرخندہ طالعی کا نمونہ دوسرے برس یہ نظر آیا کہ باوجودیکہ ہارون مہدی کا بڑا بیٹا نہ تھا۔ اور اُس کا بڑا بھائی ہادی پیشتر ہی سے ولیعہد خلافت تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مگر مہدی نے لیاقت و کارگزاری کے صلے مین ہادی کے بعد جانشین خلافت اسی کو تسلیم کر لیا۔ اور ایک بڑے دربار مین ہارون کے لئے تمام علما و فضلا اور اکابر قوم سے بیعت لی گئی۔ آخر ۱۷۰ھ ہجری مین جب قسمت نے تخت خلافت کو ہادی سے خالی کیا تو ہارون ہارون الرشید کا لقب اختیار کر کے مسند آرائے خلافت ہوا۔ اور زبیدہ ساری دنیائے اسلام کی فیاض و ہردل عزیز ملکہ بن گئی۔

دولت و حشمت نے ہارون کو اگرچہ ہزارہا پری جمال اور حور وش لونڈیان دی تھین اور اس عہد کے مختلف مورخون کو اتفاق ہے کہ ساری دنیا کا منتخب حسن بغداد کی حرم سرائے خلافت مین جمع تھا۔ مگر زبیدہ کی لیاقت اور رشید کی نیک نفسی سے اصلی بی بی اور گھر کے مالک ہونے کا تاج زبیدہ ہی کے سر پر رہا۔ رشید کے آخر عہد تک زبیدہ ہی سارے محل کی مالک تھی۔ اور رشید نے کبھی کسی معاملے مین اُس کی دلشکنی نہین کی۔ آخر تیئیس سال تک اُسے ساری دنیائے اسلام کا سرتاج رکھ کے ۱۹۳ھ مین رشید نے جام فنا پیا۔ اور زبیدہ کا بیٹا امین الرشید تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ مگر افسوس

کہ امین بالکل شاہزادہ ہی تھا۔ عشرت پرستی اور لہو لعب کے سوا اُسے ملک داری و ملک گیری مین دلچسپی نہ تھی۔ اِس پر یہ قیامت ہوئی کہ مامون رشید کے ایسے لائق و ہوشیار اور ہر دلعزیز بھائی کی دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ہوئی۔ مامون کے بعض سنگدل سپہ سالارون کے ہاتھ سے امین نہایت مظلومی کے ساتھ مارا گیا۔ اور مامون رشید سارے مقبوضات خلافت کا مالک تھا۔

یہ وقت زبیدہ کے لیئے نہایت ہی نازک تھا۔ اور شاید اس سے زیادہ صدمہ اُسے کبھی زندگی بھر نہ اُٹھانا پڑا ہوگا۔ کیونکہ اکلوتا بیٹا تخت سلطنت پر سے کھینچ کے مارا گیا۔ اور وہ مجبور تھی کہ سوتیلے بیٹے اور خاص اپنے لخت جگر کے قاتل کے سامنے سر اطاعت جھکائے۔ اور راضی برضا ہو جائے۔ یہ کام اگرچہ بہت مشکل تھا۔ مگر اُس لائق۔ ضابط۔ اور نیک ملکہ نے نہایت خوبی سے سر انجام دیا۔ چند پر جوش و پر سوز اشعار کے ذریعے سے مامون پر اپنی فرمانبرداری بھی ظاہر کر دی۔ امین کی موت پر افسوس بھی ظاہر کیا۔ اور اُن لوگون کی شکایت بھی کر دی۔ جنھون نے امین کو بے رحمی سے قتل کیا تھا۔ اور غالباً انھین اشعار کا اثر تھا کہ اس کے بعد سے مامون کے دل مین اپنے اُسی سپہ سالار کی جانب سے ایک دشمنی پیدا ہو گئی۔ جس نے اُسے تخت خلافت دلوا دیا تھا۔

بیٹے کے داغ سے زبیدہ کے دل کو چاہے کتنا ہی بڑا صدمہ پہونچا ہو مگر مامون نے اُس کے ساتھ ایسی سعادت مندی کا برتاؤ کیا کہ غالباً اس حسرت نصیب اور بیوہ ملکہ کو اپنے بیٹے کی جگہ خالی نظر نہ آتی ہوگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ مامون نے جب سنہ ۲۱۰ھ مین بوران یا یون کہیئے کہ حسن بن سہل کی بیٹی پوراندخت کے ساتھ نہایت ہی دھوم دھام سے اپنی شادی کی ہے۔ اور دولھن تزک احتشام سے لا کے حجلۂ عروسی مین بٹھائی گئی ہے۔ اُس وقت اُس کے پاس یا تو خود اُس کی

ماں بھی یا زبیدہ خاتون جو یقیناً مامون رشید کی ماں کی جگہ لا کے بٹھائی گئی تھی۔ زبیدہ نے پورا مذمنت کو رونمائی کے طریقے سے ایک موتیوں کا جوڑا پہنایا۔ ماں نے اُس پر سے موتیوں کا نچھاور کئے اور مامون رشید نے آ کے دولہن سے کہا "جو چاہتی ہو یا جس بات کی آرزو ہو بیان کرو"۔ ابتداءً تو دولہن خاموش رہی مگر جب اُس کی ماں نے کہا کہ "تامل کس بات کا ہے۔ جو کہنا ہو کہو" تو اُس نے صرف دو درخواستیں پیش کیں۔ ایک یہ کہ "ابراہیم بن مہدی کی خطا معاف کی جائے" اور دوسری یہ کہ "زبیدہ خاتون کو حج کی اجازت ملے"

خیر مہدی تو دعوائے خلافت کرنے کا مجرم تھا۔ اور اُس کے لئے معافی کی سفارش کرنا بھی نہایت ہی مناسب امر تھا۔ مگر یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ زبیدہ کو اگر حج کا شوق تھا تو خود ہی اجازت کیوں نہ لی؟ معلوم ہوتا ہے کہ مامون زبیدہ کو کسی حال میں اپنے پاس سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور اُسے اتنا بھی گوارا نہ تھا کہ زبیدہ خاتون چند روز اُس کی نظر سے دُور رہ کے حج کر آئے۔ خیر با ہوش عجیبہ دولہن کی دونوں درخواستیں پوری ہوئیں۔ اور اسی سال زبیدہ نے حج کی تیاریاں کر دیں۔ ابن خلکان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ کے اِس حج کا واقعہ مصنفین میں مشہور رہے۔ مگر افسوس کہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ورنہ پورے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔

تاہم اس نہ معلوم ہونے پر بھی اتنا جانتے ہیں کہ زبیدہ خاتون کا یہ حج ہمیشہ دنیا تک یادگار رہے گا۔ اور مسلمان اس عباسیہ خاتون کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔ ارض بطحا میں اور اپنے اجداد کے اصلی وطن میں آ کے زبیدہ نے جو اور فیاضیاں کی ہیں سب ایک طرف اکیلی۔ یہ ایک فیاضی کہ اُس نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ایک ایسی نہر جاری کرا دی جو ہمیشہ اور ہر موسم میں جاری رہتی ہے۔ ایسی یادگار ہے جس کی جہاں تک قدر کیجائے۔ کم ہے۔

عرب کا مالک جس مین کبھی کبھی پانی کا ایک ایک قطرہ انسان کی جان سے زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔ اور جہان چاہے کیسی ہی نہر لائی جائے اُس کے پانی کو خشک اور ریتلی زمین پی جاتی ہے۔ ایک چشمہ کا ہمیشہ اور یکسان شان سے جاری رہنا ایسا عجیب امر ہے جس پر جہان تک حیرت کیجائے۔ کم ہے۔ اور جسے اگر زبیدہ کی زندہ کرامت کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہو گا۔ حاجیون سے سنتے ہین کہ یہ نہر دجلہ سے کھود کے لائی گئی ہے۔ مگر سمجھ مین نہین آتا کہ کہان دجلہ اور کہان مکہ و مدینہ۔ لیکن جب اس بات کا خیال کرتے ہین کہ دجلہ سے نہین لائی گئی تو پھر کہان سے لائی گئی ہے۔ تو مجبور ہو کے ماننا ہی پڑتا ہے کہ واقعی یہ بغداد کے سوا اور کہین کی فیاضی نہین ہو سکتی ہمارے خیال مین یہ نہر اس قابل ہے کہ اس کا شمار دنیا کے عجائبات مین کیا جائے۔ بلکہ موجودہ تمام عجائبات مین یہ نہر انسانی کمال کا سب سے زیادہ مکمل اور حیرتناک نمونہ ہے۔ اس نہر کے جاری ہونے سے پیشتر مکہ معظمہ مین اتنا پانی جتنا کہ ایک دفعہ مین پیا جا سکے ایک دینار یعنی ایک اشرفی کو ملتا تھا۔ یہ صرف اسی نہر کی برکت ہے کہ آج حاجی مکہ معظمہ مین اُسی آسانی سے سیراب ہوتے ہین۔ جس آسانی سے کہ ہندوستان مین لوگ گنگا کے کنارے سیراب ہوا کرتے ہین۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہین کہ اس نہر کے لانے مین دس میل کی مسافت بڑی مشقتون سے قطع کی گئی ہے۔ اسلیے کہ پہاڑ کاٹے گئے۔ بڑی بڑی چٹانین توڑی گئین۔ تو یہ نہر مکہ تک لائی جا سکی۔ پھر اس نہر کے لانے کے ساتھ یہ امر اور زیادہ حیرت ناک ہے کہ اُسے کھدے ایک ہزار ایک سو دس برس ہو گئے۔ اور بغیر اس کے کہ کسی قسم کا فتور آئے آجتک حاجیون کو اُسیطرح سیراب کر رہی ہے۔ اس عربیہ ملکہ کی یہی خوبی اور یہی زندگی بخش یادگار ہے۔ جس کا خیال فرما کے سعدی کہتے ہین۔ ع

نہ شبل نہ زبیدہ ست نہ ہریرہ

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ زبیدہ اپنی شان کے مناسب نہایت ہی فیاض وسیر چشم ملکہ تھی۔ ایک مرتبہ اپنا ایک باغ بنوا رہی تھی۔ داروغہ نے آکے کہا "اِس مین بڑا صرف ہوگا"۔ بولی "مین جانتی ہون۔ مگر کوئی مضائقہ نہین۔ اگر مزدور پھاوڑے کی ہر چوٹ پیچھے ایک اشرفی مانگین تو بھی مجھے دینے مین تامّل نہ ہوگا"۔

ایسی نیک نفس اور آلِ ہاشم کی عصمت مآب خاتون کی جانب جب ہم بہت سے بیہودہ اور بے اصل قصّون کو منسوب دیکھتے ہین تو ہمین افسوس معلوم ہوتا ہے مورخین اُس کی دینداری کے تذکرے مین لکھتے ہین کہ سو پڑھی لکھی لونڈیان جن مین سب کی سب قرآن مجید کی حافظ تھین۔ اُس کے محل مین صرف اس امر پر مامور تھین کہ قرآن مجید کی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کیا کرین۔ ہر لونڈی پر فرض تھا کہ تین پارے روز ضرور پڑھے۔ اُن کے باری باری پڑھنے سے تلاوت قرآن کا سلسلہ ہر وقت قائم تھا۔ اور زبیدہ کے محل مین ہر وقت شہد کی مکھیون کی بھنبھناہٹ کی طرح ایک گونج کی آواز سُنی جایا کرتی تھی۔

حج سے واپس آنے کے چھ ہی برس بعد ۲۱۶ھ مین اُس نے انتقال کیا۔ اور خاک بغداد مین دبا دی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

اُمُّ الخیر رابعہ بصریّہ

مسلمانون مین بہت کم لوگ ہون گے جو جناب رابعہ کے مبارک نام سے واقف نہ ہون۔ اِس نام کو مقبولیت عام اور لوگون کی حسن عقیدت نے یہان تک شہرت دی کہ آج مسلمان گھرانون مین اکثر خاتونون کا نام رابعہ رکھا جاتا ہے۔ عابدۂ وزاہدۂ

عورتون کی تعریف مین "رابعہ زمان" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس شہرت اور زندگی جاوید کے شاید شاذونادر ہی کوئی جانتا ہوگا۔ کہ جناب رابعہ کون تھین؟ کہان تھین؟ کب تھین؟ اور اُن کے کیا حالات ہین؟

آپکے والد کا نام اسمٰعیل تھا۔ خاک بصرہ کو آپ کا وطن ہونے پر ناز وفخر ہے۔ اور چونکہ عرب کے قبیلۂ بنی عدی سے علاقہ رکھتی تھین۔ جس مین حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ لہذا البصریہ کے ساتھ عدویہ بھی کہلاتی تھین۔ آپ کے خاندان نے گردش زمانہ سے ایسا افسوسناک انقلاب دیکھا کہ آزادی ہاتھ سے کھو کے غلامی مین مبتلا ہوا۔ اور اسی سبب سے آپ کی نسبت بصریہ و عدویہ ہونے کے ساتھ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ آپ آل عتیک کے گھرانے کی لونڈی تھین۔ مگر یہ نہین کہا جا سکتا کہ آپ خود لونڈی رہی تھین۔ یا آپ کی ولادت سے پیشتر خاندان کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی۔ لیکن سچ کہا ہے۔ ع

ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہین

آپکا زہد اتقا۔ آپکا علم وفضل۔ اور آپ کی خدا پرستی و پرہیزگاری اس قدر غالب آئی اور یہان تک مشہور ہوئی کہ زمانہ اس دنیاوی ذلیل عیب کو بھول گیا۔ اور ہر دل ذوق وشوق سے آپ کی تعظیم وتکریم کر رہا ہے۔ جس گمنامی اور بے پروائی کا پردہ تمام خاتونان قوم کے حالات پر پڑا ہوا ہے اُسی نقاب مین آپ کا روشن و نورانی چہرہ بھی ہمین چھپا نظر آتا ہے۔ ہم نہین جانتے کہ آپ کس سنہ مین پیدا ہوئین۔ کیونکر اور کس حالت مین ولادت ہوئی۔ اور کس طرح آپ نے وہ بزرگی وفضیلت حاصل کی۔ جس کی بدولت اسلام آج تک آپ کے نام کا ادب کر رہا ہے۔ ہمین جو کچھ بتایا گیا ہے صرف اس قدر ہے کہ اپنے عہد کے ممتاز و نمایان لوگون مین تھین۔ زہد و عبادت بے نفسی ونفس کشی کی کوئی حد نہ تھی اہل تصوف کا سادہ

وجذب آپ کے دل مین تھا۔ لہذا اللہ جل شانہ سے دعا بھی کرتین تو اس وضع اور اسی طریقے سے جو صوفیون اور فلسفۂ الٰہی کے رمز شناسون کے ساتھ مخصوص تھا۔ مناجات مین درگاہ رب العزت مین اکثر یہ دعا فرمایا کرتی تھین "الٰہی تحرق بالنار قلباً یحبک" (خداوندا جس دل مین تیرا عشق ہے اُسے آگ مین جلا کے خاک کردے) آخر ایکدن اُسی غیب کی آواز نے جس نے حضرت موسےٰ سے "انی انا اللہ" کہا تھا۔ جناب رابعہ کی اس دعا کے جواب مین کہا "ہم ایسا نہین کرتے۔ اور ہم سے ایسا بُرا گمان نہ رکھو"

جناب رابعہ اور سفیان ثوری مین باہم ربط وضبط تھا۔ اور وہ کبھی کبھی اس نیک اور خدا کے عشق مین ڈوبی ہوئی خاتون کی صحبت مین شریک ہوا کرتے تھے۔ سفیان ممدوح بھی اسلام کے دَور اولین کے اُن گران پایہ بزرگون مین ہین۔ جن کی وساطت سے تمام دینی علوم حضرت رسالت سے ہم تک پہونچے ہین۔ اور بڑے باخدا مقبول روزگار لوگون مین شمار کئے جاتے تھے۔ ایکدن بیٹھے بیٹھے اُن کی زبان سے نکل گیا۔ "واحزناہ!" (افسوس غم نہین چھوڑتا) یہ سنتے ہی جناب رابعہ بولین "سفیان جھوٹ نہ بولو۔ تمھین تو کہنا چاہیئے "واقلۃ حزناہ!" (افسوس ہمین کتنا تھوڑا غم ملا ہے) اگر غم ہوتا تو تمھین دم مارنے کی بھی مجال نہ ہوتی" یہ ایسا جواب تھا جس کے بعد یقیناً حضرت سفیان کو قائل اور متنبہ ہو کے خموشی ہی اختیار کر لینی پڑی ہوگی

رابعہ بصریہ اکثر فرمایا کرتی تھین کہ میرے جو اعمال نیک ظاہر ہو جاتے ہین انھین مین شمار ہی نہین کرتی۔ یعنی کالعدم خیال کرتی ہون۔ اور واقعی ان پاک نہاد وپارسا بی بی کے حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ریا کاری سے بچنے کی وہ سب سے زیادہ کوشش کرتی ہین۔ جس اخلاقی مرض سے متقی و پرہیزگار لوگ بہت ہی کم بچ سکتے ہین۔ وہ خود ہی اس برائی سے نہین بچتی تھین۔ بلکہ اور لوگون کو بھی اس

عیب سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی تھین۔ ہر شخص اور ہر کہ و مہ سے اُن کی یہ عام نصیحت تھی کہ "جس طرح اپنے گناہون اور عیبون کو چھپایا کرتے ہو اسی طرح اپنی نیکیون اور اپنے بھلے کامون کو چھپایا کرو"۔

جناب رابعہ کی اتقا و پرہیزگاری کا سب سے بڑا نمونہ یہ ہے کہ آخر مین انھون نے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ اور جب کبھی کسی سے شدید ضرورت کے وقت بات کرتین بھی تو صرف قرآن پاک کے فصیح و مبارک الفاظ مین۔ ایک مرتبہ حج سے واپس آتے وقت کسی ریگزار مین تنہا پڑی رہ گئی تھین۔ عبداللہ بن مبارک یا کوئی اور بزرگ ملے۔ اُن سے اول سے آخر تک اِس نیک خاتون نے صرف قرآن کی آیات ہی کے ذریعے سے گفتگو کی۔ اور اس کمال کے ساتھ کہ اپنا گھر بار اور تمام حالات و واقعات قرآن ہی پڑھ پڑھ کے ظاہر کر دیئے۔ یہ قصہ اخلاق کی کتابون مین تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا اُس کے مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہین۔ اسی قصہ مین جناب رابعہ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اپنے ہر مافی الضمیر کو قرآن کے الفاظ مین اس لیئے ظاہر فرماتی تھین کہ انسان کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے۔ اُسے کاتبان اعمال لکھ لیتے ہین۔ لہٰذا جب سوا قرآن کے کوئی کلمہ زبان ہی سے نہ نکلیگا تو انھین سوا نیکی کے کوئی برائی لکھنے کو ملے ہی گی نہین۔ یہ ہے اتقا اور یہ ہے پرہیزگاری جس کو ایک نیک نفس خاتون نے اس اعلےٰ کمال پر دکھایا جو کمال کہ شاید مردون مین سے کبھی کسی کو نہ نصیب ہوا ہوگا۔

عبدہ بنت شوال ایک نیک خاتون اور خدا کی پاک بندی تھین۔ اُنھین جناب رابعہ سے بڑی محبت تھی۔ اور شب و روز اُنھین کی خدمت گزاری مین مصروف رہا کرتی تھین۔ وہ اپنی پاک باطن و نیک سیرت مخدومہ کے حالات مین فرماتی ہین کہ ساری رات اللہ جل شانہٗ کی عبادات اور قیام و رکوع و سجود ہی مین صرف

کر دیا کرتی تھیں۔ مگر چونکہ تمام شب علی الاتصال عبادت کرنا سُنت نبوی اور حضرت رسالت کے طریقۂ عمل کے خلاف تھا۔ لہذا سفیدۂ صبح کے نمودار ہوتے ہی جانماز پر لیٹ جاتیں۔ مگر ہنوز غنودگی نیند کے درجے تک نہیں پہونچنے پاتی کہ پھر اُٹھ بیٹھتیں۔ اور اپنی اتنی غفلت پر بھی نہایت ہی خائف نظر آتیں۔ عبدہ فرماتی ہیں۔ میں روز اس وقت انھیں اکثر یہی کہتے سنتی کہ "اے نفس! کتنا سوئے گا اور کب تک سوئے گا؟ قریب ہے کہ تو اُس نیند میں سو جاتے۔ جس سے سوا اُس روز کے جب آواز صُور سُن کے مردے قبروں سے اٹھیں گے کبھی آنکھ کھلنا نصیب ہی نہ ہوگا"۔ الغرض مرتے وقت تک اُن کا یہی معمول رہا۔

سچ یہ ہے کہ جن پاک نفس اور صادق الیقین لوگوں کو پیغمبر کی ترغیب و تربیت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ اُس عالم کے حالات گویا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اور جزا و سزا کی سچی تصویر نظر کے سامنے جم جاتی ہے۔ اُنھیں اس دنیا کی کسی مسرت اور زندگی کے کسی لطف میں کبھی مزا نہیں آ سکتا۔ اُنھیں ہر راحت طلبی، ہر تعطّل اور ہر عیش سے دوچار ہوتے ہی انجام کی حالت یاد آجاتی ہے۔ اور فوراً ان تمام دنیوی مسرتوں کو چھوڑ کے نجاتِ اُخروی کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ یہی حالت جناب رابعہ کی تھی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ اُنھیں کسی دنیاوی مسرت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا۔

آخر ۱۳۵ھ میں اور بعض لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵ھ میں وصال کا وقت آگیا۔ مرض موت میں مبتلا ہوئیں۔ اور اگرچہ بیماری سنے بہت کچھ ستایا ہوگا مگر کسی کو بلا کے پریشان کرنا نہ گوارا کیا۔ عبدہ جو مدت ہائے دراز سے خدمت کرتی رہی تھیں۔ اُنھیں کی طرف متوجہ ہو کے بستر مرگ پر پڑے پڑے یہ وصیت کی کہ "عبدہ میری رحلت سے کسی کو تکلیف نہ دینا"۔ یہ بھی اچھی

اور کامل شان ہے۔یا تی کہ مرتے وقت بھی نہین چاہتین کہ جنازہ دھوم دہام سے اُٹھے۔اس کے بعد فرمایا "اور سنو عبدہ یہی کرتا جو مین پہنے ہوئے ہون بس یہی میرا کفن ہے۔نہلا کے اسی کو پہنانا۔اور لے جا کے دفن کر دینا" یہ سیدھا سادا اور موٹا جھوٹا کرتا بالون کا یعنی کمبل کا بنا ہوا تھا۔نہ یہ کربلا کا کفن تھا۔اور نہ زمزم کے پانی مین دھویا گیا تھا۔مگر ہان۔اسے یہ سب سے بڑی فضیلت حاصل تھی کہ اسی کو پہن کے عبادت۔شب بیداری اور یاد الٰہی کرتے کرتے ایک مدت گزر گئی تھی لہذا اُس مرحومہ کے تقدس و زہد کا اس سے بہتر کوئی گواہ نہ ہو سکتا تھا۔غرض عبدہ نے اُنھین اُسی کرتے مین دفن کیا۔پھر سال بھر کے بعد ایک دن خواب مین دیکھا تو اس شان سے کہ نہایت ہی پُرتکلف سُندُس و استبرق کے حُلّے پہنے ہوئے ہین۔پوچھا "اے بی بی رابعہ وہ کملی کا کرتا کیا ہوا؟" جواب دیا "اب خدا نے اُس کے عوض مجھے یہ کپڑے پہنا دیتے ہین۔اور یہ تو کوئی چیز ہی نہین۔خدا کے دوستون کے مراتب و مدارج تم یہان آکے دیکھو تو معلوم ہون کہ کیا ہین۔اور کیسے کیسے ہین" عبدہ نے پوچھا "اچھا بتایئے عبیدہ بنت ابی کلاب کس حال مین ہین؟" یہ بھی اُس عہد کی ایک نیک خاتون تھین۔رابعہ نے کہا "وہ فضیلت اور رتبے مین ہم سے بڑھ گئین" پوچھا "کیون؟" کہا "اس لیے کہ انھین اس کی بالکل پروا نہ ہوتی تھی کہ دنیا مین کیسی گزر رہی ہے۔بس اُن کی یہی بے نفسی خدا کو پسند آگئی" ✽

رابعہ شامیہ

رابعہ بصریہ جن کو عرب کے قبیلۂ بنی عدی سے تعلق تھا۔ اُن کے حالات اِس سے قبل کے صفحے رونق پا چکے ہین۔ اب ہم اسی نام کی ایک اور صاحبدل اور ذی علم و ذی فضل خاتون کے حالات سے پبلک کو مطلع کرتے ہین تاکہ لوگ دیکھین کہ عورتون مین کیسی کیسی خداشناس۔ دیندار۔ اور صاحب علم و فضل بیبیان گزری ہین۔

ایک نیک نفس اور ستودہ صفات بی بی کا نسب اور اون کا صحیح زمانہ تو ہمین نہین معلوم ہو سکا۔ مگر ہان اس امر مین سب کو اتفاق ہے کہ وہ بڑی پارسا و پاک طینت اور عابدہ و زاہدہ تھین۔ علوم ظاہری کے علاوہ مراحل حقیقت اور مدارج عرفانی طے کرکے وہ اس درجے پر پہونچ گئی تھین کہ بہت سے لوگون نے اُن کے شمع ہدایت سے اپنے چراغ جلائے۔ اور اُن سے بہت سی کرامتون کو ظاہر ہوتے دیکھا۔ معمولاً اُن کی یہ حالت رہتی کہ خداوند جل و علےٰ کے عظمت و جلال کے خیال سے خائف رہتین اور دل ہی دل مین کانپا کرتین۔ پھر اسی حالت مین جب عشق الٰہی کے جذبات مین جوش پیدا ہوتا تو یہ اشعار پڑھا کرتین ؎

حَبِیْبٌ لَیْسَ یَعْدِلُہٗ حَبِیْبٌ   وَمَا لِسِوَاہُ فِیْ قَلْبِیْ نَصِیْبٌ

وہ ایسا حبیب ہے کہ اور کوئی حبیب اُس کا سا نہین ہو سکتا۔ اور اُس کے سوا اور کسی کو میرے دل مین جگہ نہین مل سکتی ؎

حَبِیْبٌ غَابَ عَنْ بَصَرِیْ وَشَخْصِیْ   وَلٰکِنْ عَنْ فُؤَادِیْ مَا یَغِیْبٌ

اور وہ ایسا حبیب ہی کہ میری نظر کے سامنے سے تو غائب ہے۔ لیکن دل یہی سے نہین جاتا۔

مگر باوجود اس خدا ترسی اور اس معرفت اور حقیقت شناسی کے اس پاک خاتون مین وہ رہبانیت نہین پیدا ہونے پائی تھی جو اکثر عبادوزہاد مین نفس کشی کرتے کرتے پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جس کی بدولت وہ اکثر اسلامی تعلیمات سے دور جا پڑتے ہین اُن کے پہلے شوہر انتقال کر چکے تھے۔ قرآن کا وہ تاکیدی حکم جو بیوہ عورتون کے عقد کے متعلق ہے یاد آیا۔ اور آمادہ ہوئین کہ کسی نیک نفس عالم اور دیندار فاضل سے نکاح کر لین۔ احمد بن ابی الحواری اُن دنون علمائے گران پایہ مین شمار کیئے جاتے تھے۔ اور مرجع اُمت بنے ہوئے تھے۔ انھین سے نکاح کی خواہش کی۔ علامہ مذکور کو ابتدا ایسی نیک نہاد خاتون کی درخواست کی قدر نہ ہوئی۔ جواب دیا "مین اپنے حال مین اس قدر مبتلا ہون کہ متاہل ہونے کی فرصت ہی نہین" رابعہ نے یہہ انکاری جواب سُن کے کہلا بھیجا "خدا کی قسم مین آپ سے زیادہ اپنے حال مین مبتلا ہون۔ یہ جو مین نے عقد کی درخواست کی اس سے میری غرض خواہش نفس نہین ہے۔ بلکہ صرف یہ چاہتی ہون کہ پہلے شوہر میرے پاس جو بہت کچھ مال و دولت چھوڑ گئے ہین۔ اُسے آپ کے سپرد کر دون تاکہ آپ مناسب دیکھ کے خدا کے نیک بندون اور فقیرون پر اُسے صرف کرین۔ اور میری آپ کے ذریعہ سے اولیاء اللہ اور خدا کے دوستون تک رسائی ہو" یہ جواب سُن کے شیخ ابن ابی الحواری اپنے اُستاد ابو سلیمان دارانی کے پاس دوڑے گئے۔ اُن سے ساری سرگزشت بیان کی۔ اور کہا "آپ کیا فرماتے ہین۔ مین اس خاتون سے عقد نکاح کرون یا نہ کرون؟" اُستاد نے اجازت دی اور براضی ہوئے۔ اور ساتھ ہی جناب رابعہ شامیہ اُن کی پاک نہاد بی بی بن گئین۔ مگر ہمین حیرت ہے کہ ارغش تمام ہین نہ کہار نہ ڈولی ہے نہ

فنس ہا۔ یہ نیک بی بی بغیر ہندوستانی مذاق کی بے عزتی گوارا کئے اپنے علامہ وقت شوہر کے گھر مین کیونکر آئی ہونگی ؟

اب جناب رابعہ عبادت الٰہی کے علاوہ اپنا سارا وقت شوہر کے خوش کرنے اور اُن کو راحت پہونچانے مین صرف کرتی تھین۔ چنانچہ خود امام مذکور کو اعتراف ہی کہ وہ میرے لیئے طرح طرح کی غذائین پکاتین۔ میرا لباس دُرست کرتین کپڑون مین عطر لگاتین۔ اور اس طرح مجھے آراستہ کرکے کہتین کہ اپنی بی بیون کے پاس جاؤ۔ اور جن بی بیون کے پاس بھیجتین اُن کی یہ سرگزشت تھی کہ جناب رابعہ کے عقد سے پہلے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علامہ احمد ابن ابی الحواری کی کوئی اور بی بی نہ تھی۔ خود انھون نے بی بی بننے کے بعد اُن کے تین اور نکاح کرائے تاکہ وہ خوش رہین۔ اور یہ نہ خیال کرین کہ وہ اُن کے آرام اور حظوظ مین خلل انداز ہونا چاہتی ہین۔

اگر غور سے دیکھو تو اس سے بڑی کوئی نفس کشی نہین ہوسکتی۔ اگر کسی عورت کے دل کی اُس وقت کی حالت دریافت کرنی ہے جب اُس کا شوہر کسی اور سوت کو لاکے گھر مین بٹھا دے تو مردون کے دل کو اُس وقت دیکھو اور ٹٹولو۔ جب اُنھین معلوم ہو کہ اُن کی جورو سے کسی اور سے تعلق ہے۔ ایسے وقت کے جوش کے دبانے سے زیادہ کوئی نفس کشی نہین ہوسکتی۔ مگر چونکہ مرد کے لیئے شرعاً چار بی بیان جائز ہین۔ لہذا رابعہ نے خود ہی تین بی بیان اپنے شوہر کے پاس بڑی خندہ پیشانی سے لاکے بٹھا دین۔ اور اسی قدر نہین بلکہ شوہر کو اُن کی صحبت کے لیئے روز بنایا چنایا کرتی تھین۔

دیکھو ایسا ہے عورتون کا نفس۔ اور ایسی ہے اُس کی وفاداری جس کا شکریہ در کنار ہمارے وطن کے ناحق شناس مرد اُلٹے شکایت کیا کرتے ہین۔ اصل یہ ہی کہ جو عورت کے ان حقوق کا شکرگزار نہ ہو وہ خدا کی نعمتون کا بھی شکرگزار نہین ہوسکتا۔

اس بارے مین رابعہ ممدوحہ کا صبر اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ سننے والون کو حیرت

ہو جاتی تھی۔ چنانچہ وہ ایک دفعہ اپنے اُستاد طریقت حکیمہ دمشقیہ کے پاس گیئں، جو اُس دور کی ایک اور بڑی عالمہ و فاضلہ اور دیندار و خدا شناس خاتون تھیں اور بہت بڑی عارفہ رموز طریقت مانی جاتی تھیں حکیمہ اُس وقت تلاوت قرآن مین مشغول تھیں۔ رابعہ کو دیکھ کے پوچھنے لگیں "مین نے سُنا ہے تمہارے شوہر احمد بن ابی الحواری کوئی اور نکاح کرنے والے ہین؟" (اس وقت تک اُن کا کوئی اور نکاح نہین ہوا تھا) رابعہ نے کہا "جی ہان اُن کا ارادہ تو ہے" حکیمہ نے حیرت کے لہجے مین کہا "ایک عقلمند شخص اپنے نفس کو خدا کی طرف سے ہٹا کے دو عورتون کی طرف کیونکر مشغول کرسکتا ہے؟" اِس کے بعد انھون نے قرآن کی وہ آیت جو تعدد ازدواج کے متعلق ہے پڑھی۔ اور بہت ہی شرح وبسط سے اُس کا مطلب بیان کیا۔ جو غالباً وہی ہوگا جو آجکل کے محققین کہتے ہین کہ "اگر عدالت نہ کرسکے تو ایک ہی عورت پر کفایت کرے" لیکن اپنی خداشناس اُستانی کے اِس قول کی رابعہ نے کچھ پرواہ نہ کی۔ اور ان کے بعد والے نکاحون مین شوہر کی یہان تک شیدا، ہین کہ اُنھین دوسری بی بیون کے لیئے آراستہ کیا کرتی تھین +

مُضغہ۔ مخّہ۔ زبدہ

اسلام کے دَورِ اولین کے متقی و پرہیزگار اور عابد و زاہد لوگون مین ایک حضرت بشر حافی تھے۔ جن کا نام صاحب ورع و تقوی لوگون اور خاصتہً صوفیہ کی جماعت مین بہت مشہور رہے۔ یہ تینون پاک نفس خاتونین اُنھین کی عابدہ و زاہدہ اور پاک نفس

و پاک سیرت بہنین تھین۔ حافی عربی مین برہنہ پا کو کہتے ہین۔ بشر چونکہ اکثر ننگے پاؤن رہا کرتے تھے۔ لہٰذا حافی کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ بلکہ ایک دن یہ اتفاق پیش آیا کہ معافی بن عمران نام ایک بزرگ سے ملنے کو گئے۔ اور دروازے پہ جا کے زنجیر ہلائی۔ پوچھا گیا کون؟ جواب دیا بشر حافی۔ یہ جواب سن کے اندر سے ایک لڑکی بولی "اگر آپ دو چار آنے صرف کر کے ایک جوڑا جوتے کا مول لے لیتے تو پھر کوئی آپ کو حافی نہ کہتا"۔

بہر حال حافی اپنے عہد مین نہایت ہی متقی و پرہیزگار مشہور تھے۔ مگر باوجود اِس زہد و تقویٰ کے انھین اعتراف تھا کہ پرہیزگاری مین نے اپنی بہن سے سیکھی۔

اِن تینون خاتونون کے والد کا نام حارث بن عبدالرحمٰن تھا۔ جو عبداللہ نام ایک شخص کی نسل سے تھے۔ جس نے امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دین اسلام قبول کیا تھا۔ اور واقعی وہ حضرت علی مرتضیٰ ہی کی برکت تھی۔ جو ان نیک نہاد خاتونون۔ اور ان کے بھائی بشر حافی کے کمالات سے ظاہر ہوئی۔

ان کا اصلی وطن شہر مرو تھا جس کی سواد مین ۱۵۰ھ کے قریب کسی زمانے مین پیدا ہوئین۔ مگر دینی کشش آخرالامر انھین اور اُن کے بھائی کو کھینچ کے بغداد لے گئی۔ جو اُن دنون اسلامی حکومت کے ساتھ دینی برکتون اور مذہبی کمالات کا بھی مرجع و ماوی بنا ہوا تھا۔

جناب مُضغہ تینون بہنون مین بڑی تھین۔ مگر زہد و عبادت اور تقوے طہارت مین تینون بہنین برابر تھین۔ اور جس کے حالات کو دیکھئے دوسرون سے بڑھی نظر آتی تھی۔ مُضغہ نے اپنے بھائی کی زندگی ہی مین انتقال کیا۔ اور جب دنیا سے رخصت ہوئین تو بشر حافی کو بڑا صدمہ ہوا۔ بہت روئے اور کہا "مین نے بعض کتابون مین پڑھا ہے کہ جب کوئی بندہ خداوند جل وعلا کی خدمتگزاری مین کوتاہی کرتا ہے تو اللہ جل شانہٗ

اُس کے کسی انیس کو چھین لیتا ہے۔ اور دنیا مین میری انیس میری بہن مضغہ تھی
معلوم ہوتا ہے کہ بے شک مجھ سے عبادت و اطاعت الٰہی مین کوئی کوتاہی ہو گئی"

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ بیان فرماتے ہین۔ ایک دن میرے
سامنے والد کی خدمت مین ایک عورت آئی۔ اور پوچھا "اے ابو عبداللہ مین اکثر راتون
کو چراغ کی روشنی مین بیٹھ کے چرخا کاتا کرتی ہون۔ مگر کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ
چاندنی راتون مین چراغ گل کر کے ماہتاب کی روشنی مین کاتنے لگتی ہون۔ تو
کیا ضرورت ہے کہ خریدار کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ سوت چاندنی کا کاتا ہوا ہے
اور یہ چراغ کی روشنی کا؟" والد نے کہا اگر دونون سوتون مین کچھ فرق ہوتا ہو تو بتا دیا
کرو" پھر اُس نیک بخت عورت نے پوچھا "اور حضرت مریض جو تکلیف سے کراہتا
اور آہ آہ کرتا ہے تو اس سے خدا کی شکایت تو نہین سمجھی جاتی؟" والد نے کہا "
مجھے خدا سے اُمید ہے کہ یہ کراہنا شکایت نہ سمجھا جاوے گا۔ بلکہ یہ سمجھا جائے گا
کہ اگر شکایت ہے تو خود حضرت رب العزت کی درگاہ مین" یہ جواب پاکے وہ خاتون
چلی گئی۔ اور والد نے میری طرف دیکھ کے کہا "بیٹا جس قسم کے سوالات اس عورت
نے پیش کیے ہین۔ ایسے سوالات کبھی کسی آدمی کی زبان سے نہین سُنے۔ ذرا جاکے
دیکھو تو یہ کون خدا کی نیک بندی ہے" مین فوراً اُٹھ کے اس کے پیچھے روانہ ہوا
اور جب دیکھا کہ بشر حافی کے مکان مین چلی گئی تو مین نے سمجھا کہ وہ اُن کی مشہور عابدہ
و زاہدہ بہنون مین سے ایک ہے۔ جب یہ حال واپس آکے جناب والد سے بیان
کیا تو انھون نے کہا بیشک اُن کے سوا اور کوئی عورت ایسی متقی و پرہیزگار ہو سکتی ہی نہین

اسی طرح عبداللہ بن احمد بن حنبل ایک واقعہ جناب مخّہ کا بھی بیان کرتے ہین
جو غالباً منجھلی بہن تھین۔ کہ انھون نے آکے ابا جان سے دریافت کیا کہ "میرا کل سرمایہ
دو دوانگ ہے (اس زمانے کا ایک بہت چھوٹا سکہ) اُس کی روئی مول لیتی ہون۔

اور اُن کا سوت کات کے نصف درہم کو بیچتی ہون۔ اور اُس کی قیمت مین سے ایک
دانگ مین اپنا ایک ہفتہ کاٹتی ہون۔ اتفاقاً ایک رات کو ایک سواری نکلی جس کے
ساتھ مشعل تھی۔ اُس کی روشنی مین مین نے دو پونیان کات لین۔ اور اب مجھے
اپنے دل پر بار نظر آتا ہے کہ خدا اُس کی بابت سوال کرے گا تو کیا جواب دونگی۔
للہ مجھے اِس تکلیف سے نجات دیجئے" آبا جان نے کہا وہ دونون دانگ خدا کی
راہ مین صرف کر ڈالو۔ اور کوئی سرمایہ نہ چھوڑو۔ اِس لیئے کہ کل کائنات یہی رقم
اُن کے پاس تھی۔ امید ہے کہ خدا تمھین اِس کے عوض مین اِس سے اچھا اور پاک
سرمایہ دے گا۔ یہ جواب سُن کے مُخہ چلی گئین اور مین نے آبا جان سے کہا آپ نے
ذرا تو نرمی کی ہوتی۔ اُنھون نے فرمایا بیٹا۔ اِس نیک بخت نے سوال ہی ایسے عنوان
سے کیا کہ مجھے تاویل کی ذرا گنجایش نہ تھی"۔

اِن نیک نہاد اور پاک دامن خاتونون کے زہد و اتقا کی جہان تک تعریف کیجئے
کم ہے۔ اور مورخین ان کے ورع اور تقوے کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہین۔ خود
بشر حافی کہتے ہین کہ غذا مین اُنھین یہان تک احتیاط تھی کہ ہر چیز کو اُس کی اصلی
پیدایشی حالت مین کھانے کی کوشش کرتی تھین۔ اور جس کھانے مین انسان کی
کاریگری کو دخل ہوتا اُس سے حتی الوسع احتراز کرتی تھین۔ چنانچہ اس بات کو حضرت
بشر نے بھی اُن سے سیکھ کے اختیار کیا۔ مگر ہان ہندوستانی شریعت اور اٹک ابن
پارکی فقہ مین شاید اُن کی ساری پرہیزگاری اور نیک نفسی خاک مین ملجائے گی۔
کیونکہ گھر کی چار دیواری چھوڑ کے باہر نکلین اور امام احمد بن حنبل سے آکے باتین کرنے
لگین جو بالکل نامحرم تھے۔ اور پہچانتے بھی نہ تھے کہ کون ہین۔ جس کی وجہ سے یہان
کے مذہب مین عورت اسلام کے بھی خلاف کرتی ہے۔ اور شرافت سے بھی دُور ہو جاتی
ہے۔ تیسری صدی ہجری کے نصف اول مین ان تینون بہنون نے دنیا کو رخصت کیا خدا مغفرت کرے انا للہ وانا الیہ راجعون

ام علی تقیۃ اللہ

جو ابوالفرج غیث بن علی صوری کی صاحبزادی اور علامہ تاج الدین بن حسن کی والدہ تھین تقیہ کے اُن نیک صاحب علم وفضل اور پاک طینت و پاک سیرت خاتونان شام سے ہین۔ جن کی بدولت علم وفضل ارض شام سے دیگر ممالک مین پہونچا اور جن کی زندگی اس قابل ہے کہ ہماری ہم وطن خاتونون کے سامنے علم وفضل اور عصمت وعفت کا ایک سچا نمونہ قرار دے کے پیش کی جائے۔ یہ نیک بیوی اپنے عہد کی فاضلۂ باکمال اور شاعرۂ بے مثال تھین۔ مگر اُن کی شاعری اُس قسم کی نہ تھی جیسی اخلاق کش اور برباد کن شاعری اس دور مین مروج ہے۔ اُنھون نے قصائد اور مختلف قطعات کے ذریعہ سے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ علم ادب مین عورت اگر ترقی کرے تو کس درجۂ کمال پر پہونچ سکتی ہے۔

۵۰۵ھ کے ماہ صفر مین خاص شہر دمشق مین پیدا ہوئین۔ مگر افسوس اُن کی ابتدائی زندگی کے حالات کا پتہ لگانے کی طرف مورخین نے بہت کم توجہ کی ہے۔ ورنہ ہمین معلوم ہوتا کہ انھون نے کیونکر کس طرح اور کن اساتذہ سے علوم ادبیہ و دینیہ اور کمال شاعری کو حاصل کیا۔ اور باوجود عورت ذات ہونے کے علم کے شوق نے اُنھین کہان کہان کی ٹھوکرین کھلائین۔ ایک زمانے کے بعد اور غالباً جبکہ عمر نے پختگی حاصل کرلی ہوگی۔ ہم اُنھین بندرگاہ اسکندریہ مین حافظ سلفی کی صحبت مین پاتے ہین اور حافظ سلفی ہی کی تحریر سے ہمین اس عالی مرتبہ فاضلہ کے حالات معلوم ہوسکے ہین جنھون نے اپنے بعض حواشی مین اُن کا ذکر کیا ہے۔ اور بہت کچھ تعریف کی ہے۔

کتنا بڑا خوش نصیب ہے وہ شاگرد جس کی تعریف یگانۂ دہر اُستاد اپنی تصنیفون مین کرے ۔ منجملہ اور باتون کے علامۂ ممدوح نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ مین اپنے گھر مین گر پڑا اور ایسی چوٹ آئی کہ میری ٹانگ زخمی ہو گئی ۔ ایک لڑکی کھڑی دیکھ رہی تھی اُس نے جھپٹ کے اپنی اوڑھنی مین سے ایک دھجی پھاڑی اور میرے زخم کو باندہ دیا ۔ اِس واقعے کا تذکرہ اتفاقاً مین نے تقیہ سے کیا تو اوس نے عجب ذوق وشوق سے یہ اشعار پڑھے جو خود اُسی کی طبع خداداد کا نتیجہ ہین ؎

لو وجدت السبیل جدت بخدی عوضاً عن خمار تلک الولیدہ

اگر مجھے موقع ملتا تو اِس لڑکی کی اوڑھنی کے عوض خود اپنے گالون کو لگا دیتی ؎

کیف لی ان اقبل الیوم رجلاً سلکت دھرہا الطریق الحمیدہ

اور کیونکر مجھے نصیب ہو کہ آج اُس قدم کو بوسہ دون ۔ جو اپنی زندگی بھر راہ نیک مین چلتا رہا ۔

فاضلۂ تقیہ کو پیدا ہوتے ہی زمانے کا یہ سخت ظلم سہنا پڑا کہ چار ہی سال کی عمر مین یتیم ہو گئین ۔ ہم جیسا کہ بیان کر آئے ہین ۵۰۵ھ مین پیدا ہوئین اور ۵۰۹ھ مین اُن کے والد علامۂ ابوالفرج نے جو مشہور علمائے عصر مین سے تھے ۔ انتقال کیا ۔ غالباً اِس یتیمی ہی نے مصیبت مین مبتلا کر کے بعد علم کے راستون مین اس پاک خاتون کی رہبری کی ہو گی ۔ اسلئے کہ دولت علم نے فلاکت ومصیبت کا اکثر ساتھ دیا ہے ۔

اِن دنون سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کا زمانہ تھا ۔ اور حروب صلیبیہ کے حملے زور شور سے روکے جاتے تھے فاضلۂ موصوفہ نے جناب حافظ سلفی کی صحبت سے بہرہ یاب ہو کے یکتائے عصر تسلیم کر لی گئین تھین ۔ اور شعر گوئی مین وقت کہا اُن کا ثانی نہین ۔ سلطان صلاح الدین کے چچا زاد بھائی ملک مظفر تقی الدین عمر کی مدح مین ایک قصیدہ کہا جس کی تمہید شراب کی تعریف سے کی تھی ۔ اور باران مےکش کی

صحبت کا سین بہت زور دیکے دکھایا تھا۔ اس قصیدے کو جب ملک مظفر نے دیکھا تو ہنس کے کہا وہ غالباً شخصہ محترمہ کو ان دلچسپی کی صحبتون کا حال اپنی ابتدائی عمر مین معلوم ہوا ہوگا۔ جب اُس کا یہ جملہ فاضلۂ مذکورہ کے گوش گزار ہوا تو ایک دوسرا قصیدہ رزمیہ لکھا جس مین میدان جنگ کی تصویر کھینچی تھی اور جانبازی و نبرد آزمائی کے نمونے نہایت شان و شوکت سے دکھائے تھے۔ یہ قصیدہ ملک مظفر کے پاس بھیج کے کہلا بھیجا کہ مجھے صحبت شراب کا علم اُسی طریقہ سے حاصل ہوا ہے جس طریقے سے کہ مین نے عرصۂ رزم کی کیفیتین دریافت کر پائی ہین"۔ اس قصیدے کو دیکھ کے اور خاتون عفت کیش کا پیام سُن کے ملک مظفر کو ندامت ہوئی۔ اور اپنی گستاخی پر بہت شرمندہ ہوا۔

یہ ہمین بالکل نہین معلوم ہو سکا کہ فاضلۂ تقیہ کی شادی کس سن مین ہوئی اور شادی کے وقت وہ کتنی بڑی تھین۔ مگر ہان اتنا معلوم ہے کہ ۵۶۶ھ مین جبکہ انچاس برس کی عمر ہوگی۔ اُنھین اپنے عالم و خداشناس شوہر فاضل بن سعداللہ کی دائمی مفارقت کا داغ اپنے سینے پر لینا پڑا۔ ہمین یہ بھی نہین خبر کہ اُن کے صاحبزادے علامہ تاج الدین کس سنہ مین پیدا ہوئے تھے۔ مگر اس مین شک نہین کہ وہ بہت طولانی عمر پاکے ۶۲۰ھ مین رہگرائے عالم آخرت ہوئے۔

فاضلۂ تقیہ کی عمر ستر سال کی ہوئی اور ۵۷۹ھ مین اُس مرحومہ درجلیلۂ عصر فاضلہ نے دنیا کو رخصت کر کے کنج لحد مین عزلت گزینی اختیار کی۔ افسوس مورخین کی بے پروائی سے ہم یہ بھی نہین جانتے کہ وہ آخر عہد تک مصر ہی مین رہین یا کبھی اپنے وطن مالوف دمشق مین بھی آئی تھین۔ لیکن قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وفات پانے کے وقت تک ارض مصر مین تھین۔ کیونکہ ملک شام پر اُن دنون مسیحی حملہ آورون کی یورش تھی: اور ایک نیک عالمہ کو بجز اس کے کہ اُس خونریزی

کے میدان سے دور ہی رہے۔ اور کسی بات مین مفر نظر نہ آیا ہوگا۔ اگرچہ ہم صراحتہً یہ نہین بتا سکتے کہ انھون نے کس شہر مین انتقال فرمایا۔ لیکن اتنا ثابت ہے کہ ۵۷۰ھ یعنے اپنے شوہر کی وفات کے وقت اور اپنے مرنے سے گیارہ سال پیشتر تک اسکندریہ ہی مین تھین۔ جہان حافظ سلفی کی صحبت سے اُنھون نے علم وفضل حاصل کیا تھا۔

شہدہ کاتبہ

یہ عالمۂ فاضلہ اور فریدۂ عصر خاتون علامہ ابو نصر احمد بن فرج بن عمر ابری کی صاحبزادی تھین۔ ایران و عراق کے درمیان مین جو سلسلۂ کوہ واقع ہے اُس کے قدیم تاریخی شہر دینور نے جن مشہور روزگار اور قابل فخر بزرگون کو دنیا کے سامنے پیش کر کے چمکایا۔ انھین مین ایک علامہ ابو نصر ممدوح بھی تھے جو وطن کے لحاظ سے دینوری اور پیشہ اور ذریعۂ معاش کے خاندانی تعلقات کے اعتبار سے ابری کہلاتے تھے۔ ابر عربی مین سوئی کو کہتے ہین۔ اُن کے اجداد مین کسی نے کسی زمانے مین اس چھوٹے سے آلہ کاریگری کو ذریعۂ معاش قرار دیا تھا۔ جس کی رعایت سے سارے خاندان نے جو "الکاسب حبیب اللہ" کی بشارت سُن چکا تھا ابری کے لقب کو شعار خاندانی قرار دے لیا۔ بغداد کی خاک اُن دنون علمار و فضلا اور ہر قسم کے باکمالون کے مقابلے مین ایک پر زور مقناطیس کا اثر رکھتی تھی۔ جہان اس کشش نے اور بہت سے کاملین فن کو اپنی طرف کھینچا وہان علامہ ابو نصر کو بھی کھینچ کے اپنے آغوش مین لے لیا۔

یہان غالباً چند ہی روز قیام کیا تھا کہ تقریباً ۴۸۴ھ مین اُن کی پاکدامن بی بی کے بطن سے شہدہ پیدا ہوئین۔ جن کے لیئے زمانے نے بہت سی علمی اور ناموری کے خزانے مقرر کر رکھے تھے۔ فاضل عصر باپ کی تعلیم و تربیت نے چند روز مین اس درجے اور اس رُتبے کو پہونچا دیا کہ مورخین اس عصمت مآب اور فاضلۂ بے ہمتا خاتون کو فخر النسار کے لقب سے یاد کرتے ہین۔ اور اُن کا شمار علمائے نامدار۔ اور فضلائے گران پایہ مین کیا گیا ہے۔ اکثر طلبار علم وفضل کے شوق مین کتابت کی طرف سے غافل ہو جاتے ہین۔ اور لکھنے کی اتنی مشق نہین کرتے کہ خط درست ہو۔ مگر جناب شہدہ نے پدر بزرگوار کی مدد اور آزادخیالی کی تعلیم سے اپنا خط ایسا درست کیا کہ تحریر دیکھ کے لوگ عش عش کرتے تھے۔ لکھتی نہ تھین بلکہ موتی پروتی تھین۔ اور اسی وجہ سے مورخین جہان اونھین عالمۂ و فاضلہ کے معزز و قابل فخر اوصاف سے یاد کرتے ہین۔ وہان اُنھین کاتبہ کے خطاب سے بہی شہرت دیتے ہین۔ اور بیان کرتے ہین کہ اس نیک خاتون کا خط نہایت شیرین۔ پاکیزہ اور پسندیدہ تھا۔

اِس فاضلۂ روزگار خاتون کی خوش نصیبی سے بغداد مین اُن دنون ہندوستان کا سا پردہ اور مردون مین یہ جنون کے درجے کو پہونچا ہوا وہم نہ تھا۔ مگر باپ کی صحبت علم سے پورا نفع اُٹھانے کے بعد اُنھین دیگر مدرسون اور درسگاہون مین جانے اور نامحرم اساتذۂ عصر کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا موقع مل گیا۔ پہلے ابو الخطاب نصر بن احمد بطروانی کے حلقۂ درس مین گئین۔ اور وہان کی طرز تعلیم کے مطابق متبحر اُستاد کے پُر مغز لکچر سُنے۔ کچھ اسی ایک درسگاہ پر نہین موقوف ہے اُس عہد کے قریب قریب کل سر چشمہ ہائے علم و فضل پہ پہونچ کے وہ بہرہ یاب ہوئین ابو عبداللہ حسین بن احمد نعالی۔ ابو الحسین احمد بن عبد القادر بن یوسف اور فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد شاشی۔ یہ تمام وہ گردون وقار اور ذی فضل و ذی علم اساتذہ ہین

جن کے آگے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا فخر فاضلۂ شہدہ نے حاصل کیا۔ جن کی شاگردی کی۔ جن کے دینی و علمی لکچر سُنے اور جہان تک ہم پتہ لگا سکتے ہین۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بزرگوار نامحرم تھے۔

اسقدر مدارج طے کرنے مصیبتین جھیلنے۔ ایک ایک کے آگے کتاب کھولنے کی یہ برکت تھی کہ چند روز بعد شاگردی اور طالب علمی کے حلقے سے نکل کے فضیلت کی مسند اور اُستادی کے شہ نشین پر جا بیٹھین۔ اب وہ دور گزر گیا تھا۔ جبکہ وہ علم کی شمعون پر پروانے کی طرح دوڑتی تھین۔ بلکہ خود شمع علم بنی ہوئی تھین۔ اور چارون طرف سے طلبہ اور شایقین علم و فضل کا اُن کے گرد۔ اور اُن کے دروازے پر ہجوم تھا۔ نام شہرت کے پرون سے اُڑ کے دُور دُور پہونچا۔ اُن کے تبحر و کمال علمی کا ہر جگہ چرچا ہوا۔ اور سب طرف سے طالبان علم آنے لگے۔ اب وہ نہایت فصاحت و بلاغت سے علوم دینیہ اور نکات حکمیہ پر لکچر دے رہی تھین۔ اور طلبا۔ اُن کی مبارک زبان سے سُن سُن کے اور اُن کی بارگاہ علم سے سندین حاصل کر کر کے ہر طرف جاتے اور اُن کی روایت سے احادیث و علوم کو دنیا مین پھیلاتے تھے۔ اور اسی وجہ سے مورخین دعوے کرتے ہین کہ فاضلۂ شہدہ اُس پائے کی عالمہ تھین کہ بزرگون کے فیوض علمی اُن کے ذریعے سے بعد والون مین پہونچے۔ اور روایات حدیث مین وہ ایک کڑی تھین جس نے نیچے والون کا سلسلہ اوپر والون سے ملا دیا۔

جناب شہدہ کے متقی و پرہیزگار اور صاحب علم و فضل والد جن دنون بغداد مین درس دے رہے تھے۔ اور شب و روز زہد و اتقا مین مصروف رہتے تھے۔ ایک لائق طالب علم نے جو علی بن محمد بن یحییٰ کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ علامۂ ممدوح سے علم و فضل حاصل کیا۔ ذہانت و ذکاوت کا جوہر دکھایا۔ اور اس کے علاوہ تمام طلبہ سے زیادہ فرید عصر اُستاد کی خدمت و اطاعت کی۔ مثل مشہور ہے ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

یہی بے نفسی وسعادت مندی گران پایہ اُستاد کے دل مین ایسا اثر کر گئی کہ لائق وہونہار
شاگرد سے محبت کرنے لگے۔ اور چند روز مین اپنی فاضلۂ عصر لخت جگر اور عصمت مآب
بیٹی شہدہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ مین دے دیا۔ الغرض اس طریقے سے جناب شہدہ علی
بن محمد کی بی بی بنین۔ یہ نہین کہا جا سکتا کہ فاضلہ شہدہ کا عقد کس سنہ مین اور کس عمر
مین ہوا۔ مگر یقیناً بیس برس سے زیادہ عمر نہ ہو گی۔ اسلیئے کہ شادی کے بعد ۲۲ جمادی
الاول سنہ ۵۰۶ھ ہجری مین جب اُن کے والد ماجد ابو نصر احمد کا انتقال ہوا ہے۔ اُس
وقت اُن کی عمر تقریباً بائیس سال کی تھی۔ اور اُن کے شوہر اُن سے گیارہ برس بڑے
تھے۔ کیونکہ وہ ۴۷۵ھ مین پیدا ہوئے تھے۔

علی بن محمد نے اول تو خود ہی اُستاد کی جوتیان سیدھی کر کے اور سعادت مندی
کے جوہر دکھا کے بہت کچھ علم وفضل حاصل کر لیا تھا۔ اب شہدہ کاتبہ کی سی فاضلۂ
عصر اُستاد زادی کو مونس وہمدم اور رفیق زندگی بنا کے ترقی کی دنیا مین قدم بڑھانا
شروع کیا۔ جس مین یقیناً سب سے زیادہ دخل عالی مرتبہ بی بی کی صلاح نیک اور
ہمدردی وہم آہنگی کو تھا۔ شادی کے تھوڑے ہی دنون بعد ابو نصر احمد کے اُس شاگرد
رشید نے ادب وانشا اور شاعری وسخن سنجی مین اپنے آپ کو اس قدر ممتاز کیا کہ تقدیر نے
یاوری کر کے خلیفۂ بغداد المقتفی لامراللہ کے دربار مین پہونچایا۔ اور اس کے تھوڑے
زمانے کے بعد جو دیکھا تو وہ طالب علم بغداد کا ایک رئیس اعظم۔ رکن رکین اور علی بن محمد
کے عوض ثقۃ الدولہ کے خطاب سے مشہور تھا۔

عالمہ وفاضلہ بی بی کے علم وفضل نے اب شوہر کی امارت کے پہلو سے علم پسندی
ودینداری کا یہ جوہر دکھایا کہ دریائے دجلہ کے کنارے جہان الفاطیلہ کے قصور تھے
بڑی بڑی دلچسپیان دکھائی ہین۔ ان میان بی بیون کی فیاضی وسرپرستی سے شافعی

طلبہ کے لیئے ایک عالیشان مدرسہ تعمیر ہوا۔ اُس کے متصل صوفیون کی ریاضت ونفس کشی کے لیے ایک خانقاہ قائم ہوئی۔ ان دونون پر بہت سی جائدادین وقف ہوئین۔ اور دو ایسے علمی ودینی سرچشمے جاری ہوگئے۔ جن سے خدا جانے کتنے زمانے اور کتنی صدیون تک اہل عالم سیراب ہوتے رہے ہونگے۔

آخر ثقۃ الدولہ علی بن احمد نے کامیابی وناموری اور نیک نامی کی زندگی حاصل کر کے اور فیاض وعالمہ بی بی کے طفیل مین زندگی جاوید کے رجسٹر مین اپنا نام لکھا کے ایک منگل کے دن ۱۷۔ شعبان ۵۲۹ھ کو عالم آخرت کی راہ لی۔ اور جامع رصافہ کے قریب خاص اپنے مکان مین دفن ہوئے۔

بیوی اپنے شوہر کی ایسی دلدادہ اور عاشق زار تھین کہ مرنے کے بعد بھی شوہر کی خاک کو جدا رکھنا نہین پسند کیا۔ بلکہ اپنے گھر ہی مین اور اپنی نظر کے سامنے رکھا۔ اور غالباً وصیت کر دی کہ جب مین مرون تو اُن کی ہڈیان میرے ساتھ ایک ہی قبر مین دفن کر دی جائین۔ جس کا ثبوت فاضلہ شہدہ کی وفات کے حالات سے مل جاوے گا۔ شوہر کی وفات کے وقت جناب شہدہ کی عمر ۶۵ برس کی تھی۔ لیکن ابھی انھین زندگی کے بہت دن پورے کرنے تھے۔ اس لیئے کہ نامی گرامی محدثین اور اکثر علمائے حدیث رسالت کی طرح یہ خوش نصیبی بھی اُن کو حاصل ہونے والی تھی کہ ایک بہت بڑی عمر پا کے اور اہل عالم کو بہت زیادہ اور ایک طولانی زمانے تک فائدہ پہونچا کے دنیا سے رخصت ہون۔ چنانچہ مفارقت شوہر سے کچھ اوپر پچیس سال بعد نوے برس سے زیادہ عمر پا کے ایک یکشنبہ کے دن ۱۳۔ محرم الحرام ۵۷۴ھ کو نماز عصر کے بعد اُس عالمہ جلیلہ اور فاضلۂ وحیدہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور غالباً جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہین انھین کی وصیت کے مطابق شوہر کی ہڈیان بھی نکال کے بغداد کے باب ابزر کے حوالی مین مدرسۂ تاجیہ کے قریب دونون میان بی بی مدفون ہوئے۔ اللّٰہم اغفر لہما وانا للہ وانا الیہ راجعون ؛

قطر الندیٰ

یہ ایک عربیہ شاہزادی تھی جس کا باپ ابوالجیش خمارویہ بن احمد بن طولون مُلکِ
مصر اور شام پر حکومت کرتا تھا۔ اور اُس خاندان مین سے تھا جس نے خلافت عباسیہ
کی ماتحتی مین نشو و نما پا کے سب کے پہلے ایک بڑی مملکت کو اپنے قبضے مین کر لیا۔
خمارویہ کی قوت توڑنے کے لیے فرمان روایان ارمینیہ افشین وغیرہ نے ۲۷۱ھ میں
مُلکِ مصر پر حملہ کیا۔ مگر خمارویہ نے انھین اس کا موقع ہی نہ دیا کہ حدود مصر مین داخل
ہون۔ ایک زبردست لشکر لے کے اُن کے مقابلے کو شام مین آ گیا۔ اطراف دمشق مین لڑائی
ہوئی۔ اور ارمینیہ والے شکست کھا کے بھاگ گئے۔ اس فتح سے خمارویہ کی وقعت و
سطوت اس قدر بڑھ گئی کہ حریف کو پسپا کرتا ہوا علاقۂ عراق تک جا پہونچا۔ خاص شہر
مین اُس کے لشکر نے پڑاو ڈالا۔ اور اس طرح اپنی سطوت دکھانے کے بعد اُلٹا
بڑا بادشاہ بن کے مصر کو واپس گیا کہ اب علاقہ نوبیا سے دریائے فرات کے کنارے

تک اُسی کی حکومت تھی۔

لیکن اُس زمانے میں یہ عجیب بات تھی کہ کسی شخص کو ہزار قوت و سطوت حاصل ہو جاتی۔ مگر جب تک عباسیون کے دربار سے سندِ شاہی نہ حاصل کر لیتا۔ جائز حکمران نہ مانا جاتا تھا۔ اتفاقاً اسی اثنا میں خلیفہ بغداد معتمد مرا۔ اور اُس کی جگہ معتضد باللہ سریر آرائے خلافت ہوا۔ خمارویہ نے موقع دیکھ کے اُسے مبارکباد دینے کے لیئے ایک سفارت بھیجی۔ جس کے ساتھ بہت سے ہدیے اور تحفے بھی روانہ کیئے۔ اور یہ بھی خواہش کی کہ اُس کی بیٹی قطر الندیٰ کا عقد ولی عہد خلافت مکتفی باللہ کے ساتھ ہو جائے۔ معتضد نے اس دوستانہ سفارت کی عزت کی۔ اور کہا "قطر الندیٰ کو میں خود اپنے نکاح میں لونگا"۔ خلیفہ کی اس خواہش کو خمارویہ نے پسند کیا۔ اور ۲۸۱ھ میں دس لاکھ درہم پر اس شاہزادی کا عقد نکاح خلیفۃ المعتضد باللہ کے ساتھ ہو گیا۔

قطر الندیٰ اِس شاہزادی کا لقب ہے۔ جسے اُس نے اپنی شرافت اور اپنے حسن و جمال کے انعام میں حاصل کیا تھا۔ مگر اصلی نام اسمار تھا۔ جس قدر اُس کے حسن و جمال کا شہرہ تھا۔ اُسی قدر اُس کی لیاقت و دانائی کی بھی تعریف کی جاتی تھی۔

عرب میں یہ قاعدہ نہ تھا کہ لڑکی اپنے گھر ہی میں رہے۔ اور لڑکے والے برات لے کے اُس کے دروازے پر آئیں۔ بلکہ عموماً لڑکیاں دولہن بنا کے اور نہایت آراستگی کے ساتھ بنا سنوار کے وہاں بھیجی جاتی تھیں۔ جہاں دولہا ہوتا۔ چنانچہ نکاح جب وکالتاً ہو گیا تو وہ بنا سنوار کے بڑے تزک و احتشام سے مصر سے بغداد کو روانہ کی گئی۔ اور اُس کی چچی عباسہ ساتھ چلی کہ مصر کی سرحد تک پہونچا کے رخصت کر دے راستے میں ایک مقام پر عباسہ نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اور اپنے خیمے کھڑے کیئے یہ خیمے کچھ ایسی گھڑی میں ڈالے گئے تھے کہ وہاں مستقل آبادی ہو گئی۔ اور ایک شہر آباد ہو گیا۔ جو اسی شاہزادی عباسہ کے خیموں کی یادگار میں "فسطاط" کے نام سے

شہر ہوگیا۔ (فسطاط عربی مین سراپرد ے یا خیمے کو کہتے ہین) اور بعض لوگ تو اِس شہر کو عباسیہ کے نام کے لحاظ سے "عباسہ" ہی کہتے تھے۔ یہ شہر مصر مین آج تک قائم ہے اور شاہزادی عباسہ کی یادگار ہے۔

الغرض قطر الندیٰ ارض عراق مین داخل ہوکے حریم خلافت مین پہونچی اور معتضد کے دل کو جس قدر اُنس اور لگاؤ اُس کے ساتھ تھا اور کسی بی بی کے ساتھ نہ تھا۔ ایک مرتبہ معتضد اُس کی گود مین سر رکھ کے سوگیا تھا۔ قطر الندیٰ نے چپکے سے اُس کا سر گود سے اُٹھا کے تکیہ پر رکھ دیا۔ اور خود نکل کے کمرے کے دروازے کے پاس جا بیٹھی۔ اتنے مین معتضد کی آنکھ کھلی۔ سر کو مہ جبین بی بی کے زانو کے عوض تکیہ پر پا کے برہم ہوا۔ اور پکارا۔ قطر الندیٰ نے پاس ہی سے جواب دیا۔ اور فوراً پھر اُن کے پاس چلی گئی۔ معتضد نے کہا "مین نے تو تمہاری یہ عزت کی کہ اپنی تمام بی بیون اور لونڈیون سے زیادہ عزیز رکھتا ہون۔ اور تمہاری یہ کیفیت کہ میرا سر تکیہ پر رکھ کے چلی گیئن" قطر الندیٰ نے ادب سے جواب دیا "آپ نے جن عزتون سے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ اُن سے انکار نہین کرسکتی۔ مگر حضور میرے چلے جانے کو ناشکری نہ خیال کرین۔ یہ وہ ادب اور برتاؤ ہے۔ جسے مین نے اپنے میکے مین اپنے والد سے سیکھا ہے" معتضد نے پوچھا وہ کیا؟ جواب دیا "ابا جان کی نصیحت ہے کہ خبردار نہ جاگنے والون کی صحبت مین سونا اور نہ سونے والون کے پاس بیٹھ کے جاگنا"

قطر الندیٰ اس کے بعد برابر معتضد ہی کے پاس رہی۔ مگر افسوس اُس نے عمر بہت تھوڑی پائی۔ اُس کے عقد کے دوسرے ہی برس باپ یعنی خمارویہ اپنے بے وفا غلامون کے ہاتھ سے بچھونے پر سوتا ہوا مارا گیا۔ اس کے مرنے کے پانچ برس بعد جب کہ اُس کی عمر بائیس تیئیس برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ بغداد مین راہی ملک عدم ہوئی اور دار الخلافت کے خاص محل قصر الرصافہ مین آغوش لحد کے سپرد کی گئی۔

قطر الندیٰ کی ذہانت و لیاقت کا سب سے بڑا نمونہ یہ تھا کہ اُس کی وجہ سے خلافت عباسیہ اور نوخیز دولت مصر مین نہایت ہی مضبوط تعلقات قائم ہو گئے۔ خلافت نے اُسے جائز بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور بنی طولون اس اطمینان سے حکومت کرنے لگے کہ اب کسی حریف کو اُن کی دولت پر حملہ کرنے کی بہت کم جرأت ہوتی تھی ٭

خدیجہ بنت القیمؒ

یہ نیک نہاد اور صاحب علم و فضل خاتون جن کا مبارک اور قابل فخر نام اوراق زمانہ پر طبقۂ نسوان کی لیاقت و ترقی کا نمونہ بن کے قائم رہ گیا ہے۔ اور آفتاب بن کے دنیائے تاریخ پر روشنی ڈال رہا ہے۔ خاک پاک بغداد سے پیدا ہوئی تھی۔ جس خاک سے خدا جانے کیسے کیسے علماء و فضلا اور کس پائے کے ائمہ و محدثین پیدا ہوتے اور حیات دائمی کے صحیفہ مین اپنے نام ثبت کرا کے خاک مین ملگئے۔

یہ عالمۂ عصر و فاضلۂ دہر زیادہ تر امۃ العزیز کے نام سے مشہور ہین۔ اور اُن پاک دامن و پاک نہاد بیٹیون مین ہین۔ جن سے بجائے اِس کے کہ وہ باپ کے نام سے کوئی فخر و شرف یا شہرت و ناموری حاصل کرین۔ خود باپ کو اُن کے نام سے عزت و شہرت حاصل ہوتی ہے۔ اِن کے والد ماجد جو حمام قیمیؔ ناطوری کے نام سے یاد کئے جاتے ہین۔ کوئی بڑے مشہور عالم نہین ہین۔ جن لوگون کی نظر تاریخون پر پڑتی رہتی ہے اُن کے کان غالباً اِس نام سے بالکل ناآشنا ہون گے۔

الغرض حمام قیمیؔ کے گھر مین اندرون باب الخاص بغداد مین خدیجہ ممدوحہ سنہ ... مین پیدا ہوئین۔

باپ علم وفضل کے شیدا تھے اور جانتے تھے کہ مرد ہو یا عورت اگر علم نہین تو انسان ہی نہین۔
اپنی اس آزاد خیالی کے ساتھ دیکھا کہ ہونہار بیٹی کی ذہانت وطبعی اور خداداد جودت طبع
بہت کچھ وعدے کر رہی ہے۔ فوراً تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لکھنا پڑھنا سکھا
وہ ادبی کتابین پڑھائین کہ جن سے انسان مین عمدہ مذاق پیدا ہوتا ہے۔ اور ادبی معلومات
مین وسعت ہوتی ہے۔ یہ کتب تجوید پڑھتے ہی خدیجہ مین علم کا ذوق پیدا ہوا۔ اور یہ
حالت ہو گئی کہ باپ اگر علم کے عاشق تھے تو بیٹی شمع علم کا پروانہ تھین۔ اور وہ تمام علوم جو
اُن دنون مروج تھے اُن کی طرف اس ذوق وشوق سے متوجہ ہوئین کہ زمانہ کو حیرت ہو گئی۔
پہلے تو بغداد ہی اُس زمانے کی بہت بڑی درسگاہ بنا ہوا تھا جس مین اُن دنون
ابن شہرزی کے ایسے گران پایہ فاضل اور کریمہ کی ایسی عالی مرتبہ محدثہ کے آگے ایک
زمانہ زانوئے شاگردی تہ کر رہا تھا۔ خدیجہ نے اُن دونون کی شاگردی اختیار کر کے
علوم دینیہ اور خاصتہً حدیث مین تبحر حاصل کیا۔ ان کے علاوہ بغداد مین اور جتنے
علمائے مشاہیر فیض رسانی کر رہے تھے اُن مین سے شاید کم باقی رہے ہون گے جن
کی خدمت فیض مین حاضر ہو کے جناب خدیجہ بغدادیہ نے باغ علم کی خوشہ چینی نہ کی ہو۔
اب بغداد کا خزانۂ علم اُن کی وسیع النظری اور معلومات کے مقابلے مین تنگ
تھا۔ مجبوراً وطن کو خیرباد کہی۔ اور سچے طالبان علم کی شان سے علم وفضل کی تلاش
مین نکل کھڑی ہوئین۔ اور قدیم شہر دمشق مین پہونچین۔ جو ارض شام کا مرکز اور
گزشتہ دولت بنی اُمیہ کا دارالخلافہ تھا۔ وہان کے علما سے برکت حاصل کر کے اور اُس
علمی سرچشمے سے اچھی طرح سیراب ہو کے شہر تبوک مین گئین۔ جہان کے بعض
علمائے کبار مرجع عالم بنے ہوئے تھے۔ اس درسگاہ سے کمالات حاصل کر کے
ملک مصر کی راہ لی۔ اور وہان علی بن مختار عامری اور ابن حمیری کے آگے شاگرد
بن کے بیٹھین۔ اور رموز علمی حاصل کر کے اس درجے کو پہونچ گئین کہ حدیث مین

ایک اما فن کا رتبہ رکھتی تھین۔ اور علم ادب مین یکتائے روزگار مانی جاتی تھین۔ علی الخصوص مقامات حریری کو جو کتاب کہ عربی ادب مین وہی شان اور درجہ رکھتی ہے۔ جو درجہ کہ انگریزی مین شیکسپیر کی تصانیف کو حاصل ہے۔ ایسا عمدہ پڑھاتی تھین۔ اور اُس کے رموز حل کرنے اور اُس کی فصاحتون اور خوبیون کے دکھانے مین اِس کمال کے ساتھ مشہور ہوگئی تھین کہ اُس زمانے کے بڑے بڑے مشہور و معروف علما نے اِس ادیبۂ عصر و محدثۂ دہر کے سامنے حاضر ہو کے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ اور پوری کتاب کہ اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھی۔

اِس طرح بڑے بڑے مشہور و نامور علما و فضلا کو شاگرد بنا کے اور حدیث و ادب مین مستند روزگار اور مرجع عالم بن کے بغداد مین واپس آئین۔ جہان آکے ایک زنانی صحبت وعظ مرتب کی جس مین بغداد کی اکثر عورتین جمع ہوتین اور فاضلۂ خدیجہ عالمانہ ادب و وقار سے جلوہ افروز ہو کے وعظ کہتین۔ آخر مین کتابی تدریس و تعلیم کو چھوڑ کے خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور اُن کی ذات سے نفع اُٹھانے کا ذریعہ صرف وہی صحبت وعظ تھی۔ جس کے ذریعے سے خاتونان بغداد دینداری کی باتین سیکھتی اور احکام شرعی مین بصیرت حاصل کرتی تھین۔

آخر وہ وقت آگیا جو سب کے لیئے آنے والا ہے۔ عموماً محدثین کی طرح بہت بوڑھی ہوچکی تھین۔ اور اکانوے برس کی عمر تھی کہ خداوند جل و علا نے اپنے پاس بلانے کا پیام بھیجا۔ اور ۵۹۹ھ ہجری مین رہگرائے عالم بقا اور عازم فردوس برین ہوئین۔ انا للہ و انا الیہ راجعون *

اُمّ ھانی مریم

یہ خاتون جو اپنے عہد میں یگانۂ روزگار تھیں علم وفضل کے بہت بڑے مستند اور مشہور و مقبول گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ اور اُن پاک بی بیوں میں ہیں جن کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ دینداری واتقا کا دودھ پیا اور علم وفضل کے گہوارے میں پرورش پائی۔ آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں قاضی القضاۃ تقی الدین عبدالرحمن بن عبدالمومن ہورینی شافعی بڑے عالم متبحر اور امام وقت تھے۔ اُن کا خاندان علم وعمل کے اعتبار سے ادنے و اعلیٰ میں مشہور تھا۔ اور ہر شخص ان کی پیروی کرنا سعادت دارین خیال کرتا تھا۔ مریم ممدوحہ ان کی پوتی ہیں۔ والد کا نام شیخ نورالدین ابوالحسن تھا جو اپنے علامۂ عصر باپ کی طرح صاحب علم اور موصوف بہ زہد وتقویٰ تھے۔ اور اسی طرح اُمّ ہانی مریم اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتی تھیں

ماہ شعبان ۷۷۸ھ میں مریم ممدوحہ پیدا ہوئیں۔ ابھی آٹھ ہی برس کی تھیں کہ پڑھنا لکھنا شروع کیا۔ اور چند ہی روز میں علم وفضل کے اعلےٰ مراتب طے کرگئیں۔ باپ دادا کے علاوہ نانا بھی بہت بڑے فاضل عصر تھے۔ جن کا نام فخرالدین قایانی تھا انھوں نے نواسی کو ذہین طباع دیکھ کے خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا چنانچہ انھیں کی کوشش سے ممدوحہ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ اور حافظہ قرآن ہوئیں پھر نحو کی ایک منظومہ کتاب کو اور فقہ کی کتاب مختصر ابو شجاع کو زبانی یاد کیا۔ ان ابتدائی علوم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ان نیک دیار سا خاتون نے اعلےٰ علوم کی طرف توجہ کی اور خاصۃً علم حدیث میں وہ مرتبہ پایا کہ اپنے عصر کے مشہور و مستند اساتذہ میں شمار

لیجانے لگین علم حدیث کا شوق اُن مین اس قدر پیدا ہوگیا تھا کہ اس زمانے کے جو بڑے بڑے زبردست امام او رمحدث تھے اِن کے حلقہ درس مین شریک ہوتین۔ اُن کے سامنے زانوی شاگردی تہ کیا۔ اور چند روز مین خود شاگرد ون اور حدیث کے طالبعلمون کو سبق دینے لگین۔

علامہ جلال الدین سیوطی جن کی صد ہا کتابین پھیلی ہوئی ہین۔ اور جن کے تصانیف پر روایات کے بہت بڑے حصّہ کا دار ومدار ہے۔ انھین بھی اِس محدثہ خاتون کی شاگردی کی عزت حاصل ہے۔

محدثہ مریم بعض اوقات شعر بھی کہتی تھین۔ مگر ان کے اشعار مین سوا اخلاقی اور نیک نفسی کی باتین سکھانے کے عاشقانہ جذبات نہین پائے جاتے۔ ایک پرانا شعر تھا۔ اسطرح مین ان کے یہ چند شعر دیکھنے اور پڑھنے بلکہ یاد کرلینے کے قابل ہین۔ فرماتی ہین :- ؎

فکن حامداً اللہ شاکر فضلہ علے سائر الاحوال فی السر والجھر

(ہر حال مین پوشیدہ اور علانیہ خدا کی حمد وثنا کرتا رہ اور اُس کی مہربانیون کا شکر گزار ہو۔)

وکن ساجداً للہ ما دمت قادراً لعلک تحظی بالسیادۃ والفخر

(اور جب تک بنے اللہ کی درگاہ مین سجدہ کرتا رہ۔ شاید تجھے فضیلت اور فخر حاصل ہو جائے)

فیا ایھا الانسان لاتک جاھلاً واعلم بان اللہ ھو الکاشف الضر

(تو اے آدمی تو جاہل نہ بن۔ اور جان لے کہ وہ اللہ ہی مصیبت کو دور کرتا ہے۔)

وصل علی المختار اشرف خلقہ علیہ سلام اللہ فی اللیل والفجر

(اور درود بھیج اُس نبی مختار پر جو اُس کی مخلوق مین سب سے افضل ہین۔ اُن پر اللہ کا سلام ہو رات کو اور صبح کو)

یہی اشعار اس بات کا آئینہ ہین کہ ام ہانی مریم ممدوحہ کی زندگی کیسی گزری اور کن باتون مین گزری۔ چونکہ اُن کا شمار کبار محدثین مین ہے لہذا اکثر محدثین ہی کی طرح بہت بڑی عمر پائی۔ اور لیئے کہ نناوے برس کی طولانی عمر پاکے ۸۷۱ھ مین صفر کی آخری تاریخ سفر آخرت کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فاطمہ فقیہہ

یہ نیک نفس اور پاک نہاد خاتون اتنی بڑی عالمہ و فاضلہ تھین کہ زمانے مین فقیہہ کے لقب سے مشہور ہوگئین۔ یہ لقب ہی بتا رہا ہے کہ مختلف اور نازک دینی مسائل مین لوگ اُن سے استفتار کیا کرتے تھے۔ علاؤ الدین محمد بن احمد سمرقندی کی صاحبزادی تھین۔ اور مشہور صاحب زہد و تقوےٰ فرمانروائے شام سلطان نورالدین کے عہد مین تھین۔ افسوس مورخین نے نامی گرامی خاتونان اسلام کے حالات کا پتہ لگانے مین اس قدر کوتاہی کی ہے کہ ہمین ان خاتون کے متعلق نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس سال پیدا ہوئین اور نہ اُن کی تاریخ وفات کا پتہ چلتا ہے۔ صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ اُن کا خاندان تو سمرقند کا تھا۔ مگر نشو و نما ارض شام مین ہوا۔ خدا جانے اُن کی ولادت سے پیشتر ہی اُن کے والد ملک شام مین آئے۔ یا اُن کی ولادت کے بعد انھین ساتھ لے کے آئے۔

جس عہد مین وہ تھین وہ نہایت ہی نازک زمانہ تھا۔ اس لیئے کہ ایک طرف تو مسیحی صلیبیون کا جوش و خروش تھا۔ اور دوسری طرف حسن بن صباح کے پیرو باطنین کا زور شور۔ خاصۃً حلب مین جہان وہ اقامت گزین تھین باطنیون کا نہایت ہی زغہ تھا۔ فخر الانام عالم علامہ علاؤالدین کاشانی اُن کے شوہر تھے۔ جن کے ساتھ انھون نے اپنی عمر کا بہت زیادہ حصہ صرف کیا۔ زہد و تقوی پرہیزگاری و عفت مآبی مین وہ ہر جگہ مشہور تھین۔ ابتداءً بہت سے فقہا و محدثین کی شاگردی کر کے علوم دینیہ کو حاصل کیا اور روایت حدیث کی سند حاصل کی۔ تحصیل طالب علمی سے فراغت کر کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئین۔ اپنے یہان ایک حلقہ درس قائم کیا

جن مین بڑے بڑے مشہور و مستند لوگون نے زانوے شاگردی تہ کرنے اور شاگردی کرنے کا فخر حاصل کیا۔ اُن کی تصنیف کی ہوئی کتابین جو عموماً فقہ و حدیث مین تھین اُن کی زندگی ہی مین مقبولیت کی سند حاصل کرکے رواج پانے لگین۔ جن کو اہل علم بڑی قدر و منزلت کے ساتھ اپنے کتب خانون مین داخل کرتے تھے۔

خاصتہً سلطان نورالدین کو اُن کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ نورالدین نہایت ہی متقی و پرہیزگار اور پاک نفس و پاک نہاد بادشاہ تھا۔ اُسکی توجہ نے تمام لوگون کو ان مستند فاضلۂ عصر کا معتقد و معترف بنا دیا۔ نورالدین اپنے اندرونی مہمات سلطنت مین اُن سے مدتون مشورہ لیتا رہا۔ اور بہت سی فقہی اور دینی معاملات مین اُسے اُن کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ نہایت فیاضی اور فراخ حوصلگی سے اُن کی خدمت کرتا تھا۔

فقیہہ فاطمہ نے آخر دنیا کو اپنے کمالات سے بہت کچھ بہرہ یاب کرکے اور اپنی بہت سی برکتین اُس مین چھوڑ کے شہر حلب مین انتقال کیا۔ اور انتقال کے چند روز بعد اُن کے شوہر نے بھی انتقال کیا۔ اور اُنھین کے برابر حلب کے قبرستان صالحین مین مدفون ہوئے۔ جہان اون دونون کی قبرین آجتک مشہور ہین اور "زن صالحہ اور اُس کے شوہر کی قبر" کے نام سے یاد کی جاتی ہین۔

فاطمہ نیشاپوریہ

یہ خاتون بہت بڑی ولیہ اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ اور تیسری صدی ہجری کے ابتدائی دور کو جہاں بڑے بڑے علماء و فضلاء اور فقہا و محدثین پر فخر تھا وہاں ان پاک نفس و پاک نہاد بی بی پر بھی ناز تھا۔ ذوالنون مصری اور بایزید بسطامی کے ایسے نادر زمانہ اولیاء اللہ کی معاصر تھیں۔ بلکہ ذوالنون مصری ان کے شاگرد تھے۔ اور وہ اس پایہ کی ولیہ تھیں کہ ذوالنون مصری کو اُن کی شاگردی پر ناز تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری اُستانی فاطمہ کا قول ہے "جو شخص ہر حال میں اللہ جل شانہٗ سے لو نہیں لگائے رہتا وہ ہر میدان میں اُترتا اور ہر قسم کی باتیں کرتا ہے مگر جس کی ہر حال میں خداوند تعالےٰ سے لو لگی رہتی ہے۔ تو اللہ سچ کے سوا اور سب باتوں سے گونگا کر دیتا ہے۔ اور اُس کے لیئے لازم ہو جاتا ہے کہ خدا سے شرم رکھے اور خلوص سے اُس کی طرف متوجہ ہو"۔ اسکے علاوہ یہ تیسری صدی کی ابتدائی ولیہ یہ بھی ارشاد فرماتی تھیں "جو کوئی اللہ کے واسطے اسطرح عمل خیر کرے کہ گویا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ تو اگر خلوص ہے تو بس اُسی شخص میں ہے"۔

یہ ہیں حقیقی رموز تصوف۔ اور یہی ہے وہ تصوف جو پاک و صاف ہے اور جس کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔ اور اسی رمز شناسی حقیقت کا نتیجہ تھا کہ ذوالنون مصری کا ایسا شخص اُن کا شاگرد یا مرید ہو گیا۔ ذوالنون مصری تو شاگرد ہی تھے حضرت بایزید بسطامی کو بھی اس نیک نفس عالمہ فاضلہ کے تبحر کا اعتراف تھا یہ اور بڑی عقیدت رکھتے تھے چنانچہ اُن کا قول تھا میں نے فاطمہ کی ایسی عورت نہیں دیکھی

کبھی ایسا واقعہ نہین پیش آیا کہ مین نے اُس خاتون کے سامنے کوئی مسئلہ بیان کیا ہو
اور اُسے پیشتر سے اُس مسئلہ کا عینی اور ذاتی علم ہونا نہ ظاہر ہوا ہو۔
مرجعیت کی یہ حالت تھی کہ ذوالنون مصری ارادت رکھتے تھے اور فضل وکمال
مین یہ درجہ حاصل تھا کہ بایزید بسطامی عقیدت کیشون مین تھے۔ مگر باوجود اس کے
منکسر المزاجی اور زہد و اتقا کی یہ شان تھی کہ کھال پہنتی تھین اور دنیاوی تکلفات سے
علاقہ نہ تھا۔ کئی مرتبہ حج کعبہ کیا۔ اور ہمارے ہم وطنون کی جھوٹی اور دکھاوے کی شان
عصمت کے خلاف ڈولی یا محمل مین بیٹھ کے نہین بلکہ پاپیادہ۔ ہندوستان کے
لوگون کو حیرت ہوگی کہ اتنی بڑی ولیہ اور بغیر اس کے کہ پردے کا پاس ولحاظ کرین۔
پیدل حج کرنے کو تیار ہوگئین۔ مگر کوئی تعجب کی بات نہین یہ چیز جسے تم شرافت سمجھ رہے
ہو نہ کبھی پیمبر زادیون مین تھی اور نہ ولیہ عورتون مین۔
انھین فاطمہ کو دیکھو کہ نیشاپور وطن تھا جو مکہ سے مہینون کی راہ پر ہے۔ مگر انھون
نے ثواب آخرت کے لیئے کمر ہمت باندھی اور چل کھڑی ہوئین۔ بلکہ وہ تو خدا کی ایسی
پاک اور مقبول بندی تھین کہ عمرے کے ارادے سے جا رہی تھین۔ مکہ کی راہ مین تھین۔
کہ ۲۲۳ھ مین خداوند جل و علا نے اپنے پاس بُلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ✦



تاریخ کی چیدہ کتابین

تذکرہ خواتین تیموریہ

جن مین دنیا کے نامور و مشہور خاندان تیموریہ کی پاک دامن اور عفت مآب مشاہیر بیگمات کے علاوہ بہت سی اُن عفت کی دیویون اور شریف خاتونون کے نہایت دلچسپ و ندرت مآب تاریخی واقعات اور حیرت انگیز حالات بسط و شرح کے ساتھ سلسلہ وار بترتیب حروف تہجی اردو کی مقبول طرز اور مرغوب پیرایہ مین لکھے گئے ہین جو اس عظیم الشان خاندان کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہین۔ قیمت ہر دو حصہ دو روپیہ (عگار)

دولت درانیہ

جس مین احمد شاہ درانی والی افغانستان کے مفصل حالات زندگی آغاز سلطنت ہندوستان پر متواتر حملے سکھون اور دکھنیون کی مشہور معرکہ آرائیان ہندوستان کے فتوحات وغیرہ وغیرہ کا بڑے بسط و توضیح کے ساتھ ذکر کرکے اُسکے نامور فرزند تیمور شاہ اور بیدار بخت پوتے زمان شاہ کی عہد سلطنت تمام واقعات نہایت دلچسپی اور عمدگی کے ساتھ بیان کئے گئے ہین۔ اور ساتھ ہی اُن پر زور بغاوتون اور باہم خانہ جنگیون کا بھی مذکور ہے۔ جو اُن تینون نامور حکمرانون کے عہد حکومت مین پھیلین۔ اور فرد ہوئین غرضکہ ۱۱۶۰ھ ہجری سے ۱۲۱۳ھ ہجری تک کے تمام واقعات درج ہین قیمت عمعر

تاریخ بابل و نینوا

شہر بابل و نینوا کے حیرت ناک واقعات اُنکی تباہی و بربادی کے عبرتناک حالات درج ہین یہ قدیم تاریخ آجتک نہین چھپی تھی۔ مترجمہ مولوی محمد علی خان صاحب عرشی۔

قیمت صرف عہ

سفرنامہ روم و مصر و شام

شمس العلما مولانا مولوی شبلی کا سفرنامہ ہے جسمین قسطنطنیہ بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے چشم دید حالات و واقعات ترکون اور عربون کے اخلاق و عادات غرضکہ یہ قابل دید کتاب ہے۔ نہایت عمدہ خوشخط ولایتی کاغذ چھپائی بے نظیر ہی قیمت عہ۔

خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام

اس کتاب مین جغرافیہ ملک عرب و رسوم و حالات و کیفیت اقوام وغیرہ قبل اسلام و حالات مذہب ہنود و بدھ و چین و تاو و کنفیوشش و یہود و نصاریٰ و زرتشت وغیرہ درج ہین۔ یہ تاریخ دیکھنے کے لائق ہے قیمت عام فائدہ کی غرض سے بہت کم رکھی ہے۔ قیمت صرف عہ

مثنوی نشتر غم

یعنی سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ دردناک واقعہ اور سچا تاریخی قصہ جو نشتر ناول سے لیکر گلزار نسیم کی بحر مین نہایت ہی معنی خیز اختصار کے پیرایہ مین طرز جدید نظم کیا گیا ہے۔ قیمت صرف ۸/

الفاروق

یعنی سوانحعمری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤلفہ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی قیمت فی جلد تین روپیہ (سے)

الہارون

یعنی سوانح عمری خلیفہ ہارون رشید اعظم معہ نقشہ سلطنت عباسیہ و دار الخلافہ بغداد وغیرہ۔ یہ کتاب دوبارہ کارخانہ مین طبع ہوئی ہے قیمت صرف عہ